فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل محررہ

جلد ۳

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ــــــــــ احسن الفتاوی

جلد ــــــــــ سوم

زیر اہتمام ــــــــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ــــــــــ ۵۵۲ صفحات

کتابت ــــــــــ منشی محمد فاروق مسعود آباد

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

پریس ــــــــــ ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ــــــــــ سنہ ۱۴۰۱ھ

طبع سیزدہم ــــــــــ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین "احسن الفتاوی" جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب صفۃ الصلوٰۃ وما یتعلق بہا

تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی:

سوال: زید نے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لئے اور ہاتھ باندھ کر پھر زبان سے پوری نیت کرکے تعوذ و تسمیہ فاتحہ و قراءت پڑھ کر نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ اور تکبیر اولیٰ باطل ہوگئی یا وہی کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب:

تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے، اس لئے زید کی نماز نہیں ہوئی، اور اگر تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے قبل دل میں نماز کی نیت کرلی تھی تو اگرچہ نیت قلبی کی وجہ سے نماز کی ابتداء صحیح ہوگئی مگر بعد میں نیت کے الفاظ کہنے سے نماز فاسد ہوگئی۔ قال فی الدر المختار ولا عبرۃ بنیۃ متأخرۃ عنها علی المذهب. وقال فی رد المحتار لأن الجزء الخالی عن النیۃ لا یقع عبادۃ فلا ینبنی الباقی علیه وفی الصوم جوزت للضرورۃ بمعنی حتی لو نوی عند قوله الله قبل اکبر لا یجوز لأن الشروع یصح بقوله الله فکأنه نوی بعد التکبیر حلیۃ عن البدائع اھ (رد المحتار ج۱ ص ۲۸۸) قلت هذا الفرع مبنی علی غیر الظاهر من المذهب لما قرر الشارح والمحشی فی بیان تألیف الصلوٰۃ ان المذهب لا یصیر شارعا بالله فقط ولعل الشارح ولا یصیر شارعا بالمبتدأ فقط کالله وباکبر فقط هو المختار فلو قال الله مع الامام واکبر قبله او ادرک الامام راکعا فقال الله قائما واکبر راکعا لم یصح فی الاصح (رد المحتار ص ۳۳۴ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ [illegible]

زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے:

سوال: ہمارے دیار میں یہ عام رواج ہے کہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز شروع ہونے سے قبل ایک آدمی زور زور سے ان کی نیتیں فارسی زبان میں کہتا جاتا ہے اور لوگ اس سے تلقین تعلیم

پاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہی الفاظ کہتے ہیں اور اسی نیت سے اپنی نماز شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تقریباً اکثر عوام اُن کی نیات خود یاد نہیں کرتے ہیں کہ وقت پر وہ بتا یا جائے گا، اگر کوئی امام اس طرح سے نیت کو آواز بلند نہ کہے اور اس تلقین سے منع کرے تو اس کو مطعون و جاہل کہا جاتا ہے، حتی کہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ کی نماز اس نے پڑھائی ہی نہیں، ایسی صورت میں اس رواج و رسم کے متعلق کیا کہا جائے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے دیار میں بہت ہی رواج پا چکا ہے، اسی پر جنازہ کی نماز کی صحت کو موقوف سمجھا جاتا ہے، اگر یہ مسئلہ احسن الفتاوی میں آجائے تو مناسب ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے، اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں کہ "نماز جنازہ یا نماز عید امام کے ساتھ پڑھتا ہوں" لمبی چوڑی نیت جو مشہور ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے، لہٰذا آپ کے ہاں مروج طریقہ کو ضروری سمجھنا اور صحت نماز کو اس پر موقوف قرار دینا بلاشبہہ بدعت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الآخرہ ۸۳ھ

نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت:

سوال:- التلفظ بالنیة فی الصلوٰة کے مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں، بانه مستحب وقيل سنة وقيل بدعة ثم جعل بعضهم بدعة حسنة وبعضهم بدعة سيئة، تقریباً ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام شارحین و محققین کا میلان بلا عبرة بہ کا معلوم ہوتا ہے، مثل محقق ابن الہمام وغیرہ، مولانا عبدالحی لکھنوی، اور ملا علی قاری نے بھی عدم ثبوت کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی عہد رسالت اور زمان مشہود لہا بالخیر تک اس کے ثبوت کا قائل نہیں، مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے: ولکن قد استحسن العلماء بل بعضهم فی نیة الصلوٰة النطق باللسان مع الارادة القلبية والحال انه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا عن اصحابه الكرام ولا عن التابعين العظام في النية النطق باللسان لا في رواية صحيحة ولا في رواية ضعيفة بل كانوا يكبرون للتحريمة عقب القيام فيكون النطق بدعة وقالوا ان ذلك بدعة حسنة ويقول هذا الفقير ان هذه البدعة رافعة للفرض فضلاً

من السنة فان اکثر الناس یکتفون علی هذا التقدیر بالنطق باللسان یعنی من غیر استحضار النیة بالجنان ومن غیر مبالاة بالغفلة القلبیة عن هذا الشأن فحینئذٍ یکون فرض من فرائض الصلوٰة وهو النیة القلبیة متروکًا بالکلیة ویفضی الی فساد الصلوٰة (مکتوبات الامام الربانی، ص ۱۱۰ ج ۱، المکتوب السادس والثلاثون والمأة)

جب سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ثبوت عدم کی وضاحت ملتی ہے، اور ایک حدیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة، (الجامع الصغیر للسیوطی، ص ۱۲۱ ج ۲) تو اس کو بدعت کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟ نیز اس میں سنیت، استحباب، کراہت اور بدعت وغیرہ کے سب اقوال کی موجودگی میں جب سنت ہونے کی نفی تصریح فقہاء سے ثابت ہے، اور یہ عمل دائر بین الجائز والبدعة ہے تو کیا بدعت کے قول کو ترجیح نہ ہوگی، کما صرح بہ الفقهاء رحمهم الله تعالی، نیز استحباب اگر اجتماع عزیمت کی وجہ سے ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے تو مجدد الف ثانی کے قول کے بموجب اس سے اجتماع عزیمت تو کیا ہوتا انتفاء جزء اعظم لازم آرہا ہے، یعنی عموماً ارادۂ قلبیہ یا اس جانب دھیان وفکر باقی نہیں رہتا، اور اگر استحباب کی دلیل استحسان علماء ہے تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہونا چاہئے، نیز بصورت جواز اگر اس کو کوئی ضروری سمجھے تو کیا حکم ہے؟ بینوا بالدلیل والبرهان آجرکم الرحمن،

الجواب باسم ملهم الصواب

بدعت تو یہ اس لئے نہیں کہ اس کو مقصود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ذریعۂ مقصود سمجھا جاتا ہے، وهو احضار القلب، اور جس امر کو محض ذریعہ کے درجہ میں رکھا جائے اس پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی، کالمدارس العربیة وما فیها من الامور المحدثة، البتہ اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بلاشبہ بدعت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ معین احضار قلب ہے یا مشغل قلب؟ اس میں قول اول راجح معلوم ہوتا ہے ؎

ذکر آرد فکر را در اہتزاز ÷ ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

علاوہ ازیں صحت صلوٰۃ کے لئے اتنا استحضار کافی ہے کہ کسی کے اچانک دریافت کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ جمادی الآخرہ [illegible]

نیت میں غلطی کا حکم:

سوال:- اگر نماز کی نیت کرتے وقت ظہر کی بجائے عصر یا عشاء وغیرہ کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا چار رکعت کی بجائے دو رکعت کہہ گیا، اور قصر کی نیت کرلی تھی لیکن پوری نماز (چار رکعات) کے الفاظ زبان سے نکل گئے، یا چار رکعات کی بجائے قصر کی نیت کرلی، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ دل میں صحیح وقت، تعداد رکعات اور قصر یا پوری نماز کی نیت تھی صرف زبان سے الفاظ اس کے خلاف نکل گئے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی یہی الفاظ نکلے اور دل میں بھی یہی خیال اور نیت تھی، تو کیا ایسی صورت میں نماز شروع کرنے کے بعد نیت کی تصحیح کرسکتے ہیں یا نیت توڑ کر دوبارہ صحیح نیت کی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نیت صرف ارادہ سے ادا ہوجاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہوجائے تو بھی نماز ہوجائے گی، نیت قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتاسکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے، قلبی نیت میں بھی نفل، سنت اور تراویح میں کسی قسم کی تعیین کی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ فرض اور واجب میں صرف اتنی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کے فرض ہیں یا عصر کے، اور واجب میں یہ کہ وتر ہیں یا نذر، ادا ہیں یا [illegible] اور تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں، بلکہ اس میں قلبی نیت کی غلطی بھی مضر نہیں، قال فی الدر: والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانہ کلام لا نیۃ الا اذا عجز عن احضارہ لہموم اصابتہ فیکفیہ اللسان مجتبی وھو ای عمل القلب ان یعلم عند الارادۃ بداہۃ بلا تأمل ای صلوٰۃ یصلی فلو لم یعلم الا بتأمل لم یجز۔ وفی الشامیۃ (قولہ ان خالف القلب) فلو قصد الظہر وتلفظ بالعصر سہوا اجزأہ کما فی الزاہدی قہستانی اھ (قولہ ان یعلم عند الارادۃ الخ) قال الزیلعی وادناہ ان یصیر بحیث لو سئل عنہا امکنہ ان یجیب من غیر فکر اھ (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۱) وفی التنویر وکفی مطلق نیۃ الصلوٰۃ لنفل وسنۃ وتراویح ولابد من التعیین عند النیۃ لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد رکعاتہا وفی الشرح لحصولہا ضمنا فلا یضر الخطأ فی عددہا (رد المحتار ج ۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الآخر ۸۹ھ

نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم :

سوال : اگر کوئی شخص بوقت ظہر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے، درمیان ہی میں یاد آنے پر پھر سنتوں کی نیت دل میں کرلے تو یہ سنت ادا ہونگی یا فرض یا نماز از سرنو ادا کی جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر کے فرض پڑھتا ہو اور بھول کر بجائے فرض کے سنت کہہ گیا ہو درمیان میں یاد آنے پر ارادہ بدل لے کہ مجھے فرض ادا کرنے ہیں تو یہ فرض ادا ہوجائیں گے یا نہیں؟ یا از سرنو فرض پڑھنا پڑیں گے جبکہ ظہر کی سنت پہلے ادا کرچکا ہو۔

اسی طرح کوئی شخص وتر پڑھتا ہو نیت کرتے وقت بجائے وتر کے سنت کہہ گیا ہو اور دعاء قنوت کے وقت یاد آیا تو اس نے وتروں کا ارادہ دل میں کرلیا تو یہ وتر ہوگئے یا دوبارہ ادا کریں خواہ وتر تنہا پڑھ رہے ہوں یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں فرض صحیح ہوگئے سنت بعد میں پڑھے مگر نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں اس لئے اگر دل میں سنت مؤکدہ پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوگئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ذی قعدہ سنہ ۹۹ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : جناب کا تحریر کردہ فتویٰ صادر ہوا شکریہ، فتویٰ جناب میں یہ امر مبہم رہ گیا کہ آپ نے فرمایا کہ نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں، اس لئے اگر دل میں سنت پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے لیکن فتاویٰ دار العلوم ص ۲ ج ۴ میں مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بجائے سنتوں کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے اور یاد آنے پر دل ہی دل میں سنتوں کی نیت کرلی تو نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟ جواب : نیت توڑ کر پھر سے سنتوں کی نیت باندھے اور دوبارہ تکبیر بہ نیت سنت کہے۔ رجل افتتح المکتوبۃ فظن انہا تطوع فصلی علی نیۃ التطوع حتی فرغ فالصلوۃ ہی المکتوبۃ ولو کان الامر بالعکس فالجواب بالعکس الخ والنیۃ بعد بنی التکبیر لیس بمعتبر (عالمگیریہ مصری کشوری کن الفصل الرابع فی النیۃ ص ۶۶ ج ۱ و ص ۶۲ ج ۱)

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز سے قبل زبان و قلب میں اختلاف پایا جائے تو قلب کی نیت کا اعتبار ہے، زبان کی غلطی معتبر نہیں، اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد دل سے نیت بدلے تو یہ معتبر نہیں، فتاویٰ کی تحریر کا یہی مطلب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم ۱۰ ذی قعدہ

سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں: کوئی شخص اگر اس طرح نماز کی نیت کرتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو عربی میں کس طرح نیت کرنی چاہیے؟ زید کہتا ہے اگر اس طرح نیت کرے تو شرک لازم آتا ہے، اور زید عالم بھی ہے۔

صبح کی دو رکعت سنت نماز کی نیت یہ ہے: نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى رَكْعَتَيْنِ صَلٰوةَ الْفَجْرِ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُتَوَجِّهًا اِلٰى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

الجواب باسم ملهم الصواب

نیت کے لئے اتنے طویل الفاظ کی ضرورت نہیں، دل کی نیت کافی ہے، اگر زبان سے نیت کرنا چاہے تو فرض نماز کے لئے صرف اتنے الفاظ کافی ہیں کہ ظہر یا عصر کے فرض پڑھتا ہوں، نہ رکعات کی تعیین ضروری ہے نہ دن کی اور نہ وقتی فرض کہنے کی ضرورت، اور واجب میں صرف وتر یا نذر کی نیت کافی ہے، سنت اور نفل کی نیت میں سنت یا نفل کہنے کی بھی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، معہذا اگر کسی نے نیت میں سنت رسول اللہ کے الفاظ کہہ دیئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو شرک بتانا جہالت ہے، اس لئے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ نماز سنت سے ثابت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ محرم سنہ ۹۳ھ

بوقت تکبیر تحریمہ انگلیوں کی کیفیت:

سوال: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں، کھلی رکھے یا ملا کر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے، انگوٹھوں کو کانوں کی لو سے لگائے، اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے، قال فی التنویر وسننها رفع اليدين للتحريمة ونشر الاصابع، وفي الشرح اي تركها بحالها وفي الشامية (قوله اي تركها بحالها) قال في الحلية ظن بعضهم انه اراد بالنشر تفريج الاصابع وهو غلط بل اراد به النشر عن الطي يعني يرفعهما منصوبتين لا مضمومتين حتى تكون الاصابع مع الكف مستقبلة للقبلة ثم لا يخفى انه لا تتوقف السنة على ضم الاصابع اولا بل لو كانت منشورة غير مفرجة كل التفريج ولا مضمومة كل الضم تحقق

رفعهما لكن لئلا يستقبل بهما القبلة نقل ان بالسنة اظهر (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۱)
وفی التنویر ورفع یدیه ماسّاً بابهامیه شحمتی اذنیه وقال الشارح هو المراد بالمحاذاة لانها لا تتیقن الا بذلك ویستقبل بکفیه القبلة وقیل خدیه (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۱)
فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم
۱۲ جمادی الاولیٰ ۸۰ھ

تکبیر تحریمہ ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے:

سوال:- تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں:-
(۱) ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے،
(۲) ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے، رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتداء کرے اور اس کے ختم پر تکبیر ختم کرے،
(۳) ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے یہی راجح ہے، قال فی العلائیة ورفع یدیه قبل التکبیر وقیل معه قال الشامیة الاول نسبه فی المجمع الی ابی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰہ تعالیٰ وفی غایة البیان الی عامة علمائنا وفی المبسوط الی اکثر مشایخنا وصححه فی الهدایة والثانی اختاره فی الخانیة والخلاصة والتحفة والبدائع والمحیط بان یبدأ بالرفع عند بداءته التکبیر ویختم به عند ختمه وعزاه البقالی الی اصحابنا جمیعاً ورجحه فی الحلیة وثمة قول ثالث وهو انه بعد التکبیر والکل مروی عنه علیه الصلوٰة والسلام وما فی الهدایة اولیٰ کما فی البحر والنهر ولذا اعتمده الشارح فافهم (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم
۳ صفر ۸۰ھ

ٹوپی سے نماز پڑھنا:

سوال:- زید کہتا ہے کہ ٹوپی سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ٹوپی ثیاب بذلہ سے ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

زید کا قول صحیح نہیں، کیونکہ اولاً تو ٹوپی کا ثیاب بذلہ سے ہونا مسلم نہیں، ثیاب بذلہ اس لباس کو کہا جاتا ہے جس کے انسان مجلس میں آنے جانے میں عار سمجھتا ہو، اگر کوئی شخص ٹوپی پہن کر مجلس میں آ جاتا ہو اس کے لئے ٹوپی ثیاب بذلہ سے نہیں، ثانیاً ثیاب بذلہ میں نماز مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، کما فی الشامیۃ: (قولہ وصلٰوتہ فی ثیاب بذلۃ) قال فی البحر وفسرھا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذھب بہ الی الاکابر والظاھر ان الکراھۃ تنزیھیۃ اھ (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الآخر سنہ ۸۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ٹوپی سے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر فی مکروھات الصلوٰۃ وصلٰوتہ حاسرا ای کاشفا رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما للاھانۃ بھا فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتھا افضل وقال فی الشامیۃ وفی الدر عن التاترخانیۃ والظاھر ان افضلیۃ اعادتھا حیث لم یحتج لتکویرہا الخ (رد المحتار ج ۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلا تکاسل برہنہ سر نماز پڑھنے میں بھی کراہت نہیں تو ٹوپی سے پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ نہ ہوگا، نیز ولو سقطت قلنسوتہ الخ پر شارح کا ٹوپی سے نماز پڑھنے پر کراہت کا حکم نہ لگانا عدم کراہت پر بین دلیل ہے، لان السکوت فی معرض البیان بیان۔

جن عبارات سے کراہت معلوم ہوتی ہے وہ اس شخص پر محمول ہیں جو ٹوپی سے مجلس میں نہ آتا ہو اور اسے ثیاب بذلہ سے سمجھتا ہو۔

مختلف روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف امت کا ٹوپی سے نماز پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے: باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر (بخاری ج ۱)

کان القوم یسجدون علی العمامۃ والقلنسوۃ (بخاری ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۸۳ھ

سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے:

سوال:- ایک شخص نماز پڑھتے وقت سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر نہیں رکھتا اس غرض سے کہ پیشانی پر داغ نہ پڑ جائے اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے لہٰذا اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، قال فی الشامیۃ فی فصل فی بیان تالیف الصلوٰۃ الی انتہائہا تحت (قولہ ووضع اکثرہا واجب الخ) اختلف ہل الفرض وضع اکثر الجبہۃ ام بعضہا وان قل قولان ارجحہما الثانی نعم وضع اکثر الجبہۃ واجب للمواظبۃ وایضا تحت (قولہ کما حررناہ فی شرح الملتقی) فالاشبہ وجوب وضعہما معا (ای الجبہۃ والانف) وکراہۃ ترک وضع کل تحریما الخ (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ جمادی الاولی سنہ ۹۳ھ

قومہ وجلسہ اور ان میں تعدیل واجب ہے:

سوال:- قومہ وجلسہ اور تعدیل ارکان سنت ہے یا واجب؟ اور سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

راجح قول وجوب کا ہے، لہٰذا سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، قال فی الشامیۃ ومقتضی الدلیل وجوب الطمانینۃ فی الاربعۃ ای فی الرکوع والسجود وفی القومۃ والجلسۃ ووجوب نفس الرفع من الرکوع والجلوس بین السجدتین للمواظبۃ علی ذلک کلہ وللامر فی حدیث المسیٔ صلوٰتہ ولما ذکرہ قاضی خان من لزوم السجود بالسہو بترک الرفع من الرکوع ساھیا (رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ محرم سنہ ۰۵ھ

توہم فساد کی بنا پر مغرب اور وتر کے اعادہ میں چار رکعات پڑھے:

سوال:- توہم فساد کی بنا پر احتیاطاً قضاء صلوٰۃ سے متعلق درمختار باب النوافل میں صلوٰۃ علی الدابۃ سے چند سطور پہلے یہ عبارت ہے: وما نقل ان الامام قضی صلوٰۃ عمرہ فان صح نقول کان یصلی الوتر والمغرب اربعا بثلاث قعدات الخ۔ اس میں یہ شبہ ہے کہ اگر

مغرب کی پہلی نماز صحیح ہے تو اعادہ میں چار نوافل ہیں، تیسری رکعت پر قعدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہونا چاہئے، اور اگر پہلی نماز صحیح نہیں ہوئی بلکہ اعادہ صحیح ہے تو ایک تو تیسری رکعت کے بعد بلا تحریمہ سلام کی وجہ سے سجدۂ سہو ہونا چاہئے، دوسرا یہ کہ رکعت رابعہ نفل ہوگی اور نفل شروع کرنے کے بعد شفع واجب ہو جاتا ہے تو اس کا تدارک کیسے ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

سجدۂ سہو عمداً میں نہیں ہوتا، اس لئے مذکورہ صورتوں میں اس کے وجوب کی کوئی وجہ نہیں، اور نوافل میں بعد الشروع تمام شفع تب واجب ہوتا ہے کہ نوافل قصداً شروع کرے، اور صورت مذکورہ اس میں داخل نہیں، قال فی شرح التنویر: ولو سها عن القعود الاخیر ... ما لم یقیدها بسجدة وان قیدها تحول فرضه نفلا برفعه وضم سادسة ولو فی العصر والفجر ان شاء لاختصاص الکراهة والاتمام بالقصد، وفی الشامیة (قوله لاختصاص الکراهة الخ) جواب عما قد یقال ان النفل بعد العصر والفجر مکروه وفی غیرهما وان لم یکره لکن یجب اتمامه بعد الشروع فیه فکیف قال (وضم) ولو فی العصر والفجر وقال انه مخیر ان شاء ضم والا فلا والجواب انه لم یشرع فی هذا النفل قصداً وما ذکره من الکراهة ووجوب الاتمام خاص بالنفل قصداً وایضاً فی الشرح ولا عهدة لو قطع، وفی الحاشیة ای لا یلزمه القضاء لو لم یضم وسلم لانه لم یشرع فیه مقصوداً کما مر (رد المحتار باب سجود السهو) باب النوافل میں بھی لزوم نفل شرع فیه قصداً مقید بالقصد ہے، مطلقاً شروع سے لزوم کا حکم نہیں دیا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۲۲ رجب ۸۵ھ

مغرب یا وتر میں سجدۂ سہو نہ کیا تو بوقت اعادہ کتنی رکعت پڑھے:

سوال :۔ مغرب یا وتر میں سجدۂ سہو واجب ہوا، مگر سجدہ نہ کیا، تو بوقت اعادہ تین رکعات

عـه فیه انه ان یتوهم عن النفل المشروع بغیر قصد یجب اتمامه ایضاً انما عدم الوجوب ففی صورة ظنه فی الاداء کذا فی الشامیة ج ۱ ص ۱۵۰ والجواب ان عدم وجوب الاتمام لانه یدل علی الالتزام وههنا لیس کذلک لکنه لا یبرئ الالتزام ... بلا اراد جبر النقصان والخروج عن العهدة ۱۲ منه

پڑھے یا کہ چار؟ بینوا بالبرھان اجرکم الرحمٰن۔

الجواب منه الصدق والصواب

اگر وقت کے اندر اعادہ کیا تو تین رکعت ہی پڑھے، کیونکہ اعادہ واجب ہوا، اور اگر بعد از وقت اعادہ کیا تو یہ اعادہ صاحب بحر کے نزدیک مستحب ہو، واجب نہیں، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ چار رکعت تین تحریمات کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ توہم فساد کے وقت اعادہ کا حکم ہے، مگر شامیہ باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۷۰۰ میں قبل از خروج وقت یا بعد از خروج، بہر کیف اعادہ کے وجوب کو ثابت کیا ہے، یہی بحث واجبات الصلوٰۃ اور باب سجود السہو میں بھی ہے، پس قول مختار کی بنا پر بہر حال اعادہ بھی تین رکعت ہی پڑھے، غرضیکہ اس کا مدار وجوب اعادہ وعدم وجوب اعادہ پر ہے، بعض نے جو اس کا مدار یہ قرار دیا ہے کہ صلوٰۃ واجب الاعادہ میں صلوٰۃ اولیٰ فرض ہے یا ثانیہ، یہ صحیح نہیں، کیونکہ اگر صلوٰۃ اولیٰ کو فرض تسلیم کیا جائے تب بھی صلوٰۃ معادہ جبر نقصان کے لئے واجب تو ضرور ہے، اور وجوب تثلیث کے منافی نہیں، وکما فی الوتر، لہٰذا چار رکعات کی حاجت نہیں، صلوٰۃ اولیٰ کی فرضیت کے قائلین کا یہ مطلب نہیں کہ صلوٰۃ ثانیہ محض نفل ہے، شرح التنویر میں ہے: والمختار انه جابر للاول لان الفرض لا یتکرر، وفی الشامیة ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السہو الخ معلوم ہوا کہ صلوٰۃ ثانیہ سجدہ سہو کی طرح جابر اور واجب ہے، بلکہ شامی نے باب قضاء الفوائت ص ۱۷۰ ج ۱ میں تصریح کی ہے کہ جو فریق صلوٰۃ اولیٰ سے سقوط فرض کا قائل ہے وہ صلوٰۃ ثانیہ بھی فرض ہی کہتا ہے، پوری تفصیل شامیہ میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲؍ رجب ۷۵ھ

ہیئت رکوع میں مرد اور عورت میں فرق:

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ هل تفارق المرأة الرجل فی هیئة رکوع الصلوٰة ام لا؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

بینهما[عه] فرق ذکره الفقهاء رحمهم الله تعالیٰ کما قال فی الشامیة تحت قوله ویسن ان یلصق کعبیه، هذا کله فی حق الرجل اما المرأة فتنحنی فی الرکوع یسیرا

عه عورت رکوع میں مردوں کی طرح پشت کو برابر نہ کرے بلکہ تھوڑا جھکنا کرے زیادہ نہ جھکے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر گھٹنوں پر رکھے، مردوں کی طرح انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو پکڑے نہیں اور گھٹنوں کو ذرا سے جھکائے اور کہنیوں کو پہلو سے ملائے ۱۲ منہ

ولا تفرج ولکن تضم وتضع یدیہا علی رکبتیہا وصفا وتحنی رکبتیہا ولا تجافی عضدیہا لان ذلک استر لہا وفی شرح الوجیز الخنثی کالمرأۃ اھ (رد المحتار ج۱ ص۳۴۶) فقط واللہ تعالی اعلم

۱۴ ربیع الاول [illegible]

سوتے شخص کو نماز کے لیے جگانا:

سوال: سوتے ہوئے آدمی کو نماز کے وقت جگانا واجب ہے یا نہیں؟ نیز جب نماز کا وقت شروع ہو جائے تو اس وقت سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو سوتے ہوئے شخص کو جگانا واجب ہے، البتہ اگر یہ شخص مریض ہو اور جگانے سے تکلیف کا خطرہ ہو تو جگانا واجب نہیں، نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد سونا اس شرط سے جائز ہے کہ نماز فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو، خود بیدار ہو جانے کا یقین ہو یا کوئی بیدار کرنے والا موجود ہو، وقت نماز سے قبل سونا بہرکیف جائز ہے، قال فی الدر لا یجب انتباہ النائم فی اول الوقت ویجب اذا ضاق الوقت نقلہ البیری فی شرح الاشباہ عن البدائع من کتب الاصول وقال لم نرہ فی کتب الفروع، فاغتنمہ اھ، قلت لکن فیہ نظر لتصریحہم بانہ لا یجب الاداء علی النائم اتفاقا فکیف یجب علیہ الانتباہ وروی مسلم فی قصۃ التعریس عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالی عنہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی النوم تفریط (الی قولہ) انہ بنومہ قبل الوقت لا یکون مؤخرا وعلیہ فلا یأثم واذا لم یأثم لا یجب انتباہہ اذ لو وجب لکان مؤخرا لہا وآثما بخلاف اذا نام بعد دخول الوقت ویمکن حمل ما فی البیری علیہ (رد المحتار ص۲۳۲ ج۱ باب المواقیت) وفی صوم الشامیۃ ومثل اکل الناسی النوم عن صلوۃ لان کلا منہما معصیۃ فی نفسہ کما صرح انہ یکرہ السہر اذا خاف فوت الصبح لکن الناسی او النائم غیر قادر فسقط الاثم عنہما لکن وجب علی من یعلم حالہما تذکیر الناسی وایقاظ النائم الا فی حق الضعیف عن الصوم مرحمۃ لہ (رد المحتار ص۱۰۹ ج۲) وروی انہ علیہ السلام دخل المسجد فرأی نائما فقال یا علی نبہہ لیتوضأ فایقظہ علی ثم قال علی یا رسول اللہ انک سباق الی الخیرات فلم لم تنبہہ قال لان ردہ علی کفر وردہ علیک لیس بکفر ففعلت ذلک لتخف جنایتہ لو ابی (تفسیر کبیر ص۱۲۹ ج۱۰ سورۃ النور) فقط واللہ تعالی اعلم

۲۰ شوال [illegible] ہجری

لفظ "السلام" کہنے سے نماز سے خارج ہوگیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ نماز سے خروج کے لئے السلام علیکم کہنا واجب ہے تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علیکم سے قبل ہی صرف السلام کا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے، لما فی واجبات الصلوٰۃ من شرح التنویر ولفظ "السلام" مرتین والثانی واجب علی الاصح برہان، دون علیکم، وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ وفی رد المحتار (قولہ وتنقضی قدوۃ بالاول) ای بالسلام الاول، قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوتہ فلما قال "السلام" جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلا فی صلوتہ لان ہذا سلام (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ر محرم سنہ ۸۶ھ

بدون نماز سجدہ کا حکم:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ خارج نماز میں سجدۂ تلاوت کے سوا اور کسی قسم کا سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز نماز کے بعد سجدہ کی کراہت فقہاء نے لکھی ہے کیا وہ تسبیحات فاطمہ کے بعد سجدہ کرنے کو بھی شامل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ وسجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی لکنہا تکرہ بعد الصلوٰۃ لان الجہلۃ یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ، وفی الشامیۃ وہی لمن تجددت عندہ نعمۃ ظاہرۃ او رزقہ اللہ تعالیٰ مالا او ولدا او اندفعت عنہ نقمۃ ونحو ذلک یستحب لہ ان یسجد للہ تعالیٰ شکرا (قولہ لکنہا تکرہ بعد الصلوٰۃ) الضمیر للسجدۃ مطلقا قال فی شرح المنیۃ آخر الکتاب عن شرح القدوری للزاہدی اما بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ (الی قولہ) وحاصلہ ان ما لیس لہا سبب لا تکرہ ما لم یؤد فعلہا الی اعتقاد الجہلۃ سنیتہا کالتی یفعلہا بعض الناس بعد الصلوٰۃ الخ (قولہ فمکروہ) الظاہر انہا

فتعمد رحیمیۃ لانہ یدخل فی قولہ من ما لیس منہ فھو رد (رد المحتار ص ۷۴۲ ج ۱)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :-

① سجدۂ شکر اگرچہ بعض نے مکروہ لکھا ہے مگر مفتی بہ قول پر یہ صرف اس وقت مستحب ہے جب کسی خاص نعمت جدیدہ کا ظہور ہو، بدون اس کے مستحب نہیں، اگرچہ مکروہ بھی نہیں۔

② سجدۂ دعاء وغیرہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کی عادت نہ کرے اور سنت یا مستحب نہ سمجھے اور عوام کے لئے فساد عقیدہ کا باعث نہ ہو۔

③ نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۂ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، نماز کے بعد کی تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر بھی اس مقام پر سجدہ جائز نہیں کیونکہ:

①— حدیث میں ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی جب تک اس مقام پر رہتا ہے اور کوئی امر نماز کے خلاف نہیں کرتا اس وقت تک وہ گویا نماز ہی میں ہے۔

②— اگر سہواً کوئی سا نماز کا رکن چھوٹ گیا اور اسی حالت میں یاد آگیا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس رکن کو ادا کر کے سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔

③ — عرف میں بعد التسبیحات کو بھی بعد الصلوٰۃ ہی سمجھا جاتا ہے۔

④ — موضع اجابت دعا میں دعا بعد الصلوٰۃ بھی ہے اور تسبیحات و ذکر کے بعد ہونے والی دعاء کو بالاتفاق دعاء بعد الصلوٰۃ ہی شمار کیا جاتا ہے۔

⑤— علت نہی یعنی خطرۂ فساد اعتقاد سجدہ بعد التسبیحات میں بھی موجود ہے۔

⑥ عوام کا معمول جس کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ فرمایا ہے یہ ہے کہ تسبیحات کے بعد سجدہ کرتے ہیں، نماز کے بعد فوراً سجدہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گیا۔

توضیح: نماز کے بعد جب تک اسی مقام اور ہیئت پر قائم ہے اس وقت تک کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز نہیں، البتہ اگر کوئی شخص کبھی خلوت میں نماز کے بعد سجدہ کرے مگر عادت نہ کرے، اور اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے تو جائز ہے، پس نماز کے بعد جواز سجدہ کے لئے تین شرائط ہیں:-

① خلوت ہو، کہ کوئی عامی شخص نہ دیکھ رہا ہو۔

② اس کی عادت نہ بنائے۔

③ اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے یعنی بعد نماز سجدہ کرنے میں دوسرے اوقات کی بنسبت زیادہ ثواب نہ سمجھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الآخرہ سنہ

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- نماز کے بعد متصل ہی یا کچھ وقفہ سے یا علاوہ نماز کے سجدہ میں دعاء مانگنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی صورت میں ہاتھ کس طرح رکھے جائیں؟ جس طرح دعاء مانگتے وقت عموماً رکھے جاتے ہیں (کہ ہتھیلی اوپر کی طرف رہتی ہے) یا جس طرح سجدے میں رکھے جاتے ہیں (کہ ہتھیلی زمین کی جانب رہتی ہے)
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۂ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، دوسرے حالات میں دعاء کے لئے سجدہ جائز ہے، مگر اس کا التزام بدعت ہے۔ (تفصیل رسالہ بالا میں ملاحظہ ہو۔ مرتب)
سجدہ میں دعاء کے وقت ہتھیلی زمین کی طرف رکھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۹ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۵ھ

درود میں "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف اللّٰہم صل علیٰ محمد کہنا افضل ہے یا اللّٰہم صل علیٰ سیدنا محمد کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے۔ قال فی الدر وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فہو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ وقال المحشی (قولہ ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحہ علی منہاج النووی ونصہ والافضل الاتیان بلفظ السیادۃ کما قالہ ابن ظہیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ہو ادب فہو افضل من ترکہ ام (الی قولہ) وانہ یاتی بہا مع ابراہیم علیہ السلام۔ (رد المحتار ص ۳۴۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۱ رجب سنہ ۸۹ھ

نماز سے خروج بالاختیار فرض ہے اور سلام واجب ہے:

سوال:- خروج بصنع المصلی کا کیا حکم ہے؟ نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے یا سنت؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خروج بصنعہ فرض ہے، وجوب کا قول بھی ہے، مگر قول اول راجح ہے، اور لفظ "سلام" سے خروج واجب ہے، قال فی رد المحتار وقد انتصر العلامة الشرنبلالی للبردعی فی رسالته المسائل البهية الزكية على الاثنى عشرية بانه فرض على افتراض الخروج بصنعه مذهب الهداية وتبعه الشراح وعامة المشايخ واكثر المحققين والامام النسفي في الوافي والكافي و الكنز وشرحه وامام اهل السنة الشيخ ابو منصور الماتريدي (رد المحتار ص ۴۱۰ ج ۱)

وفی واجبات الصلوة من الدر المختار ولفظ السلام مرتين (رد المحتار ص ۴۳۳ ج ۱)

واضح رہے کہ سلام اول میں صرف لفظ السلام کہنے سے نماز سے فراغت ہو جاتی ہے، مگر سلام ثانی بھی واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۶ھ

قومہ و جلسہ میں دعاء ماثور:

سوال: قومہ اور جلسہ کے اندر دعاء پڑھنا کیسا ہے؟ نیز فرائض اور نوافل میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قومہ اور جلسہ میں دعاء ماثور پڑھنا مستحب ہے، فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں، البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے، قال فی الشامیة قال ابو یوسف سألت الامام ايقول الرجل اذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللهم اغفر لى قال يقول ربنا لك الحمد ويسكت وكذلك احسن فى الجواب اذ لم ينهه عن الاستغفار نهر وغيره اقول بل فيه اشارة الى انه غير مكروه اذ لو كان مكروها لنهى عنه كما ينهى عن القراءة فى الركوع والسجود وعدم كونه مسنونا لاينافى الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة بل ينبغى ان يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجا من خلاف الامام احمد لابطاله الصلوة بتركه عامدا ولم ار من صرح بذلك عندنا لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، وبعد اسطر عن الحلية على انه ان ثبت فى المكتوبة فليكن فى حالة الانفراد او الجماعة والمأمومون محصورون لايتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية ولا ضرر فى التزامه وان لم يصرح به مشايخنا الخ (رد المحتار

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۶ھ

گونگا نماز کیسے پڑھے؟

سوال:- گونگا اور بہرا جو کہ مادر زاد بہرا ہے نہ بات کر سکتا ہے نہ سن سکتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

گونگا تکبیر تحریمہ اور قرأت کے لئے زبان ہلائے، بعض نے اس کو فرض قرار دیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زبان ہلانا فرض نہیں ہے، مستحب ہے، قال فی الدر ولا یلزم العاجز عن النطق کأخرس وأمی تحریک لسانہ وکذا فی حق القراءۃ ہو الصحیح لتعذر الواجب فلا یلزم غیرہ الا بدلیل فتکفی النیۃ (الی قولہ) ثم فی الاشباہ فی قاعدۃ التابع تابع المفتی بہ لزومہ فی تکبیرۃ وتلبیۃ لا قراءۃ وفی الشامیۃ اقول عبارۃ الاشباہ علی ما رأیتہ فی عدۃ نسخ ومتأخرۃ ای عن القاعدۃ الاخرس یلزمہ تحریک اللسان فی تکبیرۃ الافتتاح والتلبیۃ علی القول بہ واما بالقراءۃ فلا علی المختار اھ وفی بعض النسخ علی المفتی بہ بدل قولہ علی القول بہ والاول احسن لموافقتہ لما ذکرہ صاحب الاشباہ فی بحرہ عند قولہ فرضہا التحریمۃ حیث نقل تصحیح عدم الوجوب فی التحریمۃ وجزم بہ فی المحیط ولکن یحتاج الی الفرق بین التحریمۃ والتلبیۃ فانہ نص محمد علی انہ شرط فی التلبیۃ وقال فی المحیط یستحب کما فی الصلوٰۃ کذا فی شرح لباب المناسک ثم قال قلت فینبغی ان لا یلزمہ فی الحج بالاولی لان القراءۃ فرض قطعی والتلبیۃ امر ظنی (رد المحتار ص ۳۲۵ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رشوال سنہ ۹۱ھ

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے:

سوال:- زید نے نماز میں درود شریف قصداً نہ پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے کہ نماز ہو گئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی کیونکہ درود شریف پڑھنا سنت ہے اور سنت کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہٰذا اعادہ کی صورت میں

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد تک پڑھ لینا چاہئے، قال فی التنویر: وسنۃ فی الصلوٰۃ ومستحبۃ فی کل أوقات الإمکان، وفی الشامیۃ (قولہ سنۃ فی الصلوٰۃ) أی فی قعود أخیر مطلقا وکذا فی قعود أول فی النوافل غیر الرواتب تأمل، وفی صلوٰۃ الجنازۃ (رد المحتار ص ۳۸۳ ج ۱)

وفی سنن الصلوٰۃ من الدر: وترک السنۃ لا یوجب فسادا ولا سہوا بل إساءۃ لو عامدا غیر مستخف، وفی الشامیۃ فلو غیر عامد فلا إساءۃ أیضا بل تندب إعادۃ الصلوٰۃ کما قدمناہ فی أول بحث الواجبات (رد المحتار ص ۳۳۲ ج ۱) ونصہ ہناک: أقول وقد ذکر فی الإمداد بحثا أن کون الإعادۃ بترک الواجب واجبۃ لا یمنع أن تکون الإعادۃ مندوبۃ بترک السنۃ اھ ونحوہ فی القہستانی بل قال فی فتح القدیر والحق التفصیل بین کون تلک الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الإعادۃ أو تنزیہ فتستحب اھ (رد المحتار ص ۳۲۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ صفر سنہ ۸۴ھ

تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اشارہ بالسبابہ کرنا کیسا ہے، سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اشارہ بالسبابہ مستحب ہے، محیط میں اسے سنت لکھا ہے، مراد سنت غیر مؤکدہ ہے، کما فی شرح التنویر: وفی العینی عن التحفۃ الأصح أنہا مستحبۃ، وفی المحیط سنۃ، وفی رد المحتار: ویمکن التوفیق بأنہا سنۃ غیر مؤکدۃ (رد المحتار ص ۳۷۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۸۹ھ

تشہد میں عقد اشارہ کی کیفیت:

سوال: تشہد میں انگلی کے اشارہ کے وقت انگلیوں کا حلقہ کس طرح بنایا جائے؟ نیز اشارہ کے بعد انگلی اسی حالت پر رہے یا گرا دی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنایا جائے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی القہستانی وعن أصحابنا جمیعا أنہ سنۃ فیحلق إبہامہ الیمنی ووسطاہا ملصقا رأسہ برأسہا ویشیر بالسبابۃ (رد المحتار ص ۳۷۵ ج ۱) اشارہ کے بعد کیفیت

کے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "بضبعہا" کے الفاظ ہیں، اس سے انگلی کو بالکلیہ گرا دینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکا دینا مراد ہے، محشی حجۃ اللہ ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لروایۃ ابی داؤد والنسائی (وانحناء الاصبع السبابۃ وحنی حناء شیئا) ای امالہا لتزیین العبادۃ بتحسین الاشارۃ (لعلی القاری ص ۸) احسن الفتاویٰ میں اس سے متعلق مفصل بحث ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۸۰ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کی حد:

سوال: فی کتاب فتح المغنی والسائل علی النقل قاعدا فکیف یرکع فیہ؟ المستحب ان یرکع بحیث یحاذی جبہتہ قدام رکبتیہ، نقل الشامی عن حاشیۃ النقال عن البرجندی، اس کی صورت کیسی ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عبارت مذکورہ کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے سامنے قبلہ کی طرف اتنی نیچے جھک جائے کہ گھٹنوں کے برابر ہو جائے، یعنی گھٹنوں اور پیشانی کا فاصلہ زمین سے برابر ہو، مگر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ در میں ابو السعود سے اور حاشیہ مراقی الفلاح میں حموی سے یحاذی جبہتہ رکبتیہ نقل کیا ہے، قدام کا لفظ نہیں، جس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ جبہہ گھٹنوں کے اوپر کی سیدھ میں آجائے، مزید برآں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ رکوع میں اتنا جھکے کہ سجدہ کے قریب ہو جائے،

وتمامہ فی الحموی فان رکع جالسا ینبغی ان یحاذی جبہتہ رکبتیہ لیحصل الرکوع اھ، ولعل مرادہ انحناء الظہر عملا بالحقیقۃ لا انہ یبالغ فیہ حتی یکون قریبا من السجود (طحطاوی علی المراقی ص ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

نماز میں قیام عورت پر بھی فرض ہے:

سوال: عورتیں عموماً بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں یا کھڑی ہو کر شروع کرتی ہیں مگر دوسری رکعت میں بیٹھ جاتی ہیں، اگر فرض کی یا واجب کی نمازوں کی ایک رکعت بیٹھ کر پڑھ لی تو نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ یا سجدۂ سہو سے تلافی ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ادا نہیں ہوئی، اور سجدۂ سہو سے بھی تلافی نہ ہوگی، اس لئے کہ فرض اور واجب بلکہ

سنت مؤکدہ میں بھی قیام مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے، قال فی رد المحتار تحت (قوله وسنة الفجر) فی الاصح عن الحلبة فلو صلی التراویح قاعدا بلا عذر قیل لا تجوز قیاسا علی سنة الفجر فان کلا منهما سنة مؤکدة وسنة الفجر لا تجوز قاعدا من غیر عذر باجماعهم کما هو روایة الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی کما صرح به فی الخلاصة فکذا التراویح وقیل یجوز والقیاس علی سنة الفجر غیر تام فان التراویح دونها فی التاکید فلا تجوز التسویة بینهما فی ذلک قال قاضیخان وهو الصحیح اهـ (رد المحتار ص ۴۳۳ ج ۱) عورتوں کی اس جہالت کا علاج اور ان میں صحیح مسئلہ کی اشاعت مردوں پر فرض ہے، ورنہ نماز ضائع ہونے کے عذاب میں یہ بھی شریک ہوں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ربیع الاول ۹۳ھ

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں:

سوال:- ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ، ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہو اس لئے ہاتھ پہلے رکھنا چاہے تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے گھٹنوں میں نہیں، قال ابن عابدین رحمه الله تعالی تحت (قوله واضعا رکبتیه ثم یدیه) ویضع الیمنی منهما اولا ثم الیسری کما فی القهستانی لکن الذی فی الخزائن واضعا رکبتیه ثم یدیه الا ان یعسر علیه لاجل خف او غیره فیبدأ بالیدین ویقدم الیمنی اهـ ومثله فی البدائع والتاتارخانیة والمعراج والبحر وغیرها ومقتضاها ان تقدیم الیمنی انما هو عند العذر الداعی الی وضع الیدین اولا وانه لا تیامن فی وضع الرکبتین وهو الذی یظهر لعسر ذلک (رد المحتار ص ۴۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ محرم

نماز کا فدیہ:

سوال: ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں، اس میں گندم یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں مع وتر کے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲۰۰۔۲ کلو گرام گندم ہے، گیہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں، مگر نقد دینا افضل ہے، قال فی العلائیۃ وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ (الی قولہ) ودفع القیمۃ ای الدراھم افضل من دفع العین علی المذھب المفتی بہ، جوھرۃ وبحر عن الظھیریۃ۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت (قولہ ای الدراھم) ولعلہ اقتصر علی الدراھم تبعاً للزیلعی لبیان انہا افضل عند ارادۃ دفع القیمۃ لان العلۃ فی افضلیۃ القیمۃ کونہا اعون علی دفع حاجۃ الفقیر (رد المحتار ص ۲ ج ۲) فقط واللہ تعالی اعلم۔

۱۰ صفر سنہ ۹۱ھ

سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ:

سوال: آپ نے فرمایا تھا کہ قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے وقت سیدھا نیچے جانا چاہئے، اس کی قدرے تفصیل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ کی طرف جاتے وقت کمر بالکل سیدھی رکھنا چاہئے، گھٹنے زمین پر رکھنے سے پہلے کمر میں خم نہ آنے پائے، اگر تھوڑا سا بھی جھکا تو رکوع میں تکرار لازم آئے گا۔ قال فی الشامیۃ ویخر للسجود قائما مستویا لا منحنیا لئلا یزید رکوعا اخری یدل علیہ ما فی التاتارخانیۃ لو صلی فلما تکلم فذکر انہ ترک رکوعا فان کان صلی صلوٰۃ العلماء لا تفسد وان صلی صلوٰۃ العوام فلا لان العالم الذی ینحط للسجود قائما مستویا والعامی ینحط منحنیا وذلک رکوع لان قلیل الانحناء محسوب من الرکوع اھ تأمل (رد المحتار ص ۳۱۶ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم۔

(مزید تحقیق تتمہ میں ہے) ۲۴ شعبان سنہ ۹۲ھ

ثواب کی زیادتی پورے حرم میں ہر عبادت پر ہے:

سوال: مسجد حرام میں فرض نماز پڑھنے کا ثواب کیا مسجد حرام ہی میں ہے یا حدود حرم کے پورے

علاوہ بھی کسی اور مقام پر بھی نماز ادا کرنے سے اتنا ہی ثواب ملتا ہے؟ نیز کیا یہ ثواب صرف نماز کے لئے ہو یا تمام عبادات کے لئے بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ثواب کی یہ زیادتی پورے حرم میں ہے، اور ہر عبادت کے لئے ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حرم میں مسجد اور غیر مسجد دونوں جگہ نماز کا ثواب برابر ہے، بلکہ مسجد حرم کی نماز مسجد غیر حرم کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے، اور حرم میں غیر مسجد کی نماز غیر حرم میں غیر مسجد کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے،

قال فی رد المحتار وقال شیخ ولی الدین العراقی ولا یختص التضعیف بالمسجد الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل یشمل جمیع ما زید فیہ بل المشہور عند اصحابنا انہ یعم جمیع مکۃ بل جمیع حرمہا الذی یحرم صیدہ کما صححہ النووی (رد المحتار ص ۱۲۹ ج ۱) ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شفاء الغرام للسید الفاسی وجاءت احادیث تدل علی تفضیل ثواب الصوم وغیرہ من القربات بمکۃ الا انہا فی الثبوت لیست کاحادیث الصلوٰۃ فیہا اھ (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۲) وقال الرافعی ان حسنات الحرم کل حسنۃ بمائۃ الف حسنۃ کما قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما نقلہ السندی عن الحموی عن ابن الصلاح (التحریر المختار ص ۸۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رجب سنہ ۹۲ھ

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت صرف مردوں کے لئے ہے:

سوال:- حدیث میں جو مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت آئی ہے، کیا یہ فضیلت صرف مردوں ہی کے لئے ہے یا عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا، جس طرح مسجد حرام کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے کیا اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی مسجد نبوی کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے براءت کی بشارت صرف مردوں کی فرض نماز با جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ ربیع الآخر سنہ ۹۲ھ

کیا عورتوں کو گھر میں نماز کا وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ملتا ہے؟

سوال:- کیا عورتوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنے میں وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو ان دونوں مسجدوں میں ادا کرنے سے ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تضعیف اجر بوجہ حرم مکہ کے لئے ہے، لہٰذا مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گذری، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں تضعیف اجر کی فضیلت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے پر یہ اجر نہیں، معہذا مسجد کی نسبت گھر میں ادا کرنے پر زیادہ ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت مقید بتسلسل ہے؟

سوال:- کیا مردوں کو فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ چالیس نمازیں مسلسل اور باجماعت مسجد نبوی میں ادا کی جائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ من صلی فی مسجدی اربعین صلوٰۃ لا تفوتہ صلوٰۃ کتب لہ براءۃ من النار وبراءۃ من العذاب وبراءۃ من النفاق (لاحمد والاوسط) (جمع الفوائد، ص ۲۲۳ ج ۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چالیس نمازیں مسلسل اور باجماعت ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے براءت کی بشارت ہے، مطلقاً ایک ہزار تک تضعیف اجر کے لئے چالیس نمازوں اور ان میں تسلسل کی قید نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

حالت ولادت میں ادائے نماز پر اشکال کا جواب:

سوال:- اگر عورت بچہ جن رہی ہے کچھ حصہ باہر ہے کچھ اندر ہے، تو اس حالت میں نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ حالت حیض و نفاس میں نماز معاف ہوتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے، بچہ کا جب تک اکثر حصہ باہر

نہیں کیا، جس وقت تک قدرت نجاست حقیقیہ یا حکمیہ کے ازالہ پر نہ ہو نماز معاف نہ ہوگی، وضو یا تیمم کرکے نماز ادا کرے جس طرح بھی ہو پڑھے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو قضا کرے۔ قال فی تنویر الابصار: ومن عجز عنہ ... ولا یعید فی الاصح ... ولو منقطعاً عضواً عضواً ... اذا لم یقدر ... تیمم ولو بصفۃ ... (رد المحتار ص ۲۴۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الآخر سنہ ۹۴ھ

جماعت ہوجانے کے بعد فرض نماز مسجد میں پڑھے:

سوال: جماعت تو ہو گئی اب اگر مسجد میں نہ جائے اور فرض نماز گھر میں ادا کرے تو کیا مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ زید کہتا ہے گھر میں ایک نماز کا اور مسجد میں جا کر پڑھے تو دو نمازوں کا ثواب ملتا ہے، تو کیا زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت چھوڑنا گناہ ہے، اور فرض نماز مسجد میں جا کر اکیلے پڑھنے میں ترک جماعت کے گناہ کا اظہار ہے جو جائز نہیں، اس لئے جب جماعت ہوجائے تو فرض نماز کے لئے مسجد میں نہیں جانا چاہئے، کثرت ثواب کا جو وعدہ ہے وہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۴ھ

نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی؟:

سوال: ایک شخص کو حالتِ نماز میں یاد نہیں رہا کہ اس نے کس وقت کی نماز کی اور کتنی رکعات کی نیت کی تھی، نہ زبان سے کہنا یاد ہے اور نہ دل میں نیت کرنا یاد ہے، یوں ہی غفلت کی حالت میں نماز شروع کر دی تھی، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی نماز کی نیت تو کی تھی مگر یہ یاد نہ رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی تو دو رکعت پوری کرلے، اور یہ نماز نفل ہوجائے گی، اور اگر نیت کی ہی نہیں تھی تو نماز میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، لہٰذا از سر نو نیت کرکے نماز شروع کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ذیقعدہ سنہ ۹۴ھ

رکوع میں ٹخنے ملانا:

سوال: درمختار میں ہے کہ رکوع میں قدموں کو ٹخنے ملانا مسنون ہے، شامی سے بھی

اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا اسی وقت سے قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لئے کہ یہ کلیات ذیل کے خلاف ہے:

① مردوں کے لئے رکوع و سجود میں تجافی۔

② پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رہنا، الصاق کعبین سے انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہ سکتیں۔

③ نماز میں بلا ضرورت حرکت نہ کرنا۔

مندرجہ بالا کلیات حدیث صحیح سے ثابت ہیں، اور بالاتفاق مسلّم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں: فرأینا السنۃ جاءت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتجافی فی الرکوع والسجود ونسخ السنین علی ذلک فکان ذلک من تفریق الاعضاء۔ (شرح معانی الآثار ص ۱۲۳ ج ۱)

کلیات مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاق کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے، اور جمہور فقہاء نے اس کو ذکر نہیں کیا، اس لئے بندہ شروع ہی سے قولاً و عملاً اس کے خلاف رہا ہے، مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ امداد الفتاوی میں حوالہ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل و مفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

ومنہا الصاق الکعبین ذکرہ جمع من المتأخرین وجمہور الفقہاء لم یذکروہ ولا اثر لہ فی الکتب المعتبرۃ کالھدایۃ وشروحہا النہایۃ والعنایۃ والبنایۃ والکفایۃ وفتح القدیر وغیرہا والکنز وشرحہ للعینی وشرح النقایۃ للبرجندی والشمنی وفتاوی قاضیخان والبزازیۃ وغیرہا وانما الذی اوردہ فی ذکرہ الزاہدی حیث قال فی المجتبی برمز بط یسن فی الرکوع الصاق الکعبین واستقبال الاصابع القبلۃ ونقلہ عنہ القہستانی فی جامع الرموز وفی شرح الخلاصۃ الکیدانیۃ والحلبی فی الغنیۃ وابن نجیم فی البحر وتلمیذہ التمرتاشی فی متن التنویر

ابوداؤد وصححه ابن خزيمة وذكره البخاري تعليقاً عن النعمان بن بشير قال رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه وفي رد المحتار نقلاً عن فتاوى سمرقند ينبغي ان يكون بين القدمين مقدار اربع اصابع وما روي انهم الصقوا الكعاب بالكعاب اريد به الجماعة انتهى وان كان المراد به محاذاة احد الكعبين بالاخرى كما مال اليه العلامة السندي فمرام حق ولا بعد في حمل الالصاق على المحاذاة فانه جاء استعماله في القرب وقد تبين عدم سنية الزاق الكعبين بالمعنى الاول اي ترك التفريج بينهما انه يلزم فيه تحريك احدى الكعبين الى الاخرى وتحريك عضو في الصلاة من غير ضرورة ليس بمعلوم عنهم حتى ان منهم من لم يجوز رفع السبابة في التشهد لهذه العلة ومنهم من لم يجوز رفع اليدين عند الركوع لهذه العلة والظاهر ان حمل كلامه على المعنى الثاني اولى من حمله على المعنى الاول على انه من زلات المجتبى فاحفظ هذا التحقيق فانه من النفائس المختصة بهذا الكتاب وقل من تنبه عليه من العلماء الا من شاء الله ان ينبهه

(سعاية، ص ۲۰۲ ج ۲)

امداد الفتاوی کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے ونسبت زاہدی در نافع کبیر نوشتہ اند ولئن کان اماما جلیلا فی الفقہ لکنہ متساہل فی نقل الروایات ایضا ھو معتزلی الاعتقاد وحنفی الفروع وقال صاحب رد المحتار فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فی کتاب الاجارۃ الحاوی الزاہدی مشہور بنقل الروایات الضعیفۃ ولھذا قال ابن وھبان وغیرہ انہ لاعبرۃ بما یقولہ الزاہدی مخالفا لغیرہ (امداد الفتاوی ص ۱۴۱ ج ۱)

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاہدی کے تخطئہ کی بجائے ان کے قول کی تاویل بہتر ہے، مجتبیٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصابع القبلۃ کا ذکر بھی دلیل ہے کہ الصاق سے ان کی مراد وہی ہے جو سعایہ میں علامہ سندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی گئی ہے، یعنی کعبین میں محاذاۃ، اس لئے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہو سکتیں۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاۃ تو حالت قیام میں بھی مسنون ہے، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا؟

اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالت قیام میں مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں،

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حالتِ رکوع میں بدن پر نظر پڑتی ہے، اس لئے اس سنت کی تعمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے۔

ان توجیہات کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصابع القبلۃ کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہٖ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کہنیوں میں محاذاۃ کی بھی کرلی جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان سنہ ۹۰ھ

سجدہ بقدر تسبیحہ واحدہ واجب ہے:

سوال: سجدے میں کتنی دیر ٹھہرنا فرض ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً سجدہ فرض ہے، اور ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے، اور تین تسبیحات کی مقدار سنت مؤکدہ ہے۔ (فی واجبات الصلوٰۃ من العلائیۃ وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منہما الخ رد المحتار ص ۴۳۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رمضان سنہ ۹۰ھ

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرمادیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں، اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیا کے ساتھ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں، اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مردوں کے لئے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں، اور سینے پر ہاتھ باندھیں۔ قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ (ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذا رسغہا بخنصرہ وابہامہ ہو المختار وتضع المرأۃ والخنثی الکف علی الکف تحت ثدییہا) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای بحلق الخنصر والابہام علی الرسغ ویبسط الاصابع الثلاث کما فی

شرح المنية ونحوه في البحر والنهر والمعراج والكفاية والفتح والسراج وغيرها وقال في البدائع ويحلق ابهاميه وخنصره وبنصره ويضع الوسطى والمسبحة على معصميه وتبعه في الحلية ومثله في شرح الشيخ اسمعيل عن المجتبى (قوله تحت سرتها) كذا في بعض نسخ المنية وفي بعضها على ثديها قال في الحلية وكان الاولى ان يقول على صدرها كما قاله الجم الغفير لا على ثديها وان كان الوضع على الصدر قد يستلزم ذلك بان يقع بعض ساعد كل يد على الثدي لكن هذا ليس هو المقصود بالافادة (رد المحتار ص ۴۵۵ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر ۹۰ھ

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے، سنت ہے، یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے، اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں سنت ہے، قال ابن عابدین رحمه الله تعالى وينبغي ان يكون بينهما مقدار اربع اصابع اليد لانه اقرب الى الخشوع، هكذا روي عن ابي نصر الدبوسي انه كان يفعله كذا في الكبرى (رد المحتار ص ۴۱۴ ج ۱) وفي التنوير ويستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة ويكره ان لم يفعل وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى كذا في التجنيس لصاحب الهداية وقال الرملي في حاشية البحر ظاهره انه سنة وبه صرح في زاد الفقير (رد المحتار ص ۴۲۰ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

(چار انگل فاصلہ رکھنا مستحب شرعی نہیں، تفصیل تتمہ میں ہے۔) ۴ ذیقعدہ ۹۱ھ

سہواً بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں؟

سوال: امام تیسری رکعت پر سہواً بیٹھ گیا، مگر فوراً ہی کھڑا ہو گیا، اس قیام کے وقت تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا سجدہ سے اٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علماء اس میں اختلاف کر رہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال پر تکبیر کا تعدد منقول نہیں اس لئے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر

سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہے کہ ابتداءِ انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لئے دوسری تکبیر کہی، امید ہے کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدۂ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے اس لئے یہ انتقال اول و ثانی میں فصل ہوگا، اور دو انتقال مستقل ہو گئے لہٰذا ہر انتقال کے لئے تکبیر مستقل ہوگی، اور اگر جلسہ خفیفہ ہو جو موجب سجدۂ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا لہٰذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لئے یہ جلسہ معقول نہیں، نیز پہلی تکبیر خلاف سنت ہے، اس لئے کہ جدید تکبیر بھی خلاف سنت ہوگی کیونکہ اس کی ابتداء سجدہ سے نہوض کی ابتداء سے نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

تحقیق جملہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ:

سوال: رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ پڑھنے میں یہ فضیلت ہے کہ فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لئے کرتے ہیں، اس دن سے واو کا اضافہ کر دیا لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بہتر ہے یا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، براہ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں: ① اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ② اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ③ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ④ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم، قال في العلائية وافضله اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، ثم حذف الواو، ثم حذف اللّٰهم فقط، وقال ابن عابدين وبقي رابعة وهي حذفهما والاربعة في الافضلية على هذا الترتيب كما افاده بالعطف بثم (رد المحتار ص ۳۲۴ ج ۱)

حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا ان کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے وہ کلمات یہ ہیں: ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه (رواه البخاري) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا فرائض میں نہیں

پڑھنا چاہئے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الاول ۹۷ھ

تنگ وقت میں قضاء حاجت کے تقاضا کی وجہ سے نماز چھوڑنا جائز نہیں :

سوال :- ایک شخص کو تقاضا قضاء حاجت کا سخت ہے اُدھر نماز کا بالکل آخری وقت ہے، اب اگر وہ آدمی قضاء حاجت کے لئے جاتا ہے تو نماز فوت ہو جائے گی اور اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو پیٹ میں سخت تکلیف و بوجھ ہوتا ہے، اب ایسے شخص کو کیا کرنا چاہئے، یعنی اسی طرح تکلیف کے ساتھ نماز ادا کرے یا رفع تکلیف کر کے بعد میں پڑھے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس حالت میں ترک جماعت تو جائز ہے مگر نماز کا ترک جائز نہیں، لہٰذا اگر قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے، اور فرائض و واجبات پر اکتفاء کرے، سنتیں چھوڑ دے، نماز کے اندر کی سنتیں بھی چھوڑ سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ شوال ۸۰ھ

سجدۂ نماز میں دعاء :

سوال :- مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی نہیت ان اقرأ القرآن راکعا او ساجدا فاما الرکوع فعظموا فیہ الرب واما السجود فاجتہدوا فی الدعاء فقمن ان یستجاب لکم۔ اس حدیث سے نماز کے سجدہ میں دعاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیا احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے کہ نماز کے سجدہ میں دعاء افضل ہے، اگر نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الحدیث المذکور واما السجود فاجتہدوا ای بالغوا فی الدعاء ای حقیقۃ وھو ظاھر او حکما کما فی سبحان ربی الاعلی (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۱۳) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وقد ورد خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر، رواہ مالک والترمذی

یا ۱۴۰۰ھ کے صدقہ فطر کے ریٹ سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کر سکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں، اس لئے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے، جب فدیہ ادا کریں گے اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۱۴۰۱ھ

نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں، عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے، البتہ قعود یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے، قال فی العلائیۃ ویکبر للنہوض علی صدور قدمیہ بلا اعتماد وقعود استراحۃ ولو فعل لا بأس وفی الشامیۃ (قولہ بلا اعتماد الخ) ای علی الارض قال فی الکفایۃ اشار بہ الی خلاف الشافعی فی موضعین احدھما یعتمد بیدیہ علی رکبتیہ عندنا وعندہ علی الارض والثانی الجلسۃ الخفیفۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی الخلاف فی الافضل حتی لو فعل کما ھو مذھبنا لا بأس بہ عند الشافعی ولو فعل کما ھو مذھبہ لا بأس بہ عندنا کذا فی المحیط (رد المحتار ص ۳۴۰ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم ۱۴۰۱ھ

۴۰۲ء۳ گرام چاندی کے برابر نقصان کا خطرہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ بہشتی زیور حصہ دوم باب ملا مسئلہ میں لکھا ہے کہ "اگر نماز میں ہے اور ہانڈی ابلنے لگی جس کی لاگت تین چار آنے ہیں تو نماز توڑ کر اس کو درست کر دینا جائز ہے" غرضکہ جب ایسی چیز کے ضائع ہو جانے یا خراب ہو جانے کا ڈر ہو جس کی قیمت تین چار آنے ہو تو اس کی حفاظت کے لئے نماز کا توڑ دینا درست ہے۔ اس کی تشریح فرمائیں کہ آیا

زمانے میں یہ لاگت کیا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بقدر درہم نقصان ہوتا ہو تو نماز توڑ دینا درست ہے، درہم ۳ ماشہ ۱/۵ ۱ رتی یعنی ۳۰۶ء ۳ گرام چاندی، چاندی کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ہر زمانہ میں اس وقت کی قیمت لگائی جائے گی، قال شارح التنویر ویباح قطعها لنحو قتل حیة وند دابة وفور قدر وضیاع ما قیمته درهم له اولغیره وقال ابن عابدین رحمه الله (قوله وفور قدر) الظاهر انه مقید بما بعده من فوات ما قیمته درهم سواء کان ما فی القدر له او لغیره رحمتی (قوله وضیاع ما قیمته درهم) قال فی مجمع الروایات لان ما دونه حقیر فلا یقطع الصلوٰۃ لاجله لکن ذکر فی المحیط فی الکفالة ان الحبس بالدانق یجوز فقطع الصلوٰۃ اولی وهذا فی مال الغیر واما فی ماله لا یقطع والاصح جوازه فیهما ام وتمامه فی الامداد والذی مشی علیه فی الفتح التقیید بالدرهم (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الآخر ۹۸ھ

نماز میں قراءت حکایۃً ہے:

سوال: نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے یا کہ انشاءً؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے بدلائل ذیل:

(۱) قرآن کریم کا وہ حصہ جس میں قصص واخبار ہیں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی، حالانکہ اس میں انشاء کا امکان ہی نہیں۔

(۲) قرآن کریم کے ایسے جمل انشائیہ جن کا مخاطب اس وقت موجود نہیں، مثلاً یا مریم، یا یحییٰ، یوسف، یا ایہا النبی، یا ایہا المدثر وغیرہ پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ انشاءات محض حکایۃً پڑھے جاتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نماز میں صیغ خطاب بجائے حکایت کے بنیت تخاطب کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی کما سیأتی۔

(۳) قرآن کے جمل دعائیہ یا تسبیح وتہلیل وتسمیہ یا سورۂ فاتحہ کو اگر حکایۃً نہ پڑھا بلکہ انشاءً دعا یا تسبیح وتہلیل کی نیت سے پڑھا تو یہ جمل قرآنیت سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے جنب وحائضہ کو اس قصد سے پڑھنے کی اجازت ہے حالانکہ تلاوت کی نیت سے صرف تسمیہ پڑھنے کی بھی اجازت

فافوز ما بعد من التقریر۔

البتہ قراءت کو اس لحاظ سے انشاء کہا جا سکتا ہے کہ قاری اپنی طرف سے انشاء قراءت کرتا ہے، قراءتِ غیر کی حکایت نہیں کرتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر سنہ ۷ ھ

تشہد میں سلام انشاءً کہا جاتا ہے:

سوال: نماز میں السلام علیک ایہا النبی انشاءً پڑھا جاتا ہے یا حکایۃً؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

السلام علیک ایہا النبی علیٰ طور انشاء پڑھا جاتا ہے۔ قال فی شرح التنویر ویقصد بألفاظ التشہد معانیہا مرادۃ لہ علیٰ وجہ الانشاء کأنہ یحیی اللہ تعالیٰ ویسلم علیٰ نبیہ وعلیٰ نفسہ واولیائہ لا الاخبار عن ذلک، ذکرہ فی المجتبیٰ وظاہرہ ان ضمیر علینا للحاضرین لا حکایۃ سلام اللہ تعالیٰ، وفی الشامیۃ (قولہ لا الاخبار عن ذلک) ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ربہ سبحانہ ومن الملائکۃ علیہم السلام وتمام بیان القصۃ مع شرح الفاظ التشہد فی الامداد فراجعہ (قولہ لا حکایۃ سلام اللہ تعالیٰ) الصواب لا حکایۃ سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (رد المحتار ص ۳۴۲ ج ۱)

قراءت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاءً پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقتِ صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقتِ صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی تو نہ اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت لہٰذا صرف السلام علیک ایہا النبی کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربارِ سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنے کا دستور ہے۔ اس لئے مصلی التحیات للہ والصلوات والطیبات کا نذرانہ پیش کرتا ہے پھر یکایک خیال آتا ہے کہ یہ قربِ الٰہی و مناجات بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے تو بیساختہ مصلی اپنے محسنِ اعظم و منعمِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا، اس لئے کہ صلوٰۃ و سلام بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے جیسا کہ خطوں میں صیغۂ خطاب صرف اس لئے لکھے جاتے ہیں کہ خط مخاطب تک پہنچے گا۔ مخاطب روبرو موجود نہیں ہوتا

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرہ ربیع الآخر سنہ ۷ ھ

سجدہ میں ٹخنے ملانا :

سوال : مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیحدہ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے، وفی صحیح ابن حبان عن عائشۃ رضی اللہ عنہا الرص بین العقبین فی السجدۃ ای ضمہما والقرآن ساکت عن ھذا فافھم (العرف الشذی ص۱۲۳) اسکے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اعلاء السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفاریج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت فقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان معی علی فراشی فوجدتہ ساجدا راصا عقبیہ مستقبلا باطراف اصابعہ القبلۃ رواہ ابن حبان فی صحیحہ باسناد حسن (التلخیص الحبیر ص۸۹ ج۱) وللنسائی وقد سکت عنہ وھو ساجد وقدماہ منتصبتان الحدیث، (نسائی ص۱۶۶ ج۱)

عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع بسط ظہرہ واذا سجد وجہ اصابعہ قبل القبلۃ فتفاج (ای وضع بعض رجلیہ عن بعض ۱۲ منہ) رواہ البیہقی (التلخیص الحبیر ص۹۳ ج۱) قلت احتج بہ الحافظ ابن حجر ولم یضعفہ، ورواہ الدارقطنی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسکت عنہ فہو حسن او صحیح عندہ (اعلاء السنن ص۲۱ ج۳)

بصورت تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے:

تطبیق:

حدیث اوّل میں رص بین العقبین تقریب پر محمول ہے، کما حمل علیہ العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث ضم الکعبین فی الصلاۃ۔

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں، ایک استقبال الاصابع القبلۃ، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں رص بین العقبین کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہو سکتیں، مزید برآں اس میں بلا ضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح:

حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع و سجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے وکفی بہ مرجحا، وبھذا رجح الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع علی حدیث التطبیق، نیز

نماز میں مزخشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیونکہ بلا ضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم لرجل یعبث بلحیتہ لو خشع قلبہ لسکنت جوارحہ۔

یہ بحث تبرعاً لکھدی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں حضرت ابو السعود سے نقل کرکے صرف نفی میں کلام فرمایا ہے اور رسالہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے۔ احسن الفتاوی میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں رسالہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رشعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

مرد کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے:

سوال: ایک صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے جائیں نہ زیر ناف نہ بالائے ناف، بلکہ ٹھیک ناف کے اوپر باندھے جائیں، ہاتھ باندھنے کی صحیح ترکیب کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کے لئے ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔ قال فی العلائیۃ ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذا رسغہا بخنصرہ وابہامہ ھو المختار (رد المحتار ص ۳۲۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۹ ر رجب سنہ ۹۹ھ

سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے:

سوال: رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مزید دو قباحتیں ہیں۔

(۱) عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) قومہ سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جاتا ہے، لہٰذا یہ عادت سبب ترک سنت ہونے کی وجہ سے قابل احتراز ہے۔

(مزید تحقیق آگے آرہی ہے)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۱۷ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا نظر گود میں رکھے:

سوال: جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو وہ قراءت کی حالت میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا گود کی

طرح گود میں نظر رکھے؟ بعض کا خیال ہے کہ سجدہ کی جگہ نظر رہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، کلیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ گود میں نظر رکھے، اس لئے کہ نظر ایک جگہ جمانے سے یکسوئی میں اعانت مقصود ہے، اس مقصد کے لئے جس حالت میں جس مقام پر نظر رکھنا سہل تھا اسی کو متعین کر دیا گیا ہے، بیٹھنے کی حالت میں گود میں نظر رکھنا سہل ہے اسی لئے قعدہ میں یہ حکم دیا گیا، لہٰذا بیٹھ کر قراءت کی حالت میں بھی گود ہی میں نظر رکھنا چاہئے، بالفرض سہولت کے سوا کوئی اور حکمت ہو تو بھی یہی کہا جائے گا کہ بحالت قعدہ گود میں نظر رکھنے کی جو حکمت ہے وہی بحالت قعود قراءت میں بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں:

سوال: قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں، لانہ قیام لہ قرار وفیہ ذکر مسنون ولذا قالوا بوضع الیدین فی قنوت الوتر وتکبیرات صلوٰۃ التسبیح۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۱ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

دعاء میں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ مستحب ہے:

سوال: دعاء میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ اور دونوں ہاتھ آپس میں ملا کر رکھے جائیں یا کچھ فاصلے سے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ امداد الفتاویٰ میں ملا کر رکھنا لکھا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء میں ہاتھ سینے تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا افضل ہے، فی الباب الرابع من کراھیۃ الھندیۃ والافضل فی الدعاء ان یبسط کفیہ ویکون بینھما فرجۃ وان قلت ولا یضع احدی یدیہ علی الاخری فان کان فی وقت عذر او برد شدید فاشار بالمسبحۃ قام مقام بسط کفیہ والمستحب ان یرفع یدیہ عند الدعاء بحذاء صدرہ کذا فی القنیۃ (عالمگیریہ ص ۱۴۲۱ ج ۵ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بمصر)۔ امداد الفتاویٰ میں منیۃ المصلی لابن حنبلی کی کتاب شرح المنیۃ سے نقل کیا ہے: ونصہ وتکون یداہ مضمومتین لما روی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا ضم کفیہ و

جعل بطونھما یلی وجھہ وضعفہ فی المواھب، اس روایت کی بناء پر اگر کوئی ضم الکفین کی فضیلت کا قول کرے تو اس کی گنجائش ہے، اور یوں تطبیق بھی دی جا سکتی ہے کہ ضم سے مراد تقریب ہے جو تفریج قلیل کے منافی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- کیا دعاء کے وقت دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے یا کچھ دور رکھا جائے؟ اس سے متعلق مولانا محمد اجمل صاحب رسالہ آداب الدعاء میں فرماتے ہیں:

"علامہ طحطاوی نہر الفائق کے حوالے سے لکھتے ہیں: وفی النھر من نقل کیفیۃ المنحۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت، اور اس کے آگے علامہ موصوف حصن حصین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دعاء کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملا لیا جائے اور انگلیوں کا رخ بجانب قبلہ ہونا چاہئے، وفی شرح الحصن والظاھر ان من الادب ایضاً ضم الیدین وتوجیہ اصابعھما نحو القبلۃ، اور آگے فرماتے ہیں کہ باہم ملانا افضل اور بہتر ہے، اور اگر معمولی کشادگی رکھی جائے تو بھی جائز ہے، اور امام شعرانی لواقح الانوار ص ۹۱ پر فرماتے ہیں: آسمان کی طرف دعاء کے وقت ہاتھ پھیلانے میں حکمت یہ ہے کہ دربار خداوندی سے معنوی عطیات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ ایک ذریعہ ہے، پس دونوں کو باہم اس قدر ضم کیا جائے جس طرح پانی پینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملاتا ہے۔" (رسالہ آداب الدعاء، ص ۴۰)

اس کے بعد ناکارہ نے بعض کتب حدیث دیکھیں، مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الدعوات کی فصل ثالث میں حدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ یقول ان رفعکم ایدیکم الخ کے ذیل میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں: (وقد ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدعاء یوم عرفۃ جمع بین کفیہ وجعلھما مقابل صدرہ کاستطعام المسکین (مرقاۃ المصابیح ص ۳۴۳ ج ۵) لیکن اس کی کوئی سند نہیں لکھی، احقر نے مجمع الزوائد دیکھی تو اس میں حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد حافظ نور الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ الحسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ وھو ضعیف، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ ج ۵ ص ۲۱ پر فرماتے ہیں: ان الضعیف حجۃ فی الفضائل اتفاقاً اھ

نیز حسب ذیل احادیث سے بھی ضم یدین عند الدعاء کی تائید ہوتی ہے: عن انس بن مالک

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ بعرفۃ یدعو فقال اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم هذا الابتھال ثم مالت الناقۃ فقبض احدی یدیہ فاخذھا وھو رافع الاخری رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط بنحوہ الا انہ قال فرفع یدیہ فسقط زمام الناقۃ فتناولہ ورفع یدیہ وزاد ھذا الابتھال والتضرع ورجال البزار رجال الصحیح غیر احمد بن یحیی الصوفی وھو ثقۃ ولکن الاعمش لم یسمع من انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد ص ۱۶۹ ج ۱۰)

وعن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع قوم اکفھم الی اللہ عز وجل یسئلونہ شیئا الا کان حقا علی اللہ ان یضع فی ایدیھم ما سألوا، قلت لہ حدیث فی السنن غیر ھذا رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح (حوالہ)

اور دوسری احادیث بھی ضم یدین کی مؤید ہیں جن میں مسح یدین علی الوجہ بعد الدعاء اور تقبیل یدین بعد دعاء کا ذکر ہے۔

نیز عقلاً بھی حضرت کو ضم یدین میں تواضع و انکساری محسوس ہوتی ہے، اس کے برخلاف فرجہ بین الیدین میں تکلف معلوم ہوتا ہے، نیز فرجہ بین الیدین کی تائید میں احقر کو ابھی تک کوئی حدیث نہیں ملی۔

امید ہے کہ حضرت والا اپنے محاکمہ اور تحقیق انیق سے احقر کو مطلع فرمائیں گے، بڑا کرم و احسان ہوگا، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رسالہ آداب الدعاء میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت مذکورہ حاشیہ دُر میں ہے یا مراقی الفلاح کے حاشیہ میں، اس لئے دونوں کتابوں کی طرف رجوع کیا گیا، طحطاوی علی الدر المختار میں تو کوئی ایسی عبارت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں موجود ہے، مگر اس کے کسی جزء سے بھی بوقت دعاء ضم الیدین کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس فرجہ بین الیدین کے استحباب کو ترجیح ثابت ہوتی ہے، پوری عبارت ملاحظہ ہو:

وفی النھر من فصل کیفیتہ المستحبۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت وان لا یضع احدی یدیہ علی الاخری فان کان لا یقدر علی رفع یدیہ لعذر او برد فاشار بالمسبحۃ اجزأہ ولکن فی شرح الحصن الحصین والظاھر ان من الادب ایضا ضم

الیدین وتوجیہ اصابعہما نحو القبلۃ وفی شرح المشکوۃ ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفۃ جمع بین کفیہ فی الدعاء وان ارید بالضم فی الکلام القریب التام لاینافی وجود الفرجۃ القلیلۃ واما قولہ جمع بین کفیہ لاینافیہ ایضا لان المعنی جمع بینہما فی الرفع ولا یفرق احدہما بہ (طحطاوی علی المراقی، ص ۱۷۳)

رسالہ آداب الدعاء کی عبارت میں دوسرا تسامح یہ ہوا ہے کہ ضم الیدین کے استحباب کو حصن حصین کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت حصن حصین کی نہیں بلکہ شرح الحصن کی ہے، ممکن ہے کہ یہ ناسخ کا سہو یا کاتب کی غلطی ہو۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الحصن کی عبارت کو قہستانی کے جزئیہ سے تطبیق دینے کی جو صورت بیان فرمائی ہے بندہ نے بعینہٖ یہی وجہ تطبیق مورخہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ کے تحریر فتویٰ میں قنیہ کے جزئیہ اور شرح المنیۃ کی عبارت میں تحریر کی تھی، فللہ الحمد علی توفیقہ لموافقۃ الاکابر۔

لوامع الانوار تلاش کی گئی، لطائف الحسن کے حاشیہ پر دستیاب ہوئی، مستقل نہیں ملی، اس کے حواشی میں لکھا ہوا صفحہ نمبر کارآمد نہ ہوا، سرسری تلاش سے عبارت مذکورہ دستیاب نہ ہوئی، اگر اعتبارًا اس عبارت کا وجود لوامع الانوار میں تسلیم کر لیا جائے تو مؤلف کی طرف سے طحطاوی کے جزئیہ کی طرح اس میں بھی عبارت کے فہم میں یا نقل میں تسامح کا احتمال ہے، علاوہ ازیں امام شعرانی شافعی ہیں اس لئے ان کا قول احناف کے لئے حجت نہیں، ممکن ہو کہ عند الشوافع ضم الیدین افضل ہو جیسا کہ شرح المنیۃ سے عند الحنابلہ بھی ضم الیدین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، احناف کی مندرجہ ذیل کتب میں استحباب فرجہ کی تصریح موجود ہے:

(۱) درمختار فصل فی بیان تالیف الصلوۃ،

(۲) قنیہ کا جزئیہ شامیہ فصل تالیف الصلوۃ اور عالمگیریہ کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے،

(۳) شامیہ میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر اعتماد فرمایا ہے،

(۴) عالمگیریہ میں بھی اسی پر اعتماد کیا گیا ہے،

(۵) النہر الفائق کی عبارت امام طحطاوی کے حوالے سے گزر چکی ہے،

(۶) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قہستانی کے جزئیہ کے خلاف شرح المشکوۃ کی روایت اور شرح الحصن کی عبارت ذکر فرمانے کے باوجود قہستانی کے جزئیہ کو ترجیح دی ہے،

(۷) حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ حصن حصین کے حاشیہ میں حصن حصین کی شرح الحرز الثمین لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیقات اس قدر کثرت سے لائے ہیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ الحرز الثمین کو بہ استیعاب نقل فرمایا ہے، معہذا اس موقع پر الحرز الثمین کی عبارت کی بجائے قنیہ کا جزئیہ ذکر فرمایا ہے جس میں مسح رقبہ کا استحباب مذکور ہے۔

یہاں کتب فقہ کا استقراء نہیں کیا گیا، ممکن ہے اور بھی کسی کتب میں یہ حکم موجود ہو۔

طحطاوی نے شرح المشکوٰۃ سے جو روایت نقل کی ہے یہ بعینہٖ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں شرح المشکوٰۃ سے مرقاۃ اور شرح الحصن الحصین سے الحرز الثمین مراد ہے، الحرز الثمین دستیاب نہ ہو سکی، اگر واقعۃً اس میں ضم الیدین مذکور ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں ضم الیدین کا ذکر ہے، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی تاویل "اقرب الی التمام" کر کے اختلاف عبارت کو رفع فرما دیا ہے، بالفرض شرح الحصن کی عبارت کو اس کے ظاہر ہی پر رکھا جائے تو اس سے احناف میں سے صرف ایک فرد کا تفرد ثابت ہوگا، بہرحال شرح الحصن کی عبارت یا مؤوّل عن الظاہر ہے یا اس میں تفرد ہے، اسی لئے حضرت مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ نے حصن حصین کے حاشیہ میں اس کی بجائے قنیہ کا جزئیہ ذکر فرمایا۔

رجوع الی الحدیث:

رجوع الی الحدیث متعلّق کا وظیفہ نہیں، معہذا برائے تسکین خاطر عوام بقدرِ ضرورت تحریر ہے۔

(۱) شرح المشکوٰۃ کی روایت۔

اس کا جواب علامہ طحطاوی رحمہ اللہ سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محض تاویل ہی نہیں بلکہ متبادر مطلب یہی ہے، اس لئے کہ سوال کے لئے ایک ہاتھ پھیلانے اور ایک ہاتھ سے اخذ عطاء معمول ہے، اس کے پیش نظر دعا میں بھی اس کا مظنہ تھا، اس کو رفع کرنے کی غرض سے "جمیع بطن کفیہ" کے الفاظ لائے گئے، چنانچہ انہی الفاظ کی بنا پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کراہۃ الفرجۃ کا فتویٰ دیا ہے، کما نقل مناص العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن النہر۔

مرقاۃ کے الفاظ "کاستطعام المسکین" کی شرح عنقریب آرہی ہے۔

(۲) روایۃ البزار والطبرانی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ۔

آپ نے اس روایت میں "فقبض احدی یدیہ" سے استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ الفاظ شرح المشکوٰۃ

کی روایت میں تاویل مذکور کی تائید کر رہے ہیں: لفظ مذکور کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخشی کی بہار تھامنے کے لئے ایک ہاتھ بڑھایا اور دوسرا ہاتھ دعاء کے لئے بدستور اٹھا رہا، اس سے ثابت ہوا کہ دعاء میں اصل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، اکتفاء علی الواحد بحالت عذر ہے، لہٰذا "جمع بین کفیہ" میں جمع فی الرفع مراد ہونا ظاہر ہے۔

③ فی روایۃ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان حقا علی اللہ ان یضع فی ایدیہم ما سألوا، ودیگر احادیث متعلقہ مسح الیدین علی الوجہ بعد الدعاء، ونزول برکات اسراریۃ والانوار الالٰہیۃ۔

ان احادیث میں ضم الیدین کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، وضع فی الیدکنایہ ہے اعطاء سے، اسی طرح رفع الیدین کا استطعام الطعام اور مسح علی الوجہ سے صرف تمثیل مقصود ہے، امور ذیل پر غور کرنے سے اس حقیقت کے سمجھنے میں مزید سہولت ہوگی۔

① دعاء بلا رفع الیدین کی صورت میں بھی یقیناً برکات وانوار عطاء ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ صرف ہاتھوں ہی میں دیتے ہیں تو اس حالت میں ظرف ہی موجود نہیں۔

② ہاتھوں کا ظرف اُن کی عطاء کی نسبت بہت چھوٹا ہے، بالخصوص جس کے ہاتھ بھی چھوٹے ہوں وہ تو بہت ہی خسارہ میں رہے گا۔

③ بوقت دعاء ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رہنا چاہئے، اس حالت میں ہتھیلیاں تقریباً سیدھی رہیں گی، اس لئے ظرف میں اسباب طعام کی صلاحیت بہت کم ہو جائے گی، بالخصوص جبکہ مظروف سیال ہو، کما زعم الشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، گویا ظرف کا صرف نام موجود ہے، رہ ظرف نہیں۔

④ دعاء شروع کرنے کے بعد ہاتھوں کا ظرف تو فوراً ہی پُر ہو جائے گا، اس لئے فوراً ہی مسح پر عمل لینا چاہئے، ورنہ ہاتھ بھر جانے کے بعد مظروف گرنے لگے گا، بلکہ مظروف سیال ہے تو تھوڑی دیر کے بعد وہ ویسے ہی ہاتھوں سے بہہ جائے گا۔

اپنا ایک قصہ یاد آگیا، ایک بار مجھے نماز جنازہ پڑھانے کو کہا گیا، میں نے دیکھا کہ میت کی چارپائی بڑے چبوترے میں تک لٹکا کر چارپائی کے نیچے کا خلاء بند کر دیا گیا ہے: میں نے وجہ دریافت کی تو اس کی حکمت یہ بتائی گئی کہ دعاء چارپائی کے نیچے سے نہ نکل جائے۔

ان امور پر توجہ کرنے سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ رب کریم کی عطاء صرف ہاتھوں کے ساتھ

خالی نہیں لوٹاتے، ان کے ید سحاء اللیل والنہار ہیں، اور جب وہ اتنا انفاق کرنے والے ہیں تو ان کی شان کے نالائق ہے کہ وہ صرف سائل کے ہاتھوں کے ظرف کے برابر ہی عطا کریں لہذا رفع الیدین سے مقصود صرف تشبہ بالسائل ہے نہ کہ عطاء کی حفاظت۔

بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہے تو عطاء کثیر کے لینے اور اٹھانے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھنا پڑتا ہے اس لئے کہ عطاء کثیر اگر سیال یا جامد قیمتی ہو تو وہ کسی بڑے برتن میں ڈال کر دی جائے گی، اور اگر جامد غیر قیمتی ہو مثلاً بکرا، مسلم وغیرہ تو اس کا حجم کافی بڑا ہوگا، دونوں صورتوں میں ہاتھوں کو کشادہ رکھنا پڑے گا، ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ ہونے پر جو اشکال تھا اس صورت میں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ بڑے حجم کی چیز کو اٹھاتے وقت ہاتھوں کو چلو نہیں بنایا جاتا، بلکہ ہاتھ قبلہ کی طرح سیدھے رکھتے ہیں، یہ سب کچھ آپ کے زعم کے مطابق لکھ دیا ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہی نہیں۔

فرجہ بین الیدین کے متعلق ممکن ہے کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی صریح حدیث ہو ورنہ کم از کم کسی حدیث سے استنباط تو ضرور کیا ہوگا، ان حضرات کے فیصلے ہوائی تیر نہیں ہوتے۔

حاصل یہ کہ بوقت دعاء فرجہ بین الیدین مستحب ہے اور ضم الیدین کی بھی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الآخر ۹۱ھ

دعاء میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے

سوال: دعاء مانگتے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف رکھی جائیں یا آسمان کی طرف؟ صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

دعاء میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فیبسط یدیہ حذاء صدرہ نحو السماء لانها قبلة الدعاء ویکون بینهما فرجة (رد المحتار ص ۲۴۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ جمادی الآخرہ ۹۱ھ

دعاء میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟

سوال: دعاء مانگتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟ بعض کندھوں تک بتاتے ہیں اور بعض سینے تک، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح درست ہے، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ: ویبسطہما حذاء صدرہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: لکن روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قنیۃ عن تفسیر (الدر المختار ص ۳۴۲) وفی البحر الرائق: رافعی ایدیہم حذاء الصدر وبطونہا مما یلی الوجہ، قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: الذی فی الحصن الحصین وشرحہ ان یرفعہما حذاء منکبیہ باسطاً کفیہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء، اھ وقال بعض الافاضل ولا منافاۃ بینہما لان المراد ان یجعل بطونہما لجہۃ الارض، والتفاوت فی مقدار الرفع قلیل کما یشیر الیہ ما فی ابی داود عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوہما (طحطاوی ص ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۹۲ھ

دعاء میں انگلیاں قبلہ رخ رکھنا مستحب ہے:

سوال: کیا دعاء میں انگلیاں قبلہ رخ رکھنا سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مستحب ہے، کما نقل الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح الحصن الحصین (طحطاوی علی المراقی ص ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۹۲ھ

دعاء کا مسنون طریقہ

سوال: سنت کے مطابق دعاء مانگنے کا صحیح طریقہ کیا ہے، جس کے مطابق دعاء کرنے سے قبولیت ہو، وضاحت سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

باوضو قبلہ رو دو زانو با ادب بیٹھ کر آہستہ خشوع وخضوع سے دعاء کرے، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء مثلاً الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین پڑھے، درود شریف پڑھے، پہلے اپنے لئے پھر والدین کے لئے پھر سب مؤمنین کیلئے، پوری امت کو دعاء میں شامل کرے، نیز دعاء [illegible] ہو، دعاء کا ہر مضمون بار بار دہرایا جائے، کم از کم تین بار تکرار کیا جائے، دعاء کے درمیان بار بار درود شریف پڑھا جائے، یا ارحم الراحمین، یاذا الجلال والاکرام سے پکارا جائے، آخر میں درود شریف کے بعد سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین پڑھ کر آمین پر دعاء ختم کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۱ھ

زبدة الكلمات
في
حكم الدعاء بعد الصلوات

فرائض کے بعد دُعا

سوال : فرائض کی جماعت کے بعد دعا کے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، بعض علماء سرے سے اس دعا ہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد فوراً نوافل کے لئے کھڑے ہوجانا چاہیئے۔ بعض اس دعا میں رفع یدین کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جو رفع یدین کے قائل ہیں ان کا عمل مختلف ہے۔ بعض سراً دعا کرتے ہیں۔ اور اکثر ائمہ مساجد بلند آواز سے طویل دُعائیں کرتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔

ان میں سے شرعی نقطۂ نگاہ سے صحیح طریقہ سنت کے مطابق کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء بعد الفرائض سے متعلق اولاً احادیث اور عبارات فقہ ذکر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

احادیث :

① عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللّٰھم الٰھی والٰہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب والٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد یدیہ خائبتین وفی اسنادہ عبد العزیز بن عبد الرحمٰن ضعیف (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی)

② عن الاسود العامری عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث رواہ ابن ابی شیبۃ (مجموع الفتاوی بہامش الخلاصۃ ج ۱، امداد الفتاوی ج ۱، نفائس مرغوبہ) اس حوالہ کی تحقیق ضمیمہ میں ہے۔

③ وقال الحافظ السیوطی فی فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء اخرج ابن ابی شیبۃ قال حدثنا محمد بن یحیٰی الاسلمی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منہا قال لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ۔ رجالہ ثقات اھ (فض الوعاء للسیوطی)

④ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوٰة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن ثم تقنع یدیک یقول ترفعهما الی ربک مستقبلاً ببطونهما وجهک وتقول یا رب یا رب ومن لم یفعل ذلک فهی کذا وکذا ، رواه الترمذی والنسائی وابن خزیمة فی صحیحه ورجاله ثقات (اعلاء السنن ص۔۔ ج ۳)

(۵) اخرج عبد الرزاق عن النبی صلی الله علیه وسلم ای الدعاء اسمع ای اقرب الی الاجابة قال شطر اللیل الآخر وادبار المکتوبة وذکره عبد الحق وابن القطان (مصنف عبد الرزاق)

(۶) ذکر الامام المحدث ابو الربیع فی کتاب مصباح الظلام عن النبی علیه الصلوٰة والسلام انه قال من کانت له الی الله حاجة فلیسألها دبر صلوٰة مکتوبة اهـ (مصباح الظلام)

(۷) عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال قیل یا رسول الله ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات ، اخرجه الترمذی وقال حسن (فتح الباری ص۔۔ ج ۱۱)

(۸) اخرج الطبرانی من روایة جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المکتوبة افضل من الدعاء بعد النافلة کفضل المکتوبة علی النافلة (المواهب للقسطلانی نقلاً عن الحافظ ابن حجر)

(۹) عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال ما دنوت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی دبر صلوٰة مکتوبة ولا تطوع الا سمعته یقول اللّٰهم اغفر لی ذنوبی وخطایای کلها اللّٰهم انعشنی واجبرنی واهدنی لصالح الاعمال والاخلاق انه لا یهدی لصالحها ولا یصرف سیئها الا انت وروی النسائی وغیره اللّٰهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیها معاشی اللّٰهم اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من نقمتک واعوذ بک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد وروی ابو داؤد اذا انصرفت من المغرب فقل اللّٰهم اجرنی من النار سبع مرات فانک اذا قلت ذلک ثم مت من لیلتک کتب لک جوار منها واذا صلیت الصبح فقل کذلک فانک ان مت من یومک کتب لک جوار منها (ابن السنی)

(۱۰) عن عطاء بن مروان عن ابیه ان کعبا رضی الله تعالیٰ عنه حلف له بالله الذی فلق البحر لموسیٰ انا لنجد فی التوراة ان داؤد نبی الله صلی الله علیه وسلم کان اذا انصرف من صلوٰته قال اللّٰهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیها معاشی اللّٰهم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من نقمتک واعوذ بک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا

ينفع ذا الجد منك الجد قال وحدثني كعب ان صهيبا حدثه ان محمدا صلى الله عليه وسلم كان يقولهن عند انصرافه من صلاته (نسائی)

(۱۱) عن معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ بيدي يوما ثم قال يا معاذ والله اني لاحبك فقال معاذ بابي انت وامي يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وانا والله احبك فقال اوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلوٰة ان تقول اللهم اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك قال واوصى بذلك معاذ الصنابحي واوصى الصنابحي ابا عبد الرحمن الحبلي واوصى ابو عبد الرحمن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وقال الذهبي في التلخيص على شرطهما (مستدرك ص۲۷۳ ج ۱) واخرجه ابوداؤد والنسائي وصححه ابن حبان .

(۱۲) عن المغيرة بن شعبة رضی الله تعالیٰ عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من الصلوٰة وسلم قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد ولفظ البخاري في كتاب الاعتصام ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول هذه الكلمات دبر كل صلوٰة وفي كتاب الصلوٰة في دبر كل صلوٰة مكتوبة .

(رواه البخاري ومسلم وابوداؤد والنسائي)

(۱۳) عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى وفرغ مسح بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذي لا اله الا هو الرحمن الرحيم اللهم اذهب عني الهم والحزن (رواه الطبراني والبزار)

(۱۳) عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال ما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنا الا قال حين اقبل علينا بوجهه اللهم اني اعوذ بك من كل عمل يخزيني واعوذ بك من كل صاحب يؤذيني واعوذ بك من كل امل يلهيني واعوذ بك من كل فقر ينسيني واعوذ بك من كل غنى يطغيني (رواه البزار وابو يعلى)

(۱۵) عن علي رضی الله تعالیٰ عنه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا سلم من الصلوٰة قال اللهم اغفر لي ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به مني انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت (رواه ابوداؤد)

(۱۶) عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینصرف من صلوتہ استغفر ثلاث مرات ثم قال اللّٰھم انت السلام الخ (رواہ ابوداؤد)

(۱۷) عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر کل صلوٰۃ اللّٰھم ربنا ورب کل شیء انا شہید انک انت الرب وحدک لا شریک لک اللّٰھم ربنا ورب کل شیء انا شہید ان محمدًا عبدک ورسولک اللّٰھم ربنا ورب کل شیء انا شہید ان العباد کلھم اخوۃ اللّٰھم ربنا ورب کل شیء اجعلنی مخلصًا لک واہلی فی کل ساعۃ من الدنیا والاٰخرۃ یا ذا الجلال والاکرام اسمع واستجب اللہ الاکبر اللہ الاکبر اللہ نور السمٰوٰت والارض اللہ الاکبر حسبی اللہ ونعم الوکیل اللہ الاکبر اللہ الاکبر (رواہ ابوداؤد والنسائی وغیرہ)

(۱۸) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقرأ بالمعوذات دبر کل صلوٰۃ (رواہ ابوداؤد)

(۱۹) فی مسند الامام احمد وسنن ابن ماجۃ وکتاب ابن السنی عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الصبح قال اللّٰھم انی اسألک علمًا نافعًا وعملًا متقبلًا ورزقًا طیبًا (کتاب الاذکار للنووی)

(۲۰) واذا صلیت الصبح والمغرب فقل قبل ان تکلم اللّٰھم اجرنی من النار سبع مرات رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان (الحصن الحصین للجزری)

(۲۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاذا فرغت فانصب یقول فاذا فرغت مما فرض علیک من الصلوٰۃ فاسأل اللہ وارغب الیہ وانصب لہ (تفسیر ابن جریر طبری)

(۲۲) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ام سلیم (الی قولہ) ثم قام الی ناحیۃ من البیت فصلی غیر المکتوبۃ فدعا لام سلیم واہل بیتہا الحدیث

(رواہ البخاری)

(۲۳) عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر الصلوات لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن الجمیل لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون (رواہ مسلم)

(۲۴) عن عبد الرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من

عصر لحضور الملائكة فيهما فيؤمنون على الدعاء فيكون اقرب للاجابة وكذا بعد غيرهما من الصلوات لانه من اوقات الاجابة ادبار المكتوبات (الى قوله) ويكره للامام استقبال القبلة بل يستقبل المأمومين لما تقدم انه ينحرف اليهم اذا صلوا بعدها الا ان في الاولى ويكره ثلاثاً لانه نوع من الالحاح والدعاء سراً افضل منه جهراً لقوله تعالى ادعوا ربكم تضرعاً وخفية لانه اقرب الى الاخلاص قال ويكره رفع الصوت به في الصلوٰة وغيرها الا الحاج فان رفع الصوت له افضل لحديث افضل الحج العج والثج۔

(امداد الفتاوی صنہ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات وعبارات سے امور ذیل ثابت ہوئے :

① فرائض کے بعد ادعیہ واذکار روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ سے ثابت ہیں۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظہر، مغرب اور عشاء میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہو جائے، تاخیر مکروہ ہے۔ ان کے ہاں روایات مذکورہ کی دو توجیہیں ہیں :

① یہ روایات فجر و عصر سے متعلق ہیں۔

② فرائض کے بعد کی سنن ونوافل کا حکم فرائض کے جبر نقصان کے لئے ہے، اس لئے یہ ملحق بالفرائض ہیں، لہٰذا دبر المکتوبات سے مع الملحقات مراد ہے، یعنی سنن ونوافل کے بعد۔ بہرکیف فرائض کے بعد ذکر ودعاء سے متعلق اسقدر روایات ہیں کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

② دعاء بعد الفرائض میں رفع یدین بھی ثابت ہے، اگرچہ اس سے متعلق بعض روایات میں ضعف ہے مگر اولاً فضائل میں عمل بالضعیف بھی جائز ہے۔ ثانیاً اسے دوسری روایات سے استشہاد حاصل ہے۔ ثالثاً مطلق دعاء میں رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کلیہ میں دعاء بعد الفرائض بھی داخل ہے۔ (اس مسئلہ سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے)

③ دعاء بعد الفرائض میں رفع یدین کے فاعل اور تارک میں سے کسی پر بھی اعتراض اور ملامت جائز نہیں۔ (العبارۃ الرابعۃ)

④ ظہر، مغرب اور عشاء میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہو جائے، اللّٰھم انت السلام الخ سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

⑤ دعاء میں اخفاء بالاتفاق زیادہ افضل ہے اور اس صورت میں امید قبول زیادہ ہے۔

زبدۃ الکلمات ـــــــــــ ـ ـ ـ

(۶) مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی موجودگی میں (انفرادًا) مختصر دعا کرے جب مقتدی چلے جائیں تو طویل دعا کر سکتا ہے۔ (العبارۃ الثامنۃ)

لیکن آجکل معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مقتدیوں کے سامنے تو بہت لمبی چوڑی دعائیں ہوتی ہیں مگر چوں بخلوت مے روند!

(۷) دعا میں امام اور مقتدیوں کا آپس میں تعلق رکھنا خواہ دعا آہستہ ہی کریں اس کا کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔

(۸) امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے کی رسم خواہ سرًّا ہو یا جہرًا بدعت ہے جو قلت علم و کثرت جہل سے پیدا ہوئی ہے اور جہال کی ترا ش ہے۔ (العبارۃ الرابعۃ والخامسۃ)

(۹) اگر امام اس نیت سے جہرًا دعا کرتا ہے کہ لوگ دعا کے کلمات سن کر یاد کریں تو اس میں کچھ حرج نہیں اور جب لوگ دعا یاد کر لیں تو جہر بدعت ہے۔ (العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ)

(۱۰) بعض مالکیہ نے فرض کے بعد امام کے ساتھ اجتماعی دعا کو اس شرط سے جائز کہا ہے کہ اس کو نماز کی سنن و فضائل میں سے نہ سمجھا جائے، اگر نماز کی سنن و فضائل میں شمار کیا جاتا ہو تو بالاتفاق جائز نہیں۔ (العبارۃ السادسۃ)

یہ روایت خود صاحب مذہب امام مالک اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کی اس نص کے خلاف ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو کر فوراً اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ (المدونۃ ص ۱۴۴ ج ۱، الاعتصام للشاطبی ص ۲۵۹ ج ۱)

(۱۱) شافعیہ کے ہاں امام کا جہرًا دعا کرنا خلاف سنت ہے، البتہ مقتدیوں کی تعلیم یا تامین مقصود ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ اسکو مسنون سمجھنے کا خطرہ نہ ہو۔ (العبارۃ السادسۃ والسابعۃ)

عبارت ثالثہ و تاسعہ سے دعا میں امام اور مقتدیوں کا آپس میں رابطہ رکھنا ثابت نہیں ہوتا۔

دعاء مروّج کا تجزیہ:

(۱) عوام اسے سنن صلوٰۃ میں سے سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) اس کا اس قدر التزام ہونے لگا ہے کہ تارک کو ہدف ملامت بنایا جاتا ہے، اگر کوئی امام اس طریقہ پر دعا نہ کرائے تو اسے امامت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

(۳) اخفاء کی افضلیت پر اجماع کے باوجود جہر ہی پر اصرار کیا جاتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر نمازوں کے بعد عام مساجد میں دعا کا مروجہ طریقہ ختم کرنا چاہئے۔ اور علماء کو اس طرف زیادہ توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ شافعیہ و بعض مالکیہ نے جو بعض شرائط سے اجازت دی ہے

ظاہر ہے کہ وہ بھی مقیدًا بالسلامۃ عن القبائح المذکورۃ ہے، التزام کی وجہ سے تو امر مندوب ومستحب بھی واجب الترک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جس کا کوئی ثبوت ہی نہ ہو اور پھر اسے نماز کے متعلقات میں شمار کیا جانے لگے۔ اس لئے ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ جہری رسم کو تو بالکلیہ ختم کر دیں اور اجتماعاً سری دعاء سے متعلق بھی مقتدیوں کو یہ تبلیغ کرتے رہیں کہ یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں اس لئے اسکا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ائمہ حضرات کبھی کبھار عملاً بھی اجتماعی دعاء میں ناغہ کر دیا کریں تاکہ عوام کے ذہن سے اس طریقہ کی سنیت کا خیال نکل جائے، مگر عملی اقدام سے قبل بطریق احسن بلاطفت اور نرمی سے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سمجھائیں اور خوب ذہن نشین کرائیں تاکہ انتشار و فتنہ کی صورت پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

الحاق:

روایات ذیل سے اجتماعی دعاء کے ثبوت کا اشتباہ ہو سکتا ہے:

(۱) من آداب الدعاء تأمين الداعي والمستمع، خ م د س (حصن حصین ص ۵)

(۲) قولہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکما کے تحت کتب تفسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعاء فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غزوۂ احد میں اس طرح دعاء کی کہ پہلے ایک نے دعاء کی اس پر دوسرے نے آمین کہی، پھر دوسرے نے دعاء کی اس پر پہلے نے آمین کہی

(۴) لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم ويؤمن بعضهم الا اجابهم الله (تلخیص الذہبی مع المستدرک ص ۳۴۷ ج ۳)

ان روایات کا نماز کے بعد والی دعاء سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب اس صورت سے متعلق ہیں کہ کوئی شخص دعاء کر رہا ہو الفاظ کسی دوسرے نے سن لئے تو وہ اس پر آمین کہے، نماز کے بعد تو ہر شخص کے لئے موقع دعاء ہے، پھر ہر شخص کا مقصد الگ ہوتا ہے، ہر شخص اپنے مقصد کے لئے دعاء میں مشغول ہوگا تو دوسرے کی دعاء پر آمین کیسے کہے گا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ پانچ بار علانیہ بجماعت نماز ادا فرماتے تھے، اگر آپ نے نماز کے بعد کبھی اجتماعی دعاء فرمائی ہوتی تو اس کو کوئی متنفس تو نقل کرتا، مگر ذخیرۂ حدیث میں اس کا کہیں نشان نہیں ملتا، اگر اس کا استحباب تسلیم بھی کر لیا جائے تو التزام بہرصورت بدعت ہے۔

وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ضمیمہ ختم [illegible])

۱۰ ربیع الاول [illegible]

باب القراءة والتجوید

قراءۃ میں صحت ادا کی کوشش نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک شخص نماز میں قرآن مجید غلط پڑھتا ہے اعراب میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، سمجھانے کے باوجود اصلاح نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ اس قسم کی معمولی غلطیاں مفسد صلوٰۃ نہیں، اس شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

اعراب کی غلطی اگرچہ عند المتأخرین مفسد صلوٰۃ نہیں، مگر بے احتیاطی اور بے پروائی سے قرآن مجید غلط پڑھنا سخت گناہ ہے، قال اللہ تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا، وقال العلامۃ الجزری والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن آثم۔ جو شخص قرآن کی حرکات اور حروف کے امتیاز کو ضروری نہیں سمجھتا اس کے خیال میں قرآن کا اعراب ورعایت القرأت الفاظ کا حسن فضول اور باطل ہے، وقال اللہ تعالیٰ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔

الثغ اگر صحت ادا کی کوشش نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جہدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثلہ ولا تصح صلوتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جہدہ الخ وفی الشامیۃ (قولہ دائما) ای فی آناء اللیل واطراف النہار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلوتہ جائزۃ وان ترک جہدہ فصلوتہ فاسدۃ کما فی المحیط وغیرہ الخ (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۱)

جب ترک جہد کی صورت میں الثغ کی نماز فاسد ہے حالانکہ یہ معذور بھی ہے تو غیر معذور اگر صحت ادا کی کوشش نہیں کرتا بلکہ بے پروائی کرتا ہے تو اس کی نماز بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگی، خصوصاً

اگر کبھی اتفاقاً کوئی غلطی اعراب میں ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر بے احتیاطی و بے پروائی کی وجہ سے قرآن مجید غلط پڑھتا ہے صحت ادا کی کوشش ہی نہیں کرتا تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۷۲ھ

قراءت فرض کی مقدار:

سوال: قراءت فرض کا ادنیٰ درجہ جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بعض نے چھ حروف کا قول نقل کیا ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ تیس حروف ہوں، قال العلائی: وفرض القراءۃ آیۃ علی المذهب، هی لغۃ العلامۃ، وعرفاً طائفۃ من القرآن مترجمۃ أقلها ستۃ أحرف ولو تقدیراً کلم یلد إلا إذا کانت کلمۃ فالأصح عدم الصحۃ وإن کررها مراراً، إلی قوله: فلو قرأ آیۃ طویلۃ فی الرکعتین فالأصح الصحۃ اتفاقاً لأنه یزید علی ثلاث آیات قصار، قال فی الشامیۃ (قوله فالأصح عدم الصحۃ) کذا فی المنیۃ وهو شامل لمثل مدهامتان ومثل ص وق ون، لکن ذکر فی الحلیۃ والمعراج الذی مشی علیه الإسبیجابی فی الجامع الصغیر وشرح الطحاوی وصاحب البدائع الجواز فی مثل مدهامتان عنده من غیر حکایۃ خلاف (قوله لأنه یزید علی ثلاث آیات) تعلیل للمذهبین لأن نصف الآیۃ الطویلۃ لو کان یزید علی ثلاث آیات قصار یصح علی قولهما فعلی قول أبی حنیفۃ المکتفی بالآیۃ أولی ح، قال فی البحر وعلم من تعلیلهم أن کون المقروء فی کل رکعۃ النصف لیس بشرط بل أن یکون البعض یبلغ ما یعد بقراءته قارئاً عرفاً، وأیضاً فیها لکن التعلیل الأخیر ربما یفید اعتبار العدد فی الکلمات أو الحروف (قوله کقوله تعالی ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ) فإنها من حیث الکلمات عشرعه ومن حیث الحروف ثلاثون (رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۲)

وفی واجبات الصلاۃ من الشرح: وضم أقصر سورۃ کالکوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث آیات قصار نحو ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ وکذا لو کانت

عه دس کلمات مذکورہ میں نہیں صرف تیس حروف کا اعتبار ہے، کما فی الشامیۃ فی بیان کراہۃ اطالۃ الرکعۃ الثانیۃ علی الاولیٰ فالمعتبر عدد الحروف لا الکلمات ۱۲ منہ

الآية او الآيتان تعدل ثلاثا قصارا، وفي الشامية اي مثل ثم نظر وهي ثلاثون حرفا فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفا يكون قد اتى بقدر ثلاث آيات لكن سيأتي في فصل يجهر الامام ان فرض القراءة آية وان الآية عرفا طائفة من القرآن مترجمة اقلها ستة احرف ولو تقديرا كلم يلد الا اذا كانت كلمة فالاصح عدم الصحة ومقتضاه انه لو قرأ آية طويلة قدر ثمانية عشر حرفا يكون قد اتى بقدر ثلاث آيات متوالية على نظم القرآن مثل ثم نظر ولم يوجد ثلاث متوالية اقصر منها الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۲) وقال الرافعي المتبادر من قوله ثلاث قصار الاكتفاء بعدد الثلاث من الآية او الآيتين وان لم تكن الثلاث على ترتيب النظم القرآني واشتراط ذلك لا دليل عليه عبارة الحلبي لان قوله تعدل ثلاث آيات قصار شامل لما اذا كانت على الوجه المشروع بان تكون متوالية اولا ولا بد له من دليل فيه عدم وجوده يعمل باطلاق عبارة الحلبي من الاكتفاء بالآية التي بلغت ثمانية عشر حرفا لاقامة واجب القراءة (التحرير المختار ج ۱ ص ۵۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ شعبان سنہ ۷۲ھ

فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں :

سوال :- فرض کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

نماز ہو جائے گی، فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، ضروری نہیں، فقط بقدر تسبیح واحد قیام کافی ہے، قال في شرح التنوير وهو مخير بين قراءة الفاتحة وصحح العيني وجوبها وتسبيح ثلاثا وسكوت قدرها وفي النهاية قدر تسبيحة فلا يكون مسيئا بالسكوت على المذهب لثبوت التخيير عن علي وابن مسعود رضي الله تعالى عنهما وهو الصارف للمواظبة عن الوجوب. وفي الشامية تحت قوله (وصحح العيني وجوبها) لكن الاصح عدمه (قوله وفي النهاية قدر تسبيحة) وهو الاليق بالاصول حلية اي لان ركن القيام يحصل بها لما مر ان الركنية تتعلق بالادنى (رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۷۱ھ

قراءت مسنونہ:

سوال:- خالد کہتا ہے جو لوگ نماز میں طوال مفصل، قصار مفصل اور اوساط مفصل کے بغیر اجزاء السورہ پڑھتے ہیں ان کی نماز خلاف سنت ہوتی ہے چونکہ اجزاء السورہ پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لئے خلاف سنت ہے۔ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجزاء السورہ پڑھنا ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف کے باب القراءۃ میں آیا ہے اور قاضی خان نے بھی اجزاء السورہ پڑھنا حضور سے ثابت کیا ہے، جو فعل حضور سے ثابت ہو اس کو خلاف سنت کہنا جہالت ہے یا عناد ہوگا، آجکل علماء وغیر علماء کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طوال، اوساط اور قصار کی پابندی نہیں کرتے کیا یہ سب حضرات نماز خلاف سنت ادا کر رہے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال في شرح التنوير ويسن في الحضر لامام ومنفرد ذكره الحلبي والناس عنه غافلون طوال المفصل من الحجرات الى آخر البروج في الفجر والظهر ومنها الى آخر لم يكن اوساطه في العصر والعشاء وباقيه قصاره في المغرب اي في كل ركعة سورة مما ذكر ذكره الحلبي وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى اي من الطوال والاوساط والقصار ومقتضاه انه لا تكرار معنى ان يعتبر من حيث عدد الآيات مع انه ذكر في النهر ان القراءة من المفصل سنة والمقدار المعين سنة اخرى ثم قال وفي الجامع الصغير يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقدر اربعين او خمسين واقتصر في الاصل على الاربعين وفي المجرد ما بين الستين الى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلوة والسلام ويقرأ في العصر والعشاء خمسة عشر في الركعتين في ظاهر الرواية كذا في شرح الجامع لقاضي خان وجزم به في الخلاصة وفي المحيط وغيره يقرأ عشرين وفي المغرب خمس آيات في كل ركعة اهـ اقول كون المقروء من سور المفصل على الوجه الذي ذكره المصنف هو المذكور في المتون كالقدوري والكنز والمجمع والوقاية والنقاية وغيرها وحسن المقدر بعدد على ما ذكره في النهر والبحر مما علمته مخالف لما في المتون من بعض الوجوه كما نبه عليه في الحلية فانه لو قرأ في الفجر او الظهر سورتين من طوال المفصل تزيدان على مائة آية كالرحمن والواقعة او قرأ في العصر والعشاء سورتين من اوساط المفصل تزيدان على عشرين او ثلاثين

آیۃ کالغاشیۃ والفجر یکون بذلک موافقا للسنۃ علی ما فی المتون لا علی الروایۃ الثانیۃ ولا تحصل الموافقۃ بین الروایتین الا اذا کانت السورتان موافقتین للعدد المذکور ویلزم علی ما مر عن النهر من ان العدد المعین سنۃ اخری ان تکون قراءۃ السورتین الزائدتین عن ذلک العدد خارجۃ عن السنۃ الا ان ینقص من کل سورۃ منهما علی ذلک المقدار مع انهم صرحوا بان الافضل فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامۃ والذی ینبغی المصیر الیه انهما روایتان متخالفتان اختار اصحاب المتون احداهما ویؤیده انه فی متن الملتقی ذکر اولا ان السنۃ فی الفجر حضرا اربعین آیۃ او ستون ثم قال واستحسنوا طوال المفصل فیهما وفی الظهر الخ فذکر ان الثانی استحسان فیترجح علی الروایۃ الاولی لتأیده بالاثر الوارد عن عمر رضی الله عنه انه کتب الی ابی موسی الاشعری ان اقرأ فی الفجر والظهر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل قال فی الکافی وهو کالمروی عن النبی صلی الله علیه وسلم لان المقادیر لا تعرف الا سماعا (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۵)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ صفت قراءۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں آیات کی تعیین تعداد کو سنت قرار دیا ہے، اور دوسری میں سور مفصل کو، بحر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے، اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سور مفصل کی روایت تمام متون کی ہے، اور یہی راجح ہے۔

پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر مختصر سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخر سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے، غرضیکہ مفصل سور پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ وغیرہ میں قراءۃ مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بعض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترک سنت یا استحباب اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام و اصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله واختار فی البحر عدم التقید الخ) والظاهر ان المراد عدم التقید بمقدار معین لکل احد وفی کل وقت کما یفیده تمام

البداية بل تارة يقتصر على ادنى ما ورد كاقصر سورة من طوال المفصل في الفجر او اقصر سورة
من قصاره عند ضيق وقت او نحوه من الاعذار لانه عليه الصلوة والسلام قرأ في الفجر
بالمعوذتين لما سمع بكاء صبي خشية ان يشق على امه وتارة يقرأ اكثر ما ورد اذا لم يمل
القوم فليس المراد الغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا قال في البحر عن البدائع والجملة فيه
انه ينبغي للامام ان يقرأ مقدار ما يخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد ان يكون على
التمام وكذا في الخلاصة (رد المحتار ص ۵۰۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۱۸ر محرم سنہ ۸۲ھ

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ فرض نماز میں رکعتین اولیین میں سورت
نہ ملائی گئی ہو تو اخریین میں اس قراءۃ کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلی دو رکعتوں میں یا ایک میں سورت ملانا یاد نہ رہا تو آخری رکعتوں میں دونوں میں یا ایک
میں ملانا مستحب ہے، قال في الدر ولو ترك سورة اولي العشاء مثلاً ولو عمداً قرأها وجوباً
وقيل ندباً مع الفاتحة جهراً في الاخريين (وفي الشامية) (قوله ولو عمداً) هذا اخذه من
اطلاق المتون وبه صرح في النهر ولم يعزه الى احد وكأنه اخذه من الاطلاق والا
فصنيع الفتح والشرح يقتضي ان وضع المسألة في النسيان تأمل افاده الخير الرملي
وقال تحت (قوله وجوباً وقيل ندباً) والحاصل ان اختيار صاحب الفتح والبحر والنهر
الندب لانه صريح كلام محمد (رد المحتار ص ۵۰۰ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۱۰ر ربیع الاول سنہ ۸۲ھ

فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے:

سوال: سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں پڑھنے
کو ترجیح دی ہے، شرح منیہ میں نہ پڑھنے کو، عبارت یہ ہے واما عند راس كل سورة فلا يأتي به
في الصلوة عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمد رحمه الله انه
يأتي بها احتياطاً والصحيح قولهما۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: سنیت میں اختلاف ہے اور عدم سنیت ارجح ہے

مگر روایت میں کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا بہشتی زیور کا مسئلہ صحیح ہے، قال فی شرح التنویر لا تسن بین الفاتحة والسورة مطلقاً ولو سرية ولا تكره اتفاقاً، وفي الشامية (قوله لا تسن) مقتضى كلام المتن ان يقال لا يسمي لكنه عدل عنه لإيهامه الكراهة بخلاف نفي السنية قوله هذا قولهما وصححه في البدائع، وقال محمد تسن ان خافت لا ان جهر، بحر ونسب ابن الضياء في شرح الغزنوية الاول الى ابي يوسف فقط فقال وهذا قول ابي يوسف وذكر في المصفى ان الفتوى على قول ابي يوسف انه يسمي في اول كل ركعة ويخفيها وذكر في المحيط المختار قول محمد وهو ان يسمي قبل الفاتحة وقبل كل سورة في كل ركعة وفي رواية الحسن ابن زياد انه يسمي في الركعة الاولى لا غير وانما اختير قول ابي يوسف لان لفظة الفتوى آكد وابلغ من لفظة المختار ولان قول ابي يوسف وسط وخير الامور اوسطها كذا في شرح منية المصلي اهـ ما في شرح الغزنوية ووقع في النهر هنا خطأ وخلل في النقل ايضاً عن شرح الغزنوية فاجتنبه فافهم (قوله ولا تكره اتفاقاً) ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بانه ان سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً او جهراً كان حسناً عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آية من كل سورة، بحر (رد المحتار ص۲۵۰ ج۱) فقط والله تعالى اعلم

۱۰ ربیع الاول ۸۴ھ

قراءت میں آواز کی مقدار

سوال:- بہشتی زیور میں ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ اتنی چپکے سے پڑھے کہ اپنی آواز خود اپنے کان کو نہ سنائی دے تو نماز نہیں ہوگی، تو کیا اتنی زور سے نماز پڑھنا کہ اپنے کان کو سنائی دے فرض ہے یا واجب، اگر غلطی سے بہت چپکے سے پڑھ لی پھر خیال آیا تو کیا سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حروف صحیح نکالے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ خود نہ سنے، قول اول پر عمل کرنے سے اکثر وہم پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر لوگ اسی وہم کی وجہ سے زور زور سے پڑھنے لگتے ہیں جس سے دوسروں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لئے میرے خیال میں دوسرے قول پر عمل کرنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذیقعدہ ۸۹ھ

دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا:

سوال:۔ ایک رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی، دوسری میں بھی سورۂ اخلاص پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض میں عمداً ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں۔ قال فی العلائیۃ لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ وفی الشامیۃ افاد انہ یکرہ تنزیھا۔ (رد المحتار ص ۵۰۱ ج ۱) وفی العلائیۃ ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلک (رد المحتار ۵۱۱/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شعبان ۸۳ھ

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا:

سوال:۔ فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں دو سورتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر قصداً یا سہواً پڑھ لیں تو سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرکے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، اور دو سورتوں کے درمیان ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر پڑھنا مکروہ ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں۔

خواہ قصداً ہو یا سہواً اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ) وھذا لو فی رکعتین اما فی رکعۃ فیکرہ الجمع بین سورتین بینھما سورۃ (او سورۃ الفتح) وفی التتارخانیۃ اذا جمع بین سورتین فی رکعۃ رأیت فی موضع انہ لا بأس بہ وذکر شیخ الاسلام لا ینبغی لہ ان یفعل علی ما ھو ظاھر الروایۃ اھ وفی شرح المنیۃ الاولیٰ ان لا یفعل فی الفرض، ولو فعل لا یکرہ الا ان یترک بینھما سورۃ او اکثر (رد المحتار ۵۱۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ شعبان ۹۱ھ

ایک سورت دو رکعتوں میں تقسیم کرکے پڑھنا:

سوال:۔ اگر ایک رکعت میں آدھی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا باقی حصہ پڑھا تو اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا کراہت جائز ہے، البتہ درمیان میں ایک آیت چھوڑنا مکروہ ہے، دو یا زیادہ آیات چھوڑنے میں کراہت نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے، قال فی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ وان یقرأ فی الاولیٰ من محل وفی الثانیۃ من آخر ولو من سورۃ ان کان بینہما آیتان فاکثر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی النھر وینبغی ان یقرأ فی الرکعتین آخر سورۃ واحدۃ لا آخر سورتین اھ، قولہ ولو من سورۃ الخ، واصل بما قبلہ ای لو قرأ من محلین بان انتقل من آیۃ الی اخری من سورۃ واحدۃ لا یکرہ اذا کان بینہما آیتان فاکثر لکن الاولیٰ ان لا یفعل بلا ضرورۃ لانہ یوھم الاعراض والترجیح بلا مرجح، شرح المنیۃ وانما فرض المسألۃ فی الرکعتین (رد المحتار ص ۴۵۱ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ صفر سنہ ۹۱ھ

فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین میں مذاہب ائمہ کی تفصیل:

سوال:۔ امام شافعی، امام احمد، اور امام مالک یعنی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ امام کے پیچھے فاتحہ کے قائل تھے یا نہیں اور رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے یا نہیں، اور کونسے امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام اعظم، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جہری نماز میں قرأۃ خلف الامام جائز نہیں، البتہ سری نماز میں امام مالک اور امام احمد کے ہاں مستحب ہے، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ سری نماز میں قرأۃ فاتحہ خلف الامام واجب ہے، جہری نماز میں وہ بھی منع فرماتے تھے، شوافع کا خیال ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ آخر عمر میں جہری نماز میں بھی وجوب فاتحہ خلف الامام کے قائل ہوگئے تھے، مگر اولاً تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کا آخری قول کیا ہے؟ آپ نے کتاب الام میں منع فرمایا ہے، اس کتاب کو بعض نے کتب قدیمہ میں شمار کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کتاب الام آپ کی کتب جدیدہ میں سے ہے، کما صرح بہ السیوطی فی حسن المحاضرۃ ص ۲۱۲ ج ۱، والحافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ ص ۲۵۲ ج ۱۰۔ ثانیاً اگر قول منع کو قدیم بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے رجوع بصورت ایجاب فرمایا ہے یا بصورت استحباب یا جواز، تیسرا

اقوال ہیں، غرضیکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جہری نماز میں وجوب فاتحہ خلف الامام کا کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا نیز آپ نے امام کے ساتھ قراءت کی اجازت نہیں دی، بلکہ سکتاتِ امام میں قراءت کے قائل ہیں۔ (مغنی لابن قدامۃ ص ۶۰۹ ج ۱، تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۰ ج ۱، فیض الباری ص ۲۷۰ ج ۲، تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲، کتاب القراءة للبیہقی ص ۱۰، مختصر المزنی ص ۲۶ ج ۱، تنوع العبادات لابن تیمیۃ ص ۸۶، فصل الخطاب للشیخ انور شاہ)۔

آمین امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں آہستہ کہنا افضل ہے، اور امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کے ہاں جہراً مندوب ہے (فیض الباری ص ۲۹۱ ج ۲، فتح الملہم ص ۴۹ ج ۲)

اسی طرح رفع یدین بھی امام شافعی و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحب ہے اور امام اعظم و مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ترک رفع مستحب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الآخر سنہ ۸۳ھ

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قراءت جائز ہے:

سوال:۔ نماز کے اندر جہری قراءت باواز بلند قراءت پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قراءت کرنا جائز ہے، البتہ جہر میں تکلف کرنا یا اتنا جہر کرنا نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لئے باعث ایذاء ہو، ناجائز ہے، فی الشامیۃ تحت (قولہ فان زاد علیہ اساء) وفی الزاهدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجۃ فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او آذی غیرہ، قهستانی (رد المحتار ص ۴۹۷ ج ۱)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باواز بلند قراءت فرماتے تو مشرکین شور برپا کرتے تھے، اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قراءت کریں، تاکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سن لیں اور مشرکین تک آواز نہ پہنچے، اس سے مطلقاً بلند آواز سے قراءت کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ رجب سنہ ۹۲ھ

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي میں ”فی“ چھوٹ گیا:

سوال:۔ امام صاحب نے نماز میں فَادْخُلِي فِي عِبَادِي کی بجائے فَادْخُلِي عِبَادِي پڑھ دیا،

کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز ہو گئی، فانہ یجوز حذف وا واو الظرف نحو فی ادخلوا الجنة۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ شعبان ۹۲ھ

جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟

سوال:۔ اگر کسی کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے: سبحان اللہ یا الحمد للہ بجائے قراءت کے پڑھ لے اور جلد سے جلد اس پر قرآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا فرض ہے، قراءت فرض کی مقدار یاد کرلینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے، اور نہ سیکھنے میں سخت گنہگار ہوگا، مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ صحیح ہے قال فی الهندیة وفی المبسوط الوبری والاخرس والامی الذی لا یحسن شیئا یصیر شارعا بالنیة ولا یلزمه التحریک باللسان کذا فی التبیین (عالمگیریہ ص ۶۹ ج ۱) نومسلم پر اس طرح پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان ایسی غفلت میں رہا اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو بطریق مذکور فوراً نماز شروع کر دے، مگر بقدر ضرورت قرآن یاد کر لینے کے بعد ان نمازوں کو لوٹا لے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ربیع الاول ۹۱ھ

منفرد جہری نمازوں میں قضا کرے تو قراءت میں جہر کا اختیار ہے:

سوال:۔ اگر کسی شخص کی جہری نماز قضا ہو گئی اب یہ شخص دن میں اس قضا نماز کو منفرداً ادا کرنا چاہتا ہے تو قراءت بالجہر کرے گا یا بالسر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو جس طرح جہری نماز میں وقت کے اندر جہر و اخفاء دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح جہری نماز کی قضا میں بھی اختیار ہے، قال فی الدر المختار ویخافت المنفرد حتما ای وجوبا ان قضی الجهریة فی وقت المخافتة کان صلی العشاء بعد طلوع الشمس لکن ذکر

المصنف بعد عن الواجبات قلت وهكذا ذكره ابن الملك في شرح المنار من بحث القضاء على الاصح كما في الهداية لكن تعقبه غير واحد ورجحوا تخييره لمن سبق بركعة من الجمعة فقام يقضيها بخير (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ رجب سنہ ۹۰ھ

جہری نماز کی قضاء دن میں بجماعت کی جائے تو جہر واجب ہے:

سوال: اگر کسی جماعت کی جہری نماز قضاء ہوگئی اب وہ دن میں اس نماز کی قضاء کرنا چاہتے ہیں تو امام قراءت بالجہر کرے گا یا بالسر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسئولہ صورت میں امام پر جہر واجب ہے، قال في التنوير ويجهر الامام في الفجر و اولي العشائين اداء و قضاء و جمعة و عيدين و تراويح و وتر بعدها (رد المحتار ص ۴۹۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ رجب سنہ ۹۰ھ

سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازوں میں مخصوص سورتیں پڑھنا جیسے فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۂ الکافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ التکاثر دوسری میں سورۂ الکافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون و اخلاص اور وتر میں سورۂ اعلیٰ کافرون اور اخلاص پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر کی کوئی وجہ تخصیص نہیں، منفرد اگر سورۂ اعلیٰ یا تکاثر وہ بغرض سہولت یا سورۂ ماثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، مگر اس کو لازم نہ سمجھے اور کبھی کبھی ناغہ کر دینا بہتر ہے، البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے ناواقف کو شبہہ وجوب ہو سکتا ہے، اسی طرح فرائض کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجب سنہ ۹۰ھ

عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں ان پڑھوں کی اکثریت ہو اور ان پڑھوں کے سامنے جس طرح قرآن پاک تحریر ہے بعینہٖ اسی طرح پڑھے تو صحیح سمجھتے ہیں، اگر روایت کے ساتھ مثلاً قل ھو اللہ احد کو احدن اللہ الصمد پڑھے تو امام صاحب پر وہ مقتدی اعتراض کرتے ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے، آیا اللہ الصمد جیسا کہ معروف ہے اسی طرح پڑھے یا غیر معروف ن اللہ الصمد پڑھے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عوام میں غیر معروف طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے میں انتشار اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۹۲ھ

سورۂ زلزال میں خیرًا کی جگہ شرًا پڑھنے سے نماز ہو جائے گی:

سوال :- سورۂ زلزال میں خیرًا کی جگہ شرًا پڑھ لیا، بعد میں خیرًا پڑھ لیا، اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نماز ٹوٹی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز درست ہو گئی، سجدۂ سہو واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شوال سنہ ۹۲ھ

بروز جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا:

سوال :- زید کہتا ہے کہ نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا مستحب ہے، عمرو کہتا ہے کہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا فی نفسہٖ مستحب ہے، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آجکل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اور اس کی اصلاح لازم ہے، قال فی الدر ویکرہ التعیین کالسجدة وھل اتٰی لفجر کل جمعة بل یندب

قراءتهما احيانا۔ قال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله ثم الحق) لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر فيستحب أن يقرأ ذلك أحيانا تبركا بالمأثور فإن لزوم الإيهام ينتفي بالترك أحيانا (إلى قوله) وقيد الطحاوي والإسبيجابي الكراهة بما إذا رأى ذلك حتما لا يجوز غيره أما لو قرأه للتيسير عليه أو تبركا بقراءته عليه الصلوٰة والسلام فلا كراهة لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرها لا يجوز (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۸) فقط والله تعالى أعلم۔

۳ ربیع الاول [illegible]

آمین آہستہ کہنا افضل ہے:

سوال:۔ نماز باجماعت میں آمین اونچی آواز میں کہنا چاہئے یا آہستہ، ابوداود، ابن ماجہ (بحوالہ ابن کثیر) میں اونچی آواز سے ثابت ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح جائز ہے، آہستہ کہنا افضل ہے، افضلیت قرآن کریم اور حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جو ترمذی میں ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے "ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً"، اس سے دعاء کا اخفاء ثابت ہوا، اور آمین بھی دعاء ہے، کما نقل الامام البخاری عن عطاء رحمهما الله تعالى، حدیث شعبہ قرآن کریم کے مطابق ہے، اس لئے اس کو اختیار کیا جائے گا، اور دوسری احادیث میں تاویل کرکے ان کو قرآن کریم سے تطبیق دی جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الاول [illegible]

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال:۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کے مسلسل پڑھنا افضل ہے، دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، عن ابن جريج عن ابن أبي مليكة عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراءته يقول الحمد لله رب العالمين، ثم يقف ثم يقول الرحمن الرحيم ثم يقف

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص ۱۹۱، شمائل ترمذی ص ۲۵۹) وفی کنز العمال عن ابی عثمان النھدی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقطع قراءته بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین الی آخرھا، السلفی فی انتخاب حدیث الفراء ورجاله ثقات، (کنز العمال ص ۱ ج ۸)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوۃ لم یقرأ فیها بام القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بھا فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد الحمد للہ رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی واذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنی علیّ عبدی فاذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی وقال مرۃ فوض الی عبدی فاذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل (صحیح مسلم ص ۱۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الاولیٰ [illegible]

بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قراءت کرے:

سوال: اگر عین جمعہ کی جماعت کے وقت بارش ہونے لگے، امام صاحب کے علم میں یہ بات ہو کہ سینکڑوں نمازی مسجد کے صحن میں کھڑے بھیگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں کیا یہ اقرب بسنت نہ ہوگا کہ امام صاحب بہت چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جی ہاں! قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فقد ظهر من کلامه (الکمال) انه لا ینقص عن المسنون الا لضرورۃ کقراءته صلی اللہ علیہ وسلم بالمعوذتین لبکاء الصبی (رد المحتار ص ۵۲۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۱ھ

فاتحہ کا کچھ حصہ سرا پڑھنے کے بعد نیت امامت کرلی تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے :

سوال :- منفرد جہری نماز سراً پڑھ رہا تھا، سورۂ فاتحہ کی قراءت کے درمیان کسی نے اس سے اقتداء کرلی اور اس نے بھی امامت کی نیت کرلی، تو جب سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ پھر پڑھے یا کہاں سے آگے جہراً پڑھنا شروع کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں اختلاف ہے، بعض وجوب اعادہ کے قائل ہیں اور بعض وجوب عدم اعادہ کے، قول ثانی راجح ہے، لہٰذا اعادہ نہ کرے، بصورت اعادہ چونکہ قول راجح کی بنا پر ترک واجب لازم آتا ہے، لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہونا چاہئے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایسی صورت میں یہ فیصلہ مناسب نظر آتا ہے کہ نماز کا اعادہ افضل ہے، واجب نہیں۔ قال فی العلائیۃ ولو اتی به بعد الفاتحة او بعضها سرًا اعادها جهرًا بحر لکن فی آخر شرح المنیة اتمّ به بعد الفاتحة يجهر بالسورة ان قصد الامامة والا فلا يلزمه الجهر وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: قوله لكن الخ استدراك علی قوله ولو اتی به بعد الاولی اخر ونقل حکی بعد ذلک القهستانی حيث قال ان الامام لو خافت ببعض الفاتحة او كلها او المنفرد ثم اقتدی به رجل اعادها جهرًا كما فی الخلاصة وقيل لم يعد وجهر فيما بقی من بعض الفاتحة او السورة كلها او بعضها كما فی المنية اھ وعزا فی القنية القول الثانی الی القاضی عبد الجبار وفتاوی السعدی ولعل وجهه ان فيه التحرز عن تكرار الفاتحة فی ركعة وتأخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان تكررها اشد واسهل من لزوم الجمع بين الجهر والاسرار فی ركعة علی ان كون ذلک الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره فی آخر شرح المنية ان الامام لو سها فخافت بالفاتحة فی الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بآية او اكثر يتمها جهرًا ولا يعيد وفی القهستانی ولا خلاف انه لو جهر بالاكثر الفاتحة يتمها مخافتة كذا فی الزاهدی اھ ای فی الصلوٰة السرية ولكن القول الاول نقله فی الخلاصة عن الاصل كما فی البحر والاصل من كتب ظاهر الرواية لا يلزم منه كون الثانی لم يذكر فی كتاب آخر من كتب ظاهر الرواية فدعوی انه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم (رد المحتار ص ۴۹۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ر شعبان سنہ ۸۱ھ

امام فاتحہ کا کچھ حصہ سراً پڑھ گیا تو اس کا اعادہ نہ کرے:

سوال:- امام نے جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کی کچھ آیتیں آہستہ پڑھ لیں، اس کے بعد یاد آگیا یا کسی نے لقمہ دیا تو وہیں سے آگے جہراً قراءت شروع کردے، یا کہ سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہراً پڑھے، اگر سورۂ فاتحہ دوبارہ جہراً پڑھ لی تو کیا سجدۂ سہو ساقط ہوجائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں بھی اختلاف دلائل کی وہی تفصیل ہے جو اوپر کے مسئلہ میں بیان ہوئی، اور راجح یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کا اعادہ مکروہ ہے، اگر اعادہ کرلیا تو نماز کا اعادہ بہتر ہے، کما مرّ فی المسئلۃ السابقۃ، اگر مقدار ما تجوز بہ الصلوٰۃ (تین حروف) سراً پڑھ گیا تو سجدۂ سہو واجب ہے، جو اعادہ سے ساقط نہ ہوگا کیونکہ یہ اعادہ جابر نقصان نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ر شعبان ۸۵ھ

نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا:

سوال:- آجکل عام طور پر ائمہ مساجد نمازوں میں پوری سورت پڑھنے کی بجائے درمیان سے کوئی رکوع پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا کہ اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مروّج دستور میں بڑی قباحت یہ ہے کہ نمازوں میں سنت کے مطابق مفصل سورتیں نہیں پڑھی جاتیں، حالانکہ یہ سنت ہے۔

مفصل سورتوں کا جز پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ ایک سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں قراءت کرلے میں کوئی کراہت نہیں، اس کے سوا دوسری صورتیں مثلاً اول سورت یا وسط سورت سے پڑھنا یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ قال فی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ، وان یقرأ فی الاولیٰ من محل وفی الثانیۃ من آخر ولو من سورۃ ان کان بینھما آیتان فاکثر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی النھر وینبغی ان یقرأ فی الرکعتین آخر سورۃ واحدۃ لا آخر سورتین فانہ مکروہ عند الاکثر، لکن فی شرح المنیۃ عن الخانیۃ الصحیح انہ لا یکرہ، وینبغی ان یراد بالکراھۃ المنفیۃ التحریمیۃ، فلا ینافی کلام الاکثر ولا قول الشارح لا بأس تأمل

ویؤیدہ قول شرح المنیۃ عقیب ما مر وکذا لو قرأ فی الاولی من وسط سورۃ او من سورۃ اولہا ثم قرأ فی الثانیۃ من وسط سورۃ اخری او من اولہا او سورۃ قصیرۃ الاصح انہ لا یکرہ لکن الاولی ان لا یفعل من غیر ضرورۃ اھ (قولہ ولو من سورۃ الخ) واصل بما قبلہ ای لو قرأ من غیر ان ینتقل من آیۃ الی اخری من سورۃ واحدۃ لا یکرہ اذا کان بینہما آیتان فاکثر لکن الاولی ان لا یفعل بلا ضرورۃ لانہ یوہم الاعراض والترجیح بلا مرجح شرح المنیۃ وانما فرض المسألۃ فی الرکعتین لانہ لو انتقل فی الرکعۃ الواحدۃ من آیۃ الی آیۃ یکرہ وان کان بینہما آیات بلا ضرورۃ فان سہا ثم تذکر یعود مراعاۃ لترتیب الآیات شرح المنیۃ (رد المحتار ص ۵۰۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رمضان ۸۸ھ

تجوید قرآن کی مقدار فرض:

سوال: ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تجوید قرآن فرض ہے، بدون تجوید پڑھنا حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

حروف متشابہہ مثلاً ض، ظ، ذ، ز اور س، ص، ث اور ت، ط میں فرق سیکھنا فرض ہے، تجوید کے دوسرے قواعد مثلاً اخفاء، اظہار، تفخیم و ترقیق وغیرہ کا سیکھنا مستحب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ ذیقعدہ ۹۰ھ

وقف لازم کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقف لازم نہ کرے جیسے فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ م إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ الآیۃ میں "قولہم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضع وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن کریم میں جہاں وقف لازم لکھا ہوتا ہے وہاں وقف کا لزوم صرف فن تجوید کے لحاظ سے ہے ویسے شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہٰذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقف لازم پر وقف کرنا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱ر رمضان المبارک ۸۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لئے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماء اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، مشترک وغیرہ اور علامہ سجاوندی نے تو وقف کرکے ان کے لئے رموز اوقاف وضع کئے ہیں گو انکی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاوندی سے پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لئے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ایضاح الوقف والابتداء للانباری متوفی ۳۲۸ھ، الاکتفاء فی معرفة الوقف والابتداء لابی عمرو الدانی متوفی ۴۴۴ھ، الاهتداء الی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن طیفور، منار الهدی فی بیان الوقف والابتداء للاشمونی اور یہ کتاب تمام و مشہور ہے، المرشد للشیخ زکریا الانصاری، یہ کتاب منار الهدی کے حاشیہ پر ہے، اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماء اوقات کا وقف کی قسمیں کرنا اور ان کے لئے رموز وضع کرکے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، انکے احکام اور انکے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے اپنی کتاب البرهان فی علوم القرآن ص۳۵۲ ج۱ اور ثانی الذکر نے الاتقان فی علوم القرآن ص۸۹ ج۱ میں لکھا ہے کہ مذهب ابو یوسف القاضی صاحب ابی حنیفة الی ان تقدیر الوقوف علیه من القرآن بالتام والکافی والحسن والقبیح وتسمیته بذلك بدعة ومتعمد الوقف علی نحو مبتدع قال لان القرآن معجز وهو کالقطعة الواحدة فکله قرآن وبعضه قرآن وکله تام حسن وبعضه تام حسن وحکی ذلك عن القاسم برهان النحوی عنه، جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاوندی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اور ان پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری اور واجب ہے تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں رد الطغیان فی اوقاف القرآن کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اسکو حل فرمائیں اور مفصل و مدلل با حوالہ جواب سے مستفید فرماکر شکریہ کا

موقع بخشیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً، اوقاف قرآن روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں، البتہ ان وقوف پر ٹھہرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں لہٰذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دینا ضرور بدعت ہے، اسکی ساری تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "رد الطغیان فی اوقاف القرآن" میں ہے جس میں حضرت نے روایات اور اجماع سے اوقاف قرآنی پر ٹھہرنا ثابت کیا ہے اور جو آپ نے امام ابو یوسف کا قول پیش کیا ہے اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اسکی مخالفت کی مثلاً جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد "خمس" یا "خ" اور ہر دس آیات کے بعد "عشر" یا "ع" لکھا گیا تو علماء متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے، صحابہ وتابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا جس کو امت نے اپنے تعامل سے اختیار کر لیا ہو، تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں وہ اب شاذ ہونے کی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے جہاں تک امام ابو یوسف کے مذکورہ قول کا تعلق ہے اسمیں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو بلکہ ان وقوف کیمطابق وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو، اس صورت میں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں کیونکہ امت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ انھوں نے ان اوقاف کو مطلقاً بدعت کہا ہو اس صورت میں چونکہ امت کا تعامل اسکے خلاف ہو گیا اس لئے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہوگا جو متروک ہو چکے ہیں لہٰذا تعامل امت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبد الشکور الجواب صحیح الجواب صحیح

دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴ محمد تقی عثمانی ۲۹ ذی قعدہ سنہ ۹۶ھ رشید احمد یوم الترویۃ سنہ ۹۶ھ

سنت ونفل کی سب رکعات میں سورت ملانا واجب ہے:

سوال: سنت اور نوافل میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورت ملانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ رمضان سنہ ۹۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الارشاد
الی
مخرج الضاد

لفظ ضاد کی تحقیق

سوال: لفظ ضاد کو ڈواد پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور یہ ظاء سے مشابہت رکھتا ہے یا دال سے یا ڈال سے؟ بینوا بالدلیل اجرکم اللہ الجلیل

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ ڈال عربی زبان کا حرف نہیں۔ ضاد کی مشابہت دال یا ڈال سے بالکل نہیں۔ کیونکہ ضاد حروف رخوہ میں سے ہے جن میں جریان صوت لازم ہے اور دال حروف شدیدہ سے ہے جن میں جریان صوت ممکن ہی نہیں۔ دنیا بھر میں کوئی شخص بھی ضاد کو دال سے مشابہت دیکر اس میں جریان صوت نہیں کرسکتا، علم تجوید کے اصول کے مطابق یہی ایک دلیل کافی ہے جس کا جواب قیام قیامت تک ممکن نہیں۔ اس اصولی دلیل کے بعد دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کسی میں طاقت ہے تو دال میں جریان صوت کرکے دکھائے ودونہ خرط القتاد۔

اس کے باوجود چند ایسے دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ضاد کو ظاء سے مشابہت ہے۔

① علم تجوید کی بعض کتب میں ہے۔ لولا الاستطالة لکانت الضاد عین الظاء

② فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد اور ظاء میں اسقدر شدید مشابہت ہے کہ ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ قال فی الخانیة وان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاته عند الکل وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ فیه قال اکثرهم لا تفسد صلاته۔

(خانیہ علی ہامش العالمگیریہ ص۱۴۲ ج۱)

وفی شرح التنویر الا بشق تمییزه کالضاد والظاء فاکثرهم لم یفسدها (رد المحتار ص[illegible] ج۱)

③ صاحب اتقان ودیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ "وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة" میں صنعت تجنیس ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہوں۔

④ ضاد اور ظاء میں فرق مشکل ہونے کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ ان میں فرق کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ جزری میں ایسے الفاظ جن میں ضاد اور ظاء ہیں جمع کرکے فرق کرنے کی تاکید کی ہے۔ مقامات میں بھی اس قسم کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔ امام غزالی کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ فرق

درمیان ضاد وظاء بجا آورد اگر نتواند زود باشد از احیاء العلوم میں ہے اور جمع فی الفرق بین الضاد والظاء۔

⑤ قرآن مجید میں اختلاف قراءت کی وجہ سے اگر ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھا جاتا ہے تو عموماً یہ دونوں حرف متشابہ الصوت ہوتے ہیں۔ مثلاً اھدنا الصراط المستقیم میں صاد کی بجائے سین کی قراءت بھی ہے۔ ایسے ہی وما ھو علی الغیب بضنین میں ظاء کی قراءت بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہیں۔

⑥ کلام عرب میں ایسے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ ان میں ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے معنی نہیں بدلتے۔ قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد جمع بعضھم الالفاظ التی لا یختلف معناھا ضاداً وظاءً فی رسالة صغیرة ولعل الحسن بذلک فاعرسیم فانہ مھم (روح المعانی ص ۳ ج ۳۰)

⑦ متقدمین کے ہاں ضاد اور ظاء کا رسم الخط بھی تقریباً ایک ہی جیسا تھا کما نقل الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی عبیدة ان الظاء والضاد فی الخط القدیم لا یختلفان الا بزیادة رأس احداھما علی الاخری زیادة یسیرة قد تشتبہ (روح المعانی ص ۳ ج ۳۰)

⑧ اردو، سندھی، فارسی، پنجابی، انگریزی غرضیکہ دنیا کی ہر زبان میں ضاد کو ظاء سے مشابہ بلکہ عین ظاء پڑھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۲ صفر سنہ ۴۲ ہجری

سوال مثل بالا:

سوال: لفظ ضاد ظاء سے مشابہ ہے یا دال سے۔ مولوی ... . نے ایک تحریر میں لکھا ہے کہ ضاد کی مشابہت ظاء سے نہیں، مدلل بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ضاد کی مشابہت ظاء سے ہے۔ کتب صرف، تجوید، تفسیر، فقہ اور فتاویٰ سب اس پر متفق ہیں، بعض کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شافیہ (۲) رضی (۳) جاربردی (۴) فصول اکبری (۵) جزریہ (۶) شروح جزریہ (۷) منح (۸) نشر (۹) طیبة النشر (۱۰) تمہید (۱۱) رشحۂ فیض (۱۲) شاطبیہ (۱۳) شرح قصیدہ ضادیہ (۱۴) جہد المقل (۱۵) ضمیمۂ جہد (۱۶) رعایہ (۱۷) تفسیر کبیر (۱۸) اتقان (۱۹) کشاف (۲۰) جزری (۲۱) حسینی (۲۲) بیضاوی (۲۳) حاشیۂ بیضاوی (۲۴) تفسیر المنار (۲۵) روح المعانی (۲۶) برہان (۲۷) تحقیق (۲۸) خلاصة الفتاوی

(۲۹) خزانۃ المفتیین (۳۰) خزانۃ الاکمل (۳۱) ظہیریہ (۳۲) فتاوی نقشبندیہ (۳۳) عتابیہ
(۳۴) تاتارخانیہ (۳۵) خزانۃ الروایات (۳۶) رسائل الارکان (۳۷) تہذیب (۳۸) جامع الروایات
(۳۹) مفتاح الصلوٰۃ (۴۰) محاسن الحمل (۴۱) البیان الجلیل (۴۲) احیاء العلوم (۴۳) کیمیائے سعادت
(۴۴) زاد الآخرۃ (۴۵) فتاوی برہنہ (۴۶) مختار الفتاوی (۴۷) سمرقندی (۴۸) مجموعہ سلطانی
(۴۹) نہایۃ المراد (۵۰) میزان (۵۱) حریرت السبار (۵۲) وجیز کردری (۵۳) رسالہ نجم الدین
(۵۴) ذخیرہ (۵۵) منیہ (۵۶) کبیری (۵۷) بزازیہ (۵۸) خانیہ (۵۹) عالمگیریہ (۶۰) جوہرہ
(۶۱) فتح القدیر (۶۲) درمختار (۶۳) طحطاوی (۶۴) ردالمحتار

چند روز ہوئے میرے پاس ایک صاحب مولوی .... کا فتوی لائے تھے جس میں جس قدر عبارات ہیں وہ سب ہمارے مسلک کی مؤید ہیں۔

ص۱ پر تفسیر السراج المنیر کی عبارت ہے کہ ضاد اور ظاء میں فرق کرنے کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ اگر ان دونوں حرفوں میں تشابہ نہیں تو فرق کرنے کے لئے محنت کی کیا ضرورت؟
اسی عبارت کے آخر میں ہے۔ فان اکثر العجم لا یفرقون بین الحرفین۔ اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ہے ان اکثر الناس خصوصا العجم لا سیما فی الزمان الاول لا یقدرون الفرق بینھما
(مجموعۃ الفتاوی ص۲۲۲ ج۱)
اس سے ثابت ہوا کہ سلف ضاد کو ظاء پڑھتے تھے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلاف دال پڑھتے آئے ہیں غلط ہے۔
اس کے بعد جزریہ کی عبارت پیش کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ ضاد اور ظاء میں تمیز ضروری ہے یہ بھی تشابہ کو مستلزم ہے۔
ص۲ پر شامیہ کی عبارت ہے کہ ضاد ضعیفہ قبیح ہے۔ سو ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔
ازاں بعد شرح فقہ اکبر اور جامع الفصولین کی عبارات سے ثابت کیا ہے کہ ضاد کو قصداً پڑھنا جائز نہیں اور عمداً پڑھنا کفر ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ بالقصد پڑھنا جائز نہیں۔
ص۳ پر ردالمحتار کی عبارت ہے ان جری علی لسانہ ولا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار حلیۃ وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار۔ اور کتاب الاذکار للنووی کی عبارت ہے ولو قال المغضوب والضالین بالظاء بطلت صلوتہ علی ارجح الوجھین الا ان یعجز عن الضاد بعد التعلم فیعذر۔
ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ضاد کے حقیقی مخرج پر عدم قدرت کی وجہ سے ضاد کی جگہ

نماز پڑھنا جائز ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

غرضیکہ تحریر مذکور من اولہ الی آخرہ ہماری مؤید ہے اس میں ضاد کی بجائے دال پڑھنے کے بارہ میں ایک جزئیہ بھی نہیں۔ بوقت عذر ظاء پڑھنے کے بارے میں علماء کی عبارتیں ہیں، محرر نے ان عبارتوں کو تشابہ بالظاء کی تردید اور تشابہ بالدال کی تائید میں پیش کیا ہے مگر حقیقت برعکس ہے ؎

وكم من عائب قولاً صحيحاً وآفته من الفهم السقيم

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۳ شوال سنہ ۹۳ ہجری

سوال مثل بالا:

سوال (۱) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی شامیہ کا حوالہ دیکر حالانکہ متشابہ حروف میں سے ایک کو دوسرے کی بجائے پڑھنے سے باوجود تغیر معنی کے نماز کا عدم فساد متأخرین کا مذہب ہے اور شامیہ نے مذہب متقدمین کو ترجیح دی ہے اور اسی کو لکھا ہے۔

(۲) اگر فساد و عدم فساد کی بناء تشابہ حروف و عدم تشابہ پر رکھی جائے تو غیر المغظوب پڑھنے سے عدم فساد اور ولا الظالین پڑھنے سے فساد کا حکم ہونا چاہئے تھا، حالانکہ کبیری وغیرہ میں حکم برعکس لکھا ہے۔

(۳) ضاد کو علی الاطلاق ظاء پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح عبارت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں کیونکہ بعض قراء کو جب کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظاء سنائی دیتا ہے۔ یہ عجیب توجیہ ہے۔ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شرح منیہ سے ضابطۂ فساد صلوٰۃ یوں نقل فرماتے ہیں:

ان الخطأ اما في الاعراب اي الحركات والسكون ويدخل فيه تخفيف المشدد وقصر الممدود وعكسهما او في الحروف بوضع حرف مكان آخر او زيادته او نقصه او تقديمه او تأخيره او في الكلمات او في الجمل كذلك او في الوقف ومقابله،

والقاعدة عند المتقدمين ان ما غير المعنى تغييرا يكون اعتقاده كفرا يفسد في جميع ذلك سواء كان في القرآن اولا الا ما كان من تبديل الجمل مفصولا بوقف تام وان لم يكن التغيير كذلك فان لم يكن مثله في القرآن والمعنى بعيد متغير تغيرا فاحشا يفسد

ایضاً کهذه الغبار مکان هذه الغراب وکذا اذا لم یکن مثله فی القرآن ولا معنی له کالسرائل باللام مکان السرائر وان کان مثله فی القرآن والمعنی بعید ولم یکن متغیراً فاحشاً تفسد ایضاً عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وهو الاحوط وقال بعض المشایخ لا تفسد لعموم البلوی وهو قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ وان لم یکن مثله فی القرآن ولکن لم یتغیر به المعنی نحو قیامین مکان قوامین فالخلاف علی العکس فالمعتبر فی عدم الفساد عند عدم تغیر المعنی کثیراً وجود المثل فی القرآن عنده والموافقة فی المعنی عندهما فهذه قواعد الائمة المتقدمین

واما المتأخرون کابن مقاتل وابن سلام واسمٰعیل الزاهد وابی بکر البلخی والهندوانی وابن الفضل والحلوانی فاتفقوا علی ان الخطأ فی الاعراب لا یفسد مطلقاً ولو کان اعتقاده کفراً لان اکثر الناس لا یمیزون بین وجوه الاعراب قال قاضیخان وما قاله المتأخرون اوسع وما قاله المتقدمون احوط وان کان الخطأ بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینهما بلا کلفة کالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مکان الصالحات فاتفقوا علی انه مفسد وان لم یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی وبعضهم یعتبر عسر الفصل بین الحرفین وعدمه وبعضهم قرب المخرج وعدمه ولکن الفروع غیر منضبطة علی شیء من ذلک فالاولی الاخذ فیه بقول المتقدمین لانضباط قواعدهم وکون قولهم احوط واکثر الفروع المذکورة فی الفتاوی منزلة علیه اهـ ونحوه فی الفتح وسیأتی تمامه (رد المحتار ص [illegible] ج ۱)

ثم قال فی شرح (قوله الا ما یشق الخ) قال فی الخانیة والخلاصة الاصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد والا یمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال اکثرهم لا تفسد اهـ وفی خزانة الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانه او لا یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیة وفی البزازیة وهو اعدل الاقاویل وهو المختار اهـ وفی التتارخانیة عن الحاوی حکی عن الصفار انه کان یقول الخطأ اذا دخل فی الحروف لا یفسد لان فیه بلوی عامة الناس لانهم لا یقیمون الحروف الا بمشقة اهـ وفیها اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربه الا ان فیه بلوی العامة کالذال مکان الصاد او الزاء المحض مکان الذال والظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشایخ اهـ قلت فینبغی علی هذا عدم الفساد

في ابدال الثاء سيناً والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا فانهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جداً كالذال مع الزاي ولا سيما على قول القاضي ابي عاصم وقول الصفار وهذا كله قول المتأخرين وقد علمت انه اوسع وان قول المتقدمين احوط قال في شرح المنية وهو الذي صححه المحققون وفرعوا عليه فاعمل بما تختار والاحتياط اولى سيما في امر الصلوة التي هي اول ما يحاسب العبد عليها (رد المحتار ص۵۹۲ ج۱)

ضابطۂ متقدمین :

متقدمین کے ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر معنی میں ایسا تغیر واقع ہو جسکا اعتقاد کفر ہے تو یہ ہر کیف بالاتفاق مفسد ہے، اور اگر تغیر حد کفر تک نہیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وجود المثل فی القرآن وعدمہ پر مدار ہے اور طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع التغیر البعید فی المعنی وعدمہ پر، وهو الراجح۔

متقدمین کا یہ ضابطہ مطلق ہے جو بظاہر تبدیل حروف متشابہۃ الصوت کو بھی شامل ہے مگر حروف متشابہہ کے بارے میں متقدمین سے کوئی نص نہیں، بعض عبارات میں تبدیل الضاد بالظاء کا بوقت تغیر معنی مفسد ہونا طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً روح المعانی میں ہے: واختلفوا في تبديل احد الحرفين بالآخر هل يلحقه ويفسد به الصلوة ام لا، فقيل تفسد قياساً ونقله في المحيط البرهاني عن عامة المشائخ ونقله في الخلاصة عن ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى

(روح المعانی ص۱۱ ج۱)

اسی طرح خانیہ وغیرہ میں مغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھنا بنا بر مذہب متقدمین مفسد قرار دیا ہے۔ ان عبارات سے یہ مقصد نہیں کہ اسکا مفسد ہونا متقدمین سے منصوص ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ضابطہ متقدمین کی بنا پر یہ صورت مفسد ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ خانیہ سے فروع مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: هذا ما ذكره قاضيخان من ابدال هذه الاحرف المتقاربة بعضها من بعض وكله تخريج على قواعد المتقدمين (کبیری ص۴۴۴)

غرضیکہ حروف متشابہہ کی تبدیل کا حکم متقدمین سے منصوص نہیں، جب متاخرین نے یہ غور کیا کہ متقدمین کا قاعدہ حروف متشابہہ کو بھی شامل ہے یا نہیں تو متاخرین کا اسمیں اختلاف ہوا، بعض نے ضابطہ متقدمین کو عام قرار دیا اور اکثر نے حروف متشابہہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا، اور یہی راجح ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قیاساً فساد صلوٰۃ کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وقیل لا استحساناً ونقله فیهما عن عامة المشایخ کابی مطیع البلخی ومحمد بن سلمة وقال بعضهم انه اذا امکن الفرق بینهما فتعمد ذلک وکان مثله لا یوجد بدل اهتداء وغیر المعنی فسدت صلاته والا فلا لعسر التمییز بینهما خصوصاً علی العجم وقد امر کثیر منهم فی الصدر الاول ولم ینقل حثهم علی الفرق وتعلیمه من الصحابة رضی الله تعالی عنهم ولو کان لازماً لفعلوه ونقل وهذا هو الذی ینبغی ان یعول علیه ویفتی به (روح المعانی ص ۱۷ ج ۳۰)

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تفسیر کبیر میں ہے "فثبت بما ذکرنا ان المشابهة بین الظاء والضاد شدیدة وان التمییز عسیر واذا ثبت هذا فنقول لو کان هذا الفرق معتبراً لوقع السؤال عنه فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی ازمنة الصحابة رضی الله تعالی عنهم لا سیما عند دخول العجم فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السؤال عن هذه المسألة علمنا ان التمییز بین هذین الحرفین لیس فی محل التکلیف" اور بیضاوی شریف کے حاشیہ پر ہے "ان الاکثرین من خصوصاً العجم کانوا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرق بینهما" اور محمد بن محمد الجزری تمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں "فمنهم من یجعلها ظاء (الی قوله) وهم اکثر الشامیین وبعض اهل المشارق" اور شیخ جمال حنفی مکی کے فتوی میں ہے کہ ضاد کو ظا پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے، اور حاشیہ جمالین میں مسطور ہے "فمنهم من یجعلها ظاء وهذا البین العجب"

(مجموعۃ الفتاوی ص ۲۳۷ ج ۲)

متقدمین کے زمانہ میں ضاد اور ظا کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا، کما نقل العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قول ابی عبیدة بان الظاء والضاد فی الخط لا یختلفان الا بزیادة راس احدهما علی الاخری زیادة یسیرة قد تشتبه (روح المعانی ص ۷۸ ج ۳۰)

عبارات بالا سے ثابت ہوا کہ متقدمین حروف متشابہہ کے فرق کا اہتمام نہ کرتے تھے ورنہ ایسے سوالات ضرور منقول ہوتے، متقدمین جب ضاد اور ظا میں فرق کے اہتمام ہی کو واجب نہیں سمجھتے تو تبدیل سے فساد صلوٰۃ کو حکم متقدمین کی طرف منسوب کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ تک بھی عوام الناس ضاد اور ظا میں فرق نہ کرتے تھے، چنانچہ مجموعۃ الفتاوی ج ۲ میں ایک سوال بایں الفاظ منقول ہے "اس زمانہ میں اکثر لوگ ضاد کو مشابہ ذ اور ز کے پڑھتے ہیں" علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحوالہ علامہ صدر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حکم فساد نقل کیا ہے اگر اس کا منصوص ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے عمد پر محمول کیا جائے گا کہ ان میں قصد

ادئی میں فرق کرنے کا اہتمام نہ تھا حتیٰ کہ دونوں کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا کما تقدم ، اگر ایک حرف کی جگہ عمداً دوسرا پڑھنے کا قوی منشأ تھا اس کے پیشِ نظر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمداً تبدیل کو مفسد فرمایا ، اس پر مزید قرینہ یہ بھی ہے کہ خلاصہ کی عبارت مذکورہ میں تغیرِ معنی کا ذکر نہیں ، پس بدون تغیرِ معنی کے تبدیل وہی مفسد ہو سکتی ہے جو عمداً ہو ،

غرضیکہ متقدمین کے ضابطہ سے حروفِ متشابہہ بالخصوص ضاد و ظاء مستثنیٰ ہیں ۔ الاول فی العمد

قال في البزازية ان تغير المعنى وليس مثله في القرآن فسد ولا عبرة لقرب المخرج ولا بالعسرة لانه تغير المعنى عندهما ولوجود المثل في القرآن عنده والاصل فيه انه ان امكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مكان الصالحات فسد عند الكل وان لم يمكن الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء قال اكثرهم لا يفسد لعموم البلوى وبعضهم يفسد ان تغير المعنى وقال القاضي ابو الحسن والقاضي ابو عاصم ان تعمد فسد وان جرى على لسانه او كان لا يعرف التميز لا يفسد وهو اعدل الاقاويل وهو المختار

(بزازیہ علی هامش العالمگیریۃ ص ۲۲ ج ۴)

اس عبارت میں پہلے ضابطہ متقدمین کا بیان ہے پھر والاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفۃ الخ سے اس ضابطہ کی توضیح ہے ۔

(۲) کبیری کا جزئیہ ،

قال في الخانية لو قرأ غير المغضوب بالظاء او بالذال تفسد صلوته ولو قرأ ولا الضالين بالظاء او بالذال لا تفسد صلوته ولو قرأ ولا الدالين بالدال تفسد صلوته (خانیہ علی هامش العالمگیریۃ ص ۱۳۰ ج ۱)

وفي شرح المنية غير المغضوب بالظاء او الذال المعجمتين تفسد اذ ليس لهما معنى هنا ولا الضالين بالظاء المعجمة والدال المهملة لا تفسد لوجود لفظها في القرآن وقرب المعنى لصحة تقابل ولا الظالين اي المستمرين في الضلال ولا الدالين اي الغافلين على ما يكون من رجال الآية ولو قرأه بالذال المعجمة تفسد لبعد معناه لانه اسم فاعل من الذلة اذا وضع حذفها على الجوهرة لتحمل وليس من الذلة اذ لم يستعمل الوصف منها على ذلك بل على ذليل (کبیری ص ۴۴۳)

خانیہ کی عبارت کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ کبیری میں خانیہ سے نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے ، خانیہ میں ذال کو غیر مفسد اور دال کو مفسد قرار دیا ہے اور کبیری میں عکس ہو گیا ہے ، کبیری کا یہ مضمون خانیہ سے لی گئی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں وهذا الفصل وهو ابدال احد هذه الاحرف الثلاثة معنى

الضاد والظاء والذال من غیرہ فلنورد ما ذکرہ فی فتاویٰ قاضیخان من ھذا القبیل، پھر جزئیات مذکورہ بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں ھذا ما ذکرہ قاضیخان من ابدال ھذہ الاحرف الثلاثۃ بعضھا من بعض وکلہ تحریم علی قواعد المتقدمین (کبیری ص۴۵۴)

کبیری کے سوا اور کسی کتاب میں بھی والین کا غیر مفسد ہونا مذکور نہیں، کبیری میں عدم فساد کی جو تاویل بیان کی گئی ہے وہ بھی بہت بعید ہے کما لا یخفی، نیز ضابطۂ متقدمین کے مطابق والین کا غیر مفسد ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ضابطۂ متقدمین غیر عمد کی صورت میں ہے اور آجکل لوگ عمداً دال پڑھتے ہیں اس لئے عدم تغیر معنی کے باوجود دال پڑھنا مفسد ہوا۔

المغضوب میں ظاء یا ذال پڑھنے کو متقدمین کے ضابطہ کے تحت مفسد قرار دینے کا جواب اوپر گزر چکا ہے، یعنی حروف متشابہہ کی تبدیل ضابطۂ متقدمین سے خارج ہے۔

ضابطۂ متأخرین،

متأخرین کے ہاں اعراب کی تبدیل مفسد نہیں اگرچہ اسکا اعتقاد کفر ہو حروف متشابہہ کی تبدیل بھی مفسد نہیں، حروف متشابہہ سے متعلق متأخرین کا یہ فیصلہ ضابطۂ متقدمین کے خلاف نہیں بلکہ اس کی توضیح ہے، کما قدمنا،

بعض متأخرین نے حروف متقاربۃ المخرج کی تبدیل کو بھی غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض نے عموم بلویٰ کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاضی ابوالعاصم کا قول "ان تعمد ذلک تفسد وان جریٰ علی لسانہ اولا یعرف التمیز لا تفسد" نقل کر کے اس کے بارے میں حلیہ سے "وھو المختار" اور بزازیہ سے "وھو اعدل الاقاویل وھو المختار" نقل کیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل قول ہے مگر بندہ کے خیال میں قاضی ابوالعاصم کا قول متأخرین کے قول کی توضیح ہے کیونکہ یہ بہت بعید ہے کہ کوئی فقیہ عمداً تبدیل حروف کو بھی مفسد قرار نہ دے۔

ضاد کو دال پڑھنا،

ضاد اور دال میں نہ تشابہ صوت اور عسر تمیز ہے اور نہ قرب مخرج، اگر کوئی ضاد کے صحیح تلفظ پر قادر نہیں تو اس سے متشابہ ظاء پڑھ سکتا ہے، لہٰذا ان قواعد کے تحت ضاد کو دال پڑھنا مفسد ہوگا البتہ تیسرے قاعدہ "عموم بلویٰ" کے تحت یہ مسئلہ قابل غور ہے، عبارات مذکورہ میں عموم بلویٰ کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سب میں حروف متشابہۃ الصوت ہی کو

ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاف کو ہمزہ پڑھنے کی مثال بھی ذکر فرمائی ہے۔
بہر کیف بظاہر عموم بلوی کا قاعدہ سب حروف کو عام ہے اور مسئلہ زیر بحث میں عموم بلوی ظاہر ہے
اگرچہ مخرج سے عاجز ضاد کو ظاء پڑھ سکتا ہے مگر غلبۂ جہل کی وجہ سے عوام کی کثیر تعداد اس غلط فہمی
میں مبتلا ہے کہ ضاد کا تلفظ دال مفخم کی طرح ہے اور وہ دال مفخم پڑھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ انھوں نے وہی
لفظ ادا کیا ہے جو قرآن میں ہے، اس لئے ان کی نماز کو صحیح قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کما مرّ
من قولہ لان العامۃ لا یعرفون التمییز لا تفسد، وقال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ روی
عن محمد بن سلمۃ انھا لا تفسد لان العجم لا یمیزون بین ہذہ الحروف (الضاد والظاء والذال)
وکان القاضی الامام الشہید المحسن یقول الاحسن فیہ ای فی الجواب فی ہذہ الابدال المذکورۃ
ان یقول المفتی ان جری ذلک علی لسانہ ولم یکن ممیزا بین بعض ہذہ الحروف وبعض وان
کان فی زعمہ انہ ادی الکلمۃ علی وجہہا لا تفسد صلوتہ وکذا ای مثل ما ذکر المحسن روی عن محمد
ابن مقاتل وعن الشیخ الامام اسمعیل الزاہد وہذا معنی ما ذکر فی فتاوی الحجۃ انہ یفتی فی
حق الفقہاء باعادۃ الصلوۃ وفی حق العوام بالجواز کقول محمد بن سلمۃ اختیارا للاحتیاط فی
موضعہ والرخصۃ فی موضعہا (کبیری ص۴۳۸)

یہ عبارات بھی اگرچہ حروف ثلاثہ (ضاد، ظاء، ذال) سے متعلق ہیں مگر تعلیل "لا یعرفون التمییز
وکان فی زعمہ انہ ادی الکلمۃ علی وجہہا" عام ہے البتہ ڈال مفخم پڑھنے کی صورت میں صحت صلوۃ
کے قول کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ ڈال عربی حرف نہیں،

صحیح تلفظ سے عاجز کے لئے بذل جہد کا حکم:

متقدمین کے ہاں جو شخص کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو اس پر تصحیح کی کوشش میں
لگا رہنا فرض ہے، جب تک صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو اسوقت تک اگر صحیح پڑھنے والے کی اقتداء پر قادر
ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھے ورنہ غلط تلفظ کے باوجود اس کی نماز ہو جائے گی، اور اگر تصحیح کی کوشش
چھوڑ دی یا صحیح پڑھنے والے کی اقتداء پر قدرت کے باوجود منفرداً نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگی،
قال فی العلائیۃ وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جہدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الا
مثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جہدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ
فیہ ہذا ہو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او
وفی الشامیۃ (قولہ دائما) ای فی آناء اللیل واطراف النہار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر

عليه فصلاته جائزة وإن قرأ بغيره فصلاته فاسدة كما في المحيط وغيره اهـ (قوله حتما) أي بلا أمثالها فهو مفروض عليه (قوله وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف) عطفه على ما قبله بناء على أن للألثغ خاصة بالسين ولو أنه كما العلوم مما مر عن المغرب وذلك كالرحمن الرحيم والشيطان الرجيم والآلمين وإياك نابد وإياك نستئين، السرات، أنأمت فكل ذلك حكمه ما مر من بذل الجهد دائما وإلا فلا تصح الصلاة به (رد المحتار ص … ج …)

وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى وذكر في فتاوى الحجة ما يوافق قول صاحب المحيط فإنه قال ما يجري على ألسنة العامة ولا الأرقاء والحقراء أكثرهم من أول الصلاة إلى آخرها كالشيطان والآلمين وإياك نابد وإياك نستئين، السرات، أنأمت فمن جواب الفتاوى الحمادية مادام في التصحيح والتعلم والاصلاح بالليل والنهار ولا يطاوعهم لسانهم جازت صلاتهم كسائر الشروط إذا عجز عنها من الوضوء وتطهير الثوب والقيام والقراءة والركوع والسجود والقعود والتوجه إذا حصل العجز عنها فكذا هذا أما إذا تركوا التصحيح والجهد فسدت صلاتهم كما إذا تركوا سائر الشروط (كبيري ص …)

ان عبارات کی بنا پر ضاد کو دال پڑھنے والے کی نماز صحیح نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ضاد کے مخرج کی تصحیح کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسے ظاء پڑھے اور اس پر ہر شخص قادر ہے، مگر متأخرین کے ہاں عموم بلوی سے متعلق جو عبارات گزری ہیں ان میں عموم بلوی کی صورتوں میں صحت صلوٰۃ کے لئے بذل جہد کی شرط نہیں، لہٰذا متأخرین کے اس قاعدہ کے تحت اگر کوئی ضاد کے صحیح مخرج پر قادر نہیں اور وہ تصحیح کی کوشش بھی نہیں کرتا مگر وہ اپنے زعم میں ضاد کا صحیح تلفظ دال مفخم کی طرح ہی سمجھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی کما قدمنا۔

ضاد کو دال پڑھنے والے کی اقتداء

قال في شرح التنوير ولا غير الألثغ بالألثغ على الأصح كما في البحر عن المجتبى وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي فلا يؤم إلا مثله (إلى قوله) هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف، وفي الشامية (قوله على الأصح) أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة لأن ما يقوله صار لغة له ومثله في التاتارخانية وفي الظهيرية وإمامة الألثغ لغيره تجوز وقيل لا ومثله في الخانية عن الفضلي وظاهره اعتماده الصحة لكن اعتمد صاحب الحلية

قال لما اطلقہ غیر واحد من المشایخ من انہ ینبغی لہ ان لا یؤم غیرہ ولما فی خزانۃ الاکمل وتکرہ امامۃ الفأفاء والتمتام ولکن الاحوط عدم الصحۃ کما مشی علیہ المصنف ونظمہ فی منظومۃ تحفۃ الاقران وافتی بہ الخیر الرملی وقال فی فتاواہ الراجح المفتی بہ عدم صحۃ امامۃ الالثغ لغیرہ ممن لیس بہ لثغۃ (رد المحتار ص ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ صحیح و احوط تو یہی ہے کہ الثغ سے غیر الثغ کی اقتدا صحیح نہیں مگر ایک قول صحت کا بھی ہے، غلبۂ جہل کی وجہ سے ضاد کو دال مفخم پڑھنے والے کو بھی الثغ پر قیاس کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس سے دال خواں کی اقتدا تو بہر حال جائز ہے اور جو شخص اس جہالت میں مبتلا نہیں وہ دال خواں کی اقتدا نہ کرے، البتہ موقع ابتلاء میں دال خواں کے پیچھے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے مگر اعادہ احوط ہے۔ یہ حکم جہل مرکب میں مبتلا دال خواں کا ہے، اگر احقر عفا اللہ عنہ کے مطابق عناداً یا لوگوں کے خوف سے دال پڑھتا ہے تو نہ اس کی اپنی نماز ہوگی اور نہ ہی مقتدیوں کی۔

(۳) ضاد کو علی الاطلاق ظاء پڑھنے کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں، البتہ جو شخص ضاد کے مخرج پر قادر نہ ہو سکے اس کے لئے ظاء پڑھنے کی اجازت ہے۔ قادر علی المخرج کو عمداً ظاء پڑھنا جائز نہیں۔ خطاءً پڑھا تو نماز ہو جائے گی۔ کیمیائے سعادت میں ہے، فرق درمیان ضاد و ظاء بجا آورد اگر نتواند روا باشد۔ وفی الشامیۃ عن خزانۃ الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانہ او لا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار حلیۃ وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار (رد المحتار ص ۴۲۱ ج ۱)

باقی رہا یہ سوال کہ بعض قراء کہتے ہیں کہ ہم ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظاء سنائی دیتا ہے سو اس میں اولاً یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ضاد اور ظاء کے سماع اور صوت میں فرق بہت دشوار اور نہایت متعسر ہے۔ قال فی التفسیر الکبیر ان المشابھۃ بین الظاء والضاد شدیدۃ وان التمییز عسیر وفی جھد المقل الضاد والظاء والذال المعجمات الکل متشارکۃ فی الجہر والرخاوۃ ومتشابھۃ فی السمع وایضاً فیہ ویشبہ صوتھا (الضاد) صوت الظاء المعجمۃ بالضرورۃ وفی شرح الشاطبیۃ ان ھذہ الثلاثۃ متشابھۃ فی السمع وایضاً فی جھد المقل لثبوت التشابہ وعسر التمییز بینھما (مجموعۃ الفتاوی ص ج ۲)

وفی الھندیۃ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء والضاد ... ھکذا فی شرح التنویر والشامیۃ والخانیۃ وفتح القدیر والنھر الفائق وخزانۃ المفتین وخلاصۃ

الفتاوی وغیرہا۔ غرضیکہ جب ان میں فرق متعسر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فرق وہی سمجھ سکے گا جو اس فن میں مہارتِ تامہ رکھتا ہو۔ سین، ثاء اور ذال، زاء کے سماع اور صوت میں بخوبی فرق سمجھتا ہو، بلکہ ضاد اور ظاء میں فرق کا سمجھنا سین اور ثاء یا ذال اور زاء میں فرق سمجھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کما ھو ظاھر وثابت بالادلۃ المذکورۃ، لہٰذا یہ امر کوئی باعثِ تعجب نہیں کہ قاری فرق کر رہا ہو اور غیر ماہر فی الفن کو سننے میں کچھ فرق معلوم نہ ہو رہا ہو اور اگر سامع ماہر فی الفن ہونے کے باوجود فرق نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا کہ قاری قادر علی مخرج الضاد نہیں، اگرچہ مدعی قدرت کا ہو، اور غیر قادر کو ظاء پڑھنے کی اجازت ہے۔ البتہ اگر سامع ماہر فی الفن ہے اور سامع کو یہ بھی یقین ہے کہ قاری ضاد کے اصل مخرج پر قادر ہے مگر عمداً باوجود قدرت علی المخرج کے محض عناداً ظاء پڑھتا ہے تو ایسے قاری کی نماز واقعۃً فاسد ہوگی مگر ایسے شخص کا وجود دنیا میں مشکل ہے جو کہ قدرت علی المخرج کے باوجود ضاد اور ظاء میں فرق سمجھتے ہوئے بھی عمداً ظاء پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

غرۂ جمادی الاولیٰ سنہ ۷۷ھ یوم الجمعۃ

سوال مثل بالا :

سوال: لفظ ضاد مشابہت دال سے رکھتا ہے یا کہ ظاء سے مفصلاً تحریر فرمائیں۔ مشہور ہے کہ علماءِ حجاز دال پڑھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس سے متعلق عنقریب بعض علماء حجاز کی طرف سے چند فتاوی موصول ہوئے ہیں، اس وقت انہی کی نقل پر اکتفاء کرتا ہوں۔ ہر فتوی کا صرف ضروری اور بقدرِ کفایت حصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدینہ منورہ تحریر فرماتے ہیں :

شرح قصیدہ امنیہ میں ہے، فلذلک اشتد شبہتہ وعسر التمییز واحتاج القاری فی ذلک الی الریاضۃ لانفصال بین مخرجہا وفصحاء العرب یتلفظون بہا بحیث یشبہ صوتہا صوت الظاء کما فی الجلد الاول من تفسیر المنار للشیخ محمد عبدہ مفتی مصر انا نجد اعراب الشام وما حولہا ینطقون بالضاد فیحسبہا السامع ظاء لشدۃ قربہا منہا وشبہہا بہا وھذا ھو المحفوظ عن فصحاء العرب الاولین۔

اس حرف میں اختلاف کی ابتدا اس وقت ہوئی جب عرب میں ممالکِ مختلفہ کی لونڈیاں آئیں ان

عہ آئندہ سوال کے جواب میں شرح قصیدہ امنیہ کی عبارت آرہی ہے کہ فصحاء عرب کے تلفظ ضاد کو سامع ظاء سمجھتا ہے ۱۲ منہ

سے اولاد ہوئی تو اس حرف کی صحت میں خلل پیدا ہونا شروع ہوا۔ انھا فی لغة قوم لیس فی لغتھم ضاد فاذا احتاجوا الی التکلم بھا فی العربیة اعتاصت علیھم فربما اخرجوھا ظاء لاخراجھم ایاھا من طرف اللسان واطراف الثنایا وربما تکلفوا اخراجھا من مخرج الضاد فلم یتأت لھم فخرجت بین الضاد والظاء (شرح الشافیة)

مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری فرماتے ہیں:

خواندن دال مہملہ یا زاء بجائے ضاد نہ بدعتے ست امروزے اہل ہند بلکہ بعض اہل عرب نیز از پیشتر دریں بلا مبتلا بودہ اند۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

من یخرجه دالا مھملة ومن یخرجه لاما مفخمة ومن یخرجه طاء مھملة کالمصریین او

اس رسالہ پر علماء حرمین کی تقاریظ بھی ہیں۔ یہاں دو تین مصری قاری آئے تھے انھوں نے قراءت میں ضاد نہایت صحیح پڑھا۔ اکثر عرب مخرج صحیح سے نکالتے ہیں مگر صفت رخاوۃ ناقص کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے دال شدیدہ کی طرح مسموع ہوتا ہے۔

قاری عبد الرحمن صاحب الہ آبادی استاد الکل جو اپنے بڑے بھائی قاری عبد اللہ صاحب کے ہمراہ سالہا سال تک مدرسہ صولتیہ میں عربوں کے بھی استاد رہے ہیں رسالہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ضاد میں جو رخاوت پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہوتی ہو یہ لحن خفی ہے انتھی تحریر السندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حسن بن ابراہیم الشاعر کا فتویٰ:

اقول وانا الفقیر الی رحمة ربه القدیر حسن بن ابراھیم المدرس بالحرم النبوی ان نھایة القول فی الضاد ھو انھا اقرب الی الظاء فقط کما فی الرعایة وجھد المقل وغیرھما واما کون الضاد شبیھة بالدال او الغین فما سمعنا به قط ولا وجد فی کتاب فمن صلی خلف امام یعتقد ذلک فصلاتھا باطلة واللہ علی ما نقول وکیل

کتبه بیدہ راجی عفو ربه القادر

حسن بن ابراھیم الشاعر المدرس بالحرم النبوی بالمدینة المنورة

صاحب موصوف کا دوسرا فتویٰ:

اعلم وفقنی اللہ تعالیٰ وایاك للصواب قال الجزری رحمه اللہ تعالیٰ والضاد باستطالة

بسم الله الرحمن الرحيم
وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون
نيل المرام
بالتزام السكوت عند
قراءة الإمام

سوال : ہمارے قصبہ میں ایک صاحب اہلحدیث ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ امام کے پیچھے جو لوگ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نماز بالکل نہیں ہوتی وہ اس پر قسمیں بھی اُٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ دُنیا میں کوئی شخص ایسی کوئی حدیث نہیں دکھا سکتا جس میں امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔

اس شخص نے شب و روز یہی شور بپا کر رکھا ہے اور ہر وقت سیدھے سادے نمازیوں کو بھکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی اس کو قطعاً کوئی فکر نہیں بس ہر وقت نمازیوں کو بھکانے اور اُن کی نمازوں کو باطل قرار دینے کا مشغلہ ہے کئی نمازی اس کے فتنے سے متأثر نظر آرہے ہیں۔ جناب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر فرما کر ہم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر ہر زمانہ میں اختلاف چلا آیا ہے۔ اس قسم کے اور بھی سیکڑوں اجتہادی مسائل ہیں، ایسے مسائل جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے کی وجہ سے اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں مختلف فیہ ہیں ان میں خود مجتہدین کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ قوت دلیل کی بنا پر جو جانب راجح دکھائی دی اس کو اختیار فرمالیا مگر دوسروں پر کسی قسم کے اعتراض اور طعن و تشنیع سے زبان درازی ہرگز روا نہیں رکھی۔ اور نہ ہی اپنا اجتہاد کسی پر زبردستی مسلط کرنے کی کوئی کوشش فرمائی، بلکہ صرف اظہار رائے پر اکتفاء فرماتے رہے کبھی بلا تحریر دلیل اور کبھی بتفصیل دلائل۔ اس سے ہمیشہ بے نیاز رہے کہ کوئی ان کی رائے کو قبول بھی کرتا ہے یا نہیں۔ انھوں نے اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو نہ کبھی گمراہ قرار دیا اور نہ ہی انکی عبادات کے بطلان کا فتویٰ دیکر اُمت میں تخریب اور منافرت کی تخم ریزی کی۔

ان حضرات کا یہ عمل قرآن کریم کی ہدایت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون، اس میں اہل اجتہاد کو مسائل غامضہ میں دعوت فکر دی گئی ہے اس طرح ہر مجتہد کے فکر کی رسائی ہی اس کے لئے حق اور واجب العمل قرار پاتی ہے۔ مجتہد جس طرح مسائل غیر منصوصہ میں غور و فکر کر کے منصوص پر قیاس کے ذریعہ ان کا حکم معلوم کرتا ہے

اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن کے ادلہ متعارض ہیں ان میں تطبیق و ترجیح اور تساقط کے اُصولوں کو زیرِ غور لاکر فیصلہ کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ کسی مسئلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہوا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا نہ اسوقت ان میں سے کسی نے دوسرے پر اعتراض کیا اور نہ ہی بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے فعل پر نکیر فرمائی۔

غرضیکہ اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرتا تھا مگر دوسرے کے اجتہاد پر کوئی اعتراض نہ کرتا تھا۔ ان مجتہدین کے متبعین کا بھی یہی معمول رہا کہ وہ آپس میں دست بگریبان ہونے کی بجائے اپنے اپنے مقتداؤں کے اجتہاد کے مطابق عمل کرتے رہے، اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اکابر علماء نے مسائل اجتہادیہ کی تنقیح و تنقید اور ان کے مناشی و مبانی کی تنقیر و تفتیش کیلئے سیر حاصل بحثیں تحریر فرمائیں۔ اپنے دلائل کی تفصیل اور خصم کے دلائل کے جوابات کے لئے فاضلانہ مضامین لکھے مگر مخالف کی تفسیق و تضلیل اور تحقیر و تذلیل اور عبادات کو ضائع و باطل ٹھیرانے کی حماقت کسی نے نہیں کی۔ اور نہ ہی ان خالص علمی مباحث کو جو عوام کی فہم سے بہت بلند ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے لاکر عوام میں انتشار و فتنہ پیدا کرنے کا کوئی جواز نکالا۔

راقم الحروف نے صحیح بخاری کی تدریس میں اپنی عمر کا بہت طویل حصّہ صرف کیا ہے۔ اس زمانے میں قرآن و حدیث کے بلند پایہ مضامین، حقائق و دقائق اور نکات و لطائف کے مطالعہ کا شوق اور طلبۂ حدیث کی استعداد و ضرورت کے مطابق انکے سامنے بیان کرنے کا معمول رہا مگر طلبہ کے اصرار کے باوجود مسائل اجتہادیہ پر زیادہ بحث و تمحیص سے ہمیشہ پہلوتہی کرتا رہا۔ اولاً اسلئے کہ جن مسائل میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہے ان میں زیادہ بحث و مباحثہ ویسے ہی بے ضرورت اور دینی تقاضوں کیخلاف ہے ثانیاً ان مسائل پر کافی سے زیادہ لکھا جاچکا ہے۔ ثالثاً اس دور میں دین میں نظریاتی اور عملی فتنے اسقدر کثرت اور شدت کے ساتھ اُبھر رہے ہیں کہ اُن کی موجودگی میں مجتہد فیہ مسائل میں جزئی اختلافات میں بڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ ایک طرف مرزائیت، نیچریت، اباحیت، انکارِ حدیث اور دیندار انجمن جیسے اعتقادی و ارتدادی فتنوں کی گھٹائیں چھارہی ہیں

اور دوسری جانب بد اعمالی، علانیہ فسق و فجور اور بے حیائی کا سیلاب برق رفتاری سے بڑھ رہا ہے اور عوام سے گزر کر علماء و صلحاء کے گھرانوں میں بھی داخل ہو چکا ہے جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی احساس اور دین کا درد ہو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا شمہ بھر بھی خیال ہو وہ ان حالات میں جزئی اختلافات کو ہوا دیکر الحاد اور بے دینی کو مزید پھیلنے کا موقع دینا ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ مگر اس بارے میں فرقہ اہل حدیث کی اکثریت کا کردار جماعت اہل حدیث کی پیشانی پر کلنک ہے انکے اس رسواکن اور اسلام دشمن کردار کی بدولت ان میں سے اہل فہم حضرات کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں مگر وہ ابھی اس بے لگام قوم پر قابو پانے سے عاجز ہیں۔

ان کی عقل پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو اتنی وسعت نظر کہ جو اجتہاد کے لئے کوئی شرط ہی نہیں ہر شخص مادر زاد مجتہد ہے اور دوسری طرف اتنی تنگ نظری کہ اپنے اجتہاد کے ماسوا باقی سب کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی خصوصیات:

(۱) اہل حدیث حضرات مسائل اجتہادیہ میں اپنے اجتہاد کو قطعی صحیح اور دوسروں کے اجتہاد کو قطعی غلط سمجھتے ہیں۔ دراصل ان کو اس حد تک غلو ہے کہ گویا اپنی رائے کو معاذ اللہ وحی الٰہی گردانتے ہیں بخلاف دوسرے مجتہدین کے کہ وہ اپنی رائے کو وحی کی طرح قطعی نہیں سمجھتے بلکہ محض غلبۂ ظن کا درجہ دیتے ہیں جس میں احتمال خطا بھی موجود ہے چنانچہ وضوح خطا کے بعد وہ اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے ہیں، مگر دنیا میں کوئی اہل حدیث ایسا نظر نہیں آتا جس کو اپنے اجتہاد میں کبھی کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی ہوا ہو غلطی کا اعتراف اور اپنے رائے سے رجوع تو بڑی بات ہے

(۲) مجتہد فیہ مسائل میں حضرت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و تبع تابعین ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف لازم بھی ہے اس لئے کہ مسائل اجتہادیہ کے استنباط میں اور تعارض ادلہ کے وقت تطبیق و ترجیح کے کلیات کے استعمال میں انسان کی عقل کو دخل ہے، ایک مجتہد کسی جزئیہ کو ایک کلیہ کے تحت لاکر اس کے جواز کا قول کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی جزئیہ کو کسی دوسرے کلیہ سے زیادہ منطبق سمجھ کر اسے ناجائز قرار دیتا ہے۔ کلیات کے ساتھ جزئیات کے انطباق میں اختلاف رائے سے بچنا محال ہے

چنانچہ اسی بناء پر ہم شب وروز ڈاکٹروں، انجینئروں، وکیلوں اور ججوں میں اختلافات کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ مگر اہل حدیث حضرات کی رائے میں ہرگز اختلاف نہیں پایا جاتا، اس سے ثابت ہوا کہ ان کا عمل بالحدیث کا ڈھنڈورا اور براہ راست اجتہاد کا دعویٰ غلط ہے۔ درحقیقت یہ ایک مستقل فرقہ ہے جسکا ہر فرد اپنے اسلاف کی اندھی تقلید میں مبتلا ہے۔ اسکے ساتھ طرفہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو حرام اور شرک بتاتا ہے۔

(۳) ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ اختلافی مسائل میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا چاہئے چنانچہ جس شخص نے خود اپنا حج نہ کیا ہو وہ مذہب حنفی میں دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے مگر چونکہ دوسرے بعض مذاہب میں یہ جائز نہیں اس لئے صرف اس دوسرے مذہب کی رعایت کی خاطر فقہ حنفی میں ایسے شخص کا حج بدل کے لئے جانا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر طواف کرنے والا بیت اللہ سے اتنا قریب چلے کہ اسکا بایاں ہاتھ شاذروان (بیت اللہ کی بنیاد) پر سے گزر رہا ہو تو مذہب حنفی میں طواف صحیح ہوجائے گا مگر محض دوسرے مذہب کی مراعات کے پیش نظر اس کو مکروہ فرماتے ہیں۔
کتب فقہ میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مگر اہلحدیث حضرات کا طریق کار نرالا ہے انکے ہاں ایسے مسائل میں دوسرے مذاہب کے خلاف کرنا زیادہ اجر کا باعث ہے۔ چنانچہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ میں قربانی کا جواز مختلف فیہ ہے اس لئے عبادت میں احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس تاریخ میں قربانی نہ کی جائے جو حضرات اسکے جواز کے قائل ہیں اُن کے ہاں بھی افضل تاریخ دسویں پھر گیارہویں پھر بارہویں اور پھر تیرہویں ہے مگر اہلحدیث صرف دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے تیرہویں تاریخ میں قربانی کرنے کو افضل سمجھتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح اونٹ کی قربانی میں دس آدمی محض دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے شریک ہوتے ہیں ورنہ عبادت کی اہمیت کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اسمیں احتیاط سے کام لیا جائے اور اونٹ میں سات سے زائد افراد شریک نہوں۔

ایک اور اعجوبہ سماعت فرمائیں۔ آبادی کے اندر بول وبراز کی حالت میں قبلہ کی طرف رُخ کرنیکا جواز مختلف فیہ ہے، اس لئے احتیاط بہرحال اسمیں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہل حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بہت بڑا جہاد ہے چنانچہ کراچی میں انھوں نے اپنی مسجد کے استنجاخانے گرا کر ازسرنو قبلہ رُخ تعمیر کرائے ہیں وجہ

دریافت کرنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔
الحمد للّٰہ الذی عافانا مما ابتلاکم بہ۔

(۴) اہل حدیث جزئی مسائل اختلافیہ کی اشاعت و تبلیغ میں بلکہ اپنے نظریہ کو پوری اُمت پر مسلط کرنے کی کوشش میں اسقدر مخبوط الحواس ہیں کہ نہ ان کو یہ ہوش آتا ہے کہ ان مسائل میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آرا بھی مختلف ہیں اور وہ اختلاف رائے کے باوجود ان کو بحث و مباحثہ کا موضوع نہیں بناتے تھے اور نہ ہی اسکا احساس ہوتا ہے کہ اس پُرفتن دَور میں جبکہ اصولِ دین پر یورش ہو رہی ہے اور فسق و فجور کا سیل رواں رہے سہے دینی اقدار کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہائے جا رہا ہے۔ جزئی مسائل کو چھیڑ کر اُمتِ مسلمہ کو مزید ابتلاء اور فتنے میں نہ ڈالیں اور آپس میں منافرت کی فضا پیدا کر کے لا دینی قوتوں کے مزید بڑھنے کا باعث نہ بنیں، بلکہ ان فرعی اختلافات کو طاقِ نسیاں میں ڈال کر بے دینی کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنے کے لئے سب یک صف ہو کر جہاد کریں۔

انصاف سے بتائیں کہ اہلحدیث نے سبائیت، مرزائیت، نیچریت اور اباحیت جیسے فتنوں سے اسلام کی حفاظت کے لئے کبھی کوئی نمایاں خدمت کی؟ یا فسق و فجور کے سدِ باب کے لئے کبھی کوئی کام کیا؟ ان کی تمامتر مساعی اور جہاد کا مصرف صرف فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین ہے یا پھر پوری امت مسلمہ بلکہ ائمۂ دین تک کی تفسیق و تضلیل؛ کوئی شخص ڈاڑھی منڈاتا یا کٹاتا ہو، لباس خلاف شرع پہنتا ہو، سود کھاتا ہو، رشوت لیتا ہو، تصویر رکھتا ہو، رقص و سرود کا دلدادہ ہو، شراب پیتا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی اہلحدیث کی ملاقات ہو جائے تو وہ اس کو سب سے پہلے یہی تبلیغ کریگا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، جو لوگ پڑھتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۵) جو شخص فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کی تبلیغ تندہی سے کرتا ہو اور ائمۂ دین کے سبّ و شتم میں امتیازی شان رکھتا ہو وہ خواہ کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہو بلکہ کفریہ عقائد ہی کیوں نہ رکھتا ہو جماعت اہلحدیث میں مقبول ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں "وشہد شاہد من اہلہا" کے تحت خود اہلحدیث عالم قاضی عبدالواحد خانپوری کی شہادت ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

"اس زمانے کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے۔ یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے۔ بعینہ مثل تشیع کے (الحق اقول واللہ) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں ہی مانند تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیتے ہیں اور پھر جسقدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہلحدیثوں میں ایک نعرہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کو چابک کرے، مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جسقدر کفر بد اعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ جبین پر شکن بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ، اور سرّ اسکا یہ ہے کہ وہ مذہب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہو گئے ہیں فافہم و تدبر"

(التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ "الملقب بہ" اظہار کفر تنادا اللہ بجمیع اصول امنت باللہ ص۲۶۲)

نفس مسئلہ سے متعلق بحث سے قبل یہ طویل تمہید پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ قارئین کو اسکا اندازہ ہو جائے کہ مذکورہ بالا حالات میں فاتحہ خلف الامام سے متعلق کچھ کہنے سننے کی زحمت یا کسی مدلل تحریر کے لئے خامہ فرسائی اور دماغی محنت کس حد تک مفید ہو سکتی ہے۔ بحث و تمحیص سے اہل فہم و اہل انصاف کی تفہیم مقصود ہوتی ہے مگر مندرجہ بالا خصوصیات کی حامل جماعت اہلحدیث سے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کبھی تقریری یا تحریری دلائل بازی سے کسی فتنہ کو دبانا اور عامۃ المسلمین کے دین کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اگرچہ

اہل فتنہ سے قبول حق کی کوئی امید ہو مگر اسمیں ! الاھم فالاھم کے اصول کو ملحوظ رکھنا لازم تھا
الحاد، ارتداد جیسے تباہ کن فتنوں کی موجودگی میں فروعی مسائل پر بحث مباحثہ اور اسمیں
وقت اور دماغ صرف کرنے کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ بعض مرتبہ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ فلاں
صاحب نے کسی اہلحدیث کے بہکانے سے فاتحہ خلف الامام شروع کردی ہے آپ ان کو
سمجھائیں۔ میں نے جواب دیا کہ ان کو فاتحہ خلف الامام پڑھنے دیں میرے پاس ان کو
سمجھانے کے لئے وقت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس کو خود سمجھنے کی فکر نہ ہو اسکو سمجھانا بیکار
اور تضییع وقت ہے۔ کئی بار کئی مادرزاد مجتہدین نے ان مسائل پر مجھ سے بات کرنے کی خواہش
ظاہر کی مگر میں نے ہر دفعہ عذر کردیا۔ وجہ وہی کہ اہم مسائل کے ہوتے ہوئے ان فروعی
اختلافات کی طرف رخ کرنا جائز نہیں، بالخصوص جبکہ مخاطب میں نہ صلاحیت ہو اور نہ
ہی تحقیق حق مطلوب ہو، ایسی حالت میں بات کرنے سے کیا فائدہ؟ ایک دفعہ ایک
مجتہد صاحب کو فاتحہ خلف الامام پر بحث کرنے کا جوش اٹھا اور حدیث دانی کا بہت بڑا
دعوی کیا، میں نے ان سے دریافت کیا کہ صحیح بخاری کا نام کیا ہے؟ بس اجتہاد کا نشہ
ہرن ہوگیا، کسی نے خوب کہا ہے ؎

الف کو کیل جانیں سب بچارے
مگر دعوی ہے سب کا اجتہادی

فاتحہ خلف الامام سے متعلق اہلحدیث کے مسلسل غوغا کے باوجود میں نے اپنی عمر
کے ستاون سال مکمل سکوت اور صبر کے ساتھ گزارے ہیں، ہمارے اکابر کی یہی شان رہی ہے
مگر اب اہلحدیث نے اس سکوت سے فائدہ اٹھاکر یہ غلط پروپیگنڈہ شروع کردیا ہے کہ احناف
کے پاس کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہو
یہ پروپیگنڈہ اسقدر تیز کردیا گیا ہے اور عوام سے ایسی حدیث کا مطالبہ اتنی شدت
سے کیا جانے لگا ہے کہ عامۃ المسلمین کا ناک میں دم کردیا ہے عوام پریشان ہوکر مجھ سے
دریافت کررہے ہیں میں کس کس کو جواب دوں؟ اور خالص علمی تحقیق عوام کے دماغوں میں
کس طرح اتاردوں؟ بالآخر با دل نخواستہ قلم اٹھانا ہی پڑا اور یہ طے کیا کہ بالاختصار دلائل کے
ساتھ مسئلہ کی وضاحت لکھدوں آگے ہر شخص اپنے ظرف اور علمی استعداد کے مطابق اس سے
منتفع ہوسکتا ہے، کم از کم کسی کو یہ کہنے کا موقع تو نہیں ملیگا کہ احناف کے پاس کوئی
حدیث نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم اور ہدایت صراط مستقیم عطا فرمائیں اور ہر قسم کے فتنو

سے اپنی حفاظت میں رکھیں، آمین

عمل بالحدیث کی آڑ میں قرآن سے انحراف:

اہل حدیث عمل بالحدیث کے مدعی ہیں مگر قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ ایک مجتہد صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا ترک فاتحہ خلف الامام کے بارے میں کوئی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے قرآن میں ممانعت آئی ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ حدیث تو کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں نے ان صاحب کے جواب میں حدیث کی بجائے قرآن کا حوالہ اسلئے دیا کہ وہ معتقد ہے مگر اس پر سخت تعجب ہوا کہ وہ قرآنی ارشاد کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس کے مقابلہ میں حدیث ہی کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس احناف کا اصول یہ ہے کہ وہ پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اس کے بعد احادیث پر نظر فرماتے ہیں جو حدیث قرآن کریم کے مطابق ہو اس کو لے لیتے ہیں اور جو بظاہر قرآن سے متعارض نظر آئے اس کا کوئی ایسا مفہوم تلاش کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو دیکھئے قرآن کریم میں ارشاد ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ میں صاف حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو تم اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بالاتفاق قراءت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب احادیث کو دیکھئے کسی حدیث میں یہ حکم نہیں کہ امام کے ساتھ پڑھا کرو، ارشاد ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فاذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا سجد فاسجدوا۔ دوسری حدیث میں ہے لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قال غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فقولوا آمین الخ اس میں امام کے ساتھ سب افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر واذا قرأ فاقرءوا نہیں فرمایا بلکہ واذا قرأ فانصتوا فرما کر امام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرما دیا۔ احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی اس لئے کہ یہ سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کے علاوہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ دوسری احادیث کے ایسے معانی بیان فرمائے جن سے تضاد نہ رہے۔

اسی طرح آمین کے مسئلہ میں احناف نے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرمایا تو یہ ارشاد ملا، ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ

تبیل الرام ——— ۹

کا قول نقل فرمایا ہے کہ "آمین دعا ہے" اور قرآن کریم نے دعا کے اخفاء کا حکم دیا ہے، پس قرآن سے ثابت ہوگیا کہ آمین آہستہ کہی جائے اسلئے احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی جس میں آمین کا اخفاء مذکور ہے اور دوسری احادیث کو اس سے منطبق کیا۔

رفع یدین سے متعلق بھی قرآن کریم میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع اور سکون کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ — وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ اب احادیث ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ، یعنی یہ کیا حرکت ہے کہ نماز میں اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے مست گھوڑے دُم مارتے ہیں، نماز میں سکون سے رہو، کیسی زبردست تنبیہ ہے۔ بوقت سلام نماز ختم ہو رہی ہے جب اسوقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے تو نماز کے اندر بوقت رکوع رفع یدین کیونکر مناسب ہوگا؟ البتہ تکبیر تحریمہ چونکہ نماز میں داخل نہیں اس لئے اسوقت رفع یدین نماز میں حکم سکون کے خلاف نہیں۔ غرضیکہ اس مسئلہ میں بھی حکم قرآنی کے پیش نظر احناف نے ترک رفع یدین کی روایات کو ترجیح دی۔ اسی پر دوسرے مسائل کو قیاس کر لیا جائے کہ احناف سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرماتے ہیں پھر احادیث میں سے اس کو ترجیح دیتے ہیں جو نص قرآن کے مطابق ہو۔

صحت حدیث کا معیار:

اہل حدیث یہ الزام لگاتے ہیں کہ احناف بعض مسائل میں صحیح حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ قابل غور یہ امر ہے کہ صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے؟ اہل حدیث تقلید کو ناجائز اور حرام بتانے کے باوجود اس باب میں ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداود وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں، جس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح کہدیں وہ صحیح ہے۔ اگر ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید جائز بلکہ ضروری ہے کہ بدوں انکے کسی حدیث کی تصحیح نہیں کی جا سکتی تو ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کیوں جائز نہیں؟

ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث کی صحت وسقم پرکھنے کے جو اصول تحریر فرمائے ہیں وہ اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائے ہیں، ان پر کوئی وحی نہیں نازل ہوئی۔ اسی طرح ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی صحیح حدیث کے کچھ اصول مقرر ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں جن میں سے

نیل المرام ــــ ــــ ــــ ۲

مندرجہ ذیل دو اصول خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

(۱) جو حدیث کتاب اللہ یا سنت مشہورہ سے زیادہ قریب ہوگی وہ راجح ہوگی۔

(۲) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو حضرات تفقہ میں معروف ہیں ان کی روایت غیر فقیہ کی روایت پر راجح ہوگی۔

اس ضروری توضیح کے بعد اب اصل مسئلہ قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام کی ممانعت سے متعلق دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

نصوص قرآنیہ:

(۱) وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نزول وحی کے وقت خود ساتھ نہ پڑھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کے وقت اس کو خاموشی سے سننا اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس میں تفکر و تدبر شرعاً مامور بہ ہے۔

(۲) لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ

اس آیت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرمایا گیا حالانکہ یہاں حفظ قرآن کی غرض سے ساتھ پڑھنے کی ضرورت بھی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کا ذمہ خود لیکر خاموشی اور توجہ سے سننے کا حکم فرمایا، اس سے قرآن کریم کے اس ادب کی کتنی سخت تاکید ثابت ہوتی ہے کہ قاری کے ساتھ خود پڑھنے کی بجائے اس کی قراءت کو خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے سنا جائے پھر "لا تعجل" کی بجائے "لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ" فرما کر مکمل سکوت کی مزید تاکید فرمادی کہ زبان تک نہ ہلنے پائے، اس کے بعد تاکید در تاکید کے لئے مکرر فرماتے ہیں فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں فاستمع لہ وانصت (صحیح بخاری ص ۲ ج ۱، مسلم ص ۱۸۳ ج ۱، طیالسی ص ۳۴۳)

اتباع کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جیسے متبوع کرے اسی طرح تابع کرے، دوسرے خاموشی سے سننا، آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قراءت میں اتباع کے معنی ساتھ پڑھنے کے نہیں بلکہ خاموشی سے سننا ہے، کیونکہ ساتھ پڑھنے سے تو منع کیا جارہا ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی تفسیر "فاستمع لہ وانصت" سے فرمائی ہے

ہم آگے ایک حدیث پیش کریں گے۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ الخ ائتمام کے معنی کا

اتباعا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں قال البیضاوی وغیرہ الائتمام الاقتداء والاتباع ای جعل الامام اماما لیقتدی به ویتبع (فتح الباری ص۱۷۳ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی نہ بھی ہوتی تو بھی اس سے فاتحہ خلف الامام سے ممانعت ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ رکوع، سجدہ وغیرہ میں اتباع امام کے معنی یہ ہیں کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ یہ ارکان ادا کرے اور قراءت میں اتباع کے معنی یہ ہیں کہ خاموشی سے سنتا رہے۔

(۳) وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۷-۲۰۴)

یہ آیت نماز میں سورۂ فاتحہ سے متعلق نازل ہوئی ہے جس میں واضح ہدایت ہے کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اس وقت مقتدیوں پر فرض ہے کہ امام کی قراءت کو سنیں اور خاموش رہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام سے متعلق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے چند حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) علامہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قال اخرج البیہقی عن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال اجمع الناس علی ان هذه الآية فی الصلوة (زیلعی ص۲۲ ج ۱)

(۲) قال العلامة موفق الدين بن قدامة فی المغنی قال احمد رحمه الله تعالى الناس على ان هذا فی الصلوة (الی قوله) وقال احمد فی رواية ابی داؤد اجمع الناس على ان هذه الآية فی الصلوة (مغنی ص۲۳۲ ج ۱)

(۳) قال العلامة شمس الدين بن قدامة قال احمد رحمه الله تعالى فی رواية ابی داؤد اجمع الناس على ان هذه الآية فی الصلوة (شرح المقنع الكبير ص۱۱ ج ۲)

(۴) قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى واخرج البيهقی عن الامام احمد رحمه الله تعالى قال اجمع الناس على ان هذه الآية فی الصلوة (فتح القدير ص۲۴۱ ج ۱)

(۵) قال العلامة العلی القاری رحمه الله تعالى روى البيهقی عن احمد بن حنبل رحمه الله تعالى انه قال اجمع الناس على ان هذه الآية فی الصلوة (شرح نقاية ص۸۳ ج ۱)

(۶) غیر مقلدین کے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں وذكر احمد بن حنبل رحمه الله تعالى الاجماع على انها نزلت فی الصلوة وذكر الاجماع على انه لا تجب القراءة على المأموم حال الجهر (فتاوی ابن تیمیة ص۱۴۳ ج ۲)

وقال ایضاً وقول الجمهور هو الصحیح فان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون، قال احمد رحمه اللہ تعالیٰ اجمع الناس علی انها نزلت فی الصلوٰۃ

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ج۲۳)

(۷) غیر مقلد عالم مولانا عبدالصمد پشاوری اپنی کتاب "اعلام الاعلام فی قراءۃ خلف الامام" میں لکھتے ہیں، ولا نعلم کونها فی الصلوٰۃ لما روی البیہقی عن الامام احمد قال اجمع الناس انها فی الصلوٰۃ (اعلام الاعلام ص)

مذکورہ عبارت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیہقی کی روایت اجماع کو غیر مقلد عالم نے بھی تسلیم کر لیا ہے، لہٰذا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "مجھے امام بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار اور کتاب القراءۃ میں یہ قول نہیں ملا" بیہقی کی روایت کو دیکھنے والی ایک جماعت ہے جن میں غیر مقلدین کے امام بھی ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اگر مبارکپوری صاحب کو یہ روایت نظر نہیں آئی تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ ؎

و اذا لم تر الهلال فسلم لاناس رأوه بالابصار

عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، پھر یہ منطق بھی کیا عجوبہ ہے کہ بیہقی کی صرف دو کتابیں دیکھ کر فیصلہ صادر کر دیا کہ بیہقی نے یہ روایت نہیں کی، یہ استدلال کی کونسی قسم ہے کہ جو چیز دو کتابوں میں نہیں وہ بیہقی کی کسی کتاب میں بھی نہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل میں بیہقی متفرد نہیں بلکہ موفق الدین ابن قدامہ، شمس الدین ابن قدامہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی ناقل ہیں کما مر۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قول اجماع منقول ہے،

ونصہ لا خلاف انہ نزل فی هذا المعنی دون غیرہ (اوجز المسالک ص ج۱)

ثبوت اجماع کے بعد اس آیت کے شان نزول سے متعلق مزید کسی روایت کی ضرورت نہیں، مع ہذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین ومن بعدہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انهم کانوا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقهوا اما آن لکم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن جریر)

(۲) قال عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی القراءۃ خلف الامام انصت للقرآن کما امرت فان فی القراءۃ لشغلا وسیکفیک ذلک الامام (کتاب القراءۃ للبیہقی ص)

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

نیل المرام ———— ۲

لعلکم ترحمون یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۰۹)

(۴) قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما المؤمن فی سعۃ من الاستماع الیہ الا فی صلوٰۃ مفروضۃ او مکتوبۃ او یوم جمعۃ او یوم فطر او یوم اضحیٰ یعنی واذا قرئ القرآن الآیۃ

(کتاب القراءۃ ص ۱۰۹)

حضرت عبداللّٰہ بن مسعود اور عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں، یہاں ہر ایک سے صرف دو دو روایتیں نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

پہلی روایت میں ایک راوی محاربی ہیں ان کے بارے میں ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ انکا نام عبدالرحمٰن بن محمد بن زیاد ہے جو انتہائی درجہ کے ضعیف ہیں۔

مگر ان صاحب کے یہ دونوں دعوے غلط ہیں اس سند میں عبدالرحمٰن بن محمد بن زیاد المحاربی نہیں بلکہ یحییٰ بن یعلیٰ المحاربی ہیں جو بالاتفاق ثقہ ہیں ان پر کسی نے بھی جرح نہیں کی امام ابو حاتم اور حافظ ابن حبان نے انکی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۳۰۳ ج ۱۱)

عبدالرحمٰن بن محمد بن زیاد المحاربی کو انتہائی ضعیف قرار دینا بھی غلط اور سراسر ظلم ہے، ان کے بارے میں اگرچہ مضطرب، کثیر الغلط، یخطی وغیرہ الفاظ بعض نے کہے ہیں مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام ابن معین، نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابن سعد، ابن شاہین، بزار اور دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، عثمان بن ابی شیبہ اور ساجی نے صدوق کہا ہے۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ طویل الحدیث کے بڑے حافظ تھے، عجلی نے لا باس بہ فرمایا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۶۶ ج ۶)

تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کے بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کا نام بشیر بن جابر لکھا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے، مسند احمد بن حنبل ص ۳۸۳ ج ۱، مسند طیالسی ص ۵۱ اور صحیح مسلم ص ۲۹۵ ج ۲ میں ایک دوسری روایت کی سند میں یُسیر بن جابر ہے اور یہی صحیح ہے (نووی ص ۲۹۵ ج ۲، تجرید اسماء الصحابۃ للذہبی ص ۱۴۳ ج ۲، استیعاب ص ۱۵ ج ۱ و ص ۱۵۸۳ ج ۴)

یُسیر بن جابر کی حافظ ابن حبان، ابن سعد اور امام عجلی نے توثیق کی ہے اور بعض لوگ تو انکو صحابی قرار دیتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۷۶ ج ۱۱) حافظ ابن عبدالبر نے بھی انکو صحابی کہا ہے (استیعاب ص ۱۵ ج ۱ و ص ۱۵۸۳ ج ۴)

دوسری حدیث کے ایک راوی عبدالوہاب ثقفی کے حافظہ میں آخر عمر میں کچھ تغیر آگیا تھا لیکن اس زمانہ میں انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی (میزان الاعتدال ص۱۸۱ ج۲)

تیسری حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن صالح کو ابن عدی نے مستقیم الحدیث قرار دینے کے باوجود لکھا ہے کہ یہ عمداً جھوٹ نہیں بولتے مگر سند اور متن میں غلطی کرجاتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص۲۵۸ ج۵)

ابن عدی کی یہ جرح جمہور ائمہ حدیث کی تعدیل کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی، امام ابن معین، ابوحاتم، ابن حبان، عبدالملک بن شعیب، ابوزرعہ، یعقوب بن سفیان اور مسلمہ ابن قاسم انکی توثیق فرمارہے ہیں۔ ابوہارون الخربی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوصالح سے زیادہ اثبت کوئی نہیں دیکھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کے راوی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الادب المفرد اور جزء القراءۃ وغیرہ میں بھی ان سے تخریج کی ہے، امام حاکم اور ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے ان کی سند کو صحیح، قوی اور جید قرار دیا ہے۔

ابن القطان فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہیں ان پر کوئی ایسا الزام نہیں ثابت ہوسکا جسکی بنا پر انکی روایت کو غیر معتبر کہا جاسکے، البتہ یہ مختلف فیہ ہیں انکی حدیث حسن ہے۔

ان کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن نجیح ایک شریر شخص تھا جو آپکا پڑوسی تھا اسنے بلاوجہ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، (تہذیب التہذیب ص۲۵۸، ۲۶۰ ج۵، تذکرہ ص۳۸۵ ج۱، مستدرک ص۱۹۷ ج۲، تفسیر ابن کثیر ص۲۲۳ ج۳)

اس حدیث کے دوسرے راوی علی بن ابی طلحہ پر دو اعتراض کئے گئے ہیں ایک یہ کہ انکے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہ اشیاء منکرات (میزان ص۲۲۲ ج۲)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع حاصل نہیں اسلئے یہ روایت منقطع ہے۔

اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ لہ اشیاء منکرات کا یہ مطلب نہیں کہ انکی روایت میں کوئی امر قادح ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں یہ خرابی تھی کہ یہ خلیفہ کے مقابلہ میں خروج جائز سمجھتے تھے ویمکن لہ رأی سوء یری السیف میں اس کی تصریح ہے۔ وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ونقل البخاری من تفسیرہ روایۃ معاویۃ بن صالح عنہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیئا کثیرا فی التراجم وغیرہا ولکنہ لا یسمیہ یقول قال ابن عباس

اربد کر عن ابن عباس وقل وقفت علی المصیب الذی قال فیہ ابو داؤد یسرق السیف (تہذیب التہذیب صفحہ ج ۸) امام نسائی، امام ابو داؤد، ابن حبان اور محدث عجلی نے انکی توثیق فرمائی ہے (میزان صفحہ ج ۲، تہذیب التہذیب صفحہ ج ۸) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کی ہے (صحیح مسلم صفحہ ج ۱)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان مجاہد بن جبیر اور سعید بن جبیر کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اس لئے یہ سند بلا شبہ صحیح ہے (میزان الاعتدال صفحہ ج ۲، تہذیب التہذیب صفحہ ج ۷، فتح الباری صفحہ، تفسیر اتقان صفحہ ج ۱)

امام جعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں علی بن ابی طلحہ کے اسی تفسیری صحیفہ سے نقل کیا ہے (اتقان صفحہ ج ۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری میں اور امام ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر وغیرہ بھی تفاسیر میں اسی صحیفہ سے نقل فرماتے ہیں (فتح الباری صفحہ)

غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں: "اما روایت از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطرق مختلفہ آمدہ اجود آنہا طریق معاویۃ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما است، بخاری در صحیح خود اعتماد برہمیں طریق کردہ" (اکسیر فی اصول التفسیر صفحہ)

چوتھی حدیث کے راوی مسکین بن بکیر الحرانی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام ابو احمد نے ان کو وہمی اور کثیر الخطا کہا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ انکا وہم و خطا صرف سعید بن عبدالعزیز سے روایت کے ساتھ خاص ہے خود ابو احمد نے تصریح فرمائی ہے: ومن این کان مسکین یضبط عن سعید (تہذیب التہذیب صفحہ ج ۱۰) غیر سعید سے ان کی روایت میں کوئی وہم نہیں چنانچہ امام احمد، ابن معین، ابن حبان، ابن عمار اور ابو حاتم نے انکی توثیق فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں علاوہ ازیں اسی قسم کی روایات حضرت ابوہریرہ و عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہیں۔

تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام:

حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں صحابی کی

تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے (مستدرک ص۲۳ ج۱) امام حاکم کی اپنی تحقیق بھی یہی ہے (معرفة علوم الحدیث ص۲۰) اکثر علماء تفسیر صحابی کو بحکم مرفوع قرار دیتے ہیں (البدایة والنهایة ص۲۲ ج۹) علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تفسیر صحابی مرفوع ہے (تدریب الراوی ص۱۹۱) علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس صحابی نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہو اسکا کسی آیت کا شان نزول بتانا بحکم مرفوع ہے (توجیہ النظر ص۱۶۱) نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں وکذا حکم اقوالهم فی التفسیر فانها اصوب من اقوال من بعدهم وقد ذهب بعض اهل العلم الی ان تفسیرهم فی حکم المرفوع (الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة ص۱۹) فی فتاوی الی نفا ابن القیم تفسیر الصحابی حجة (زاد المعاد)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تفسیر میں بہت بلند مقام ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلّمین قرآن میں سے اول درجہ عطا فرمایا ہے (صحیح بخاری ص۵۳۱ ج۱، مسلم ص۲۹۳ ج۲) اور فرمایا کہ ابن مسعود کی تحقیق اور عہد کو مضبوطی سے تھام رکھو (استیعاب ص۳۶۰ ج۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن مسعود علم کا انبار تھے۔ (استیعاب ص۳۶۰ ج۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کا انبار ہیں اور آپ کو تعلیم قرآن کے لئے اہل کوفہ کی طرف بھیجا (بغدادی ص۱۴۹ ج۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا ابن مسعود سے کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن مسعود ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کسی وقت حجاب نہیں فرماتے تھے (صحیح مسلم ص۲۹۳ ج۲) اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علانیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جسکا شان نزول کا مجھے علم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی اور میں کتاب اللہ کا اپنے سے بڑا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ نیز فرمایا کہ سب صحابہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کتاب اللہ کا ان سب سے بڑا عالم ہوں (صحیح بخاری ص۷۴۸ ج۲، صحیح مسلم ص۲۹۳ ج۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء راشدین سے بھی

کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں (مسلم صـ۲۱۰ ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ معوذتین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے، مگر یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کل ما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ان المعوذتین وام القرآن لم یکونا فی مصحفہ فکذب موضوع لا یصح (محلی صـ۱۳ ج ۱) علامہ سیوطی فرماتے ہیں وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل لیس بصحیح (اتقان صـ۷۹ ج ۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح المہذب میں یہی فرمایا ہے۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ امر دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ یہ ابن مسعود پر افتراء ہے اور وہ اس سے بالکل بری ہیں (طبقات صـ۲۱ ج ۲)

فن تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد دوسرا درجہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب بصیرت بھی تفسیر قرآن میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے (صحیح بخاری صـ۶۱۲ ج ۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ان کو دین کا فہم اور قرآن کریم کی تفسیر میں مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد صـ۳۳۵ ج ۱) قال الهیثمی ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد صـ۲۷۶ ج ۹) وصححه ابن کثیر (البدایة والنهایة صـ۲۹۵ ج ۸) وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما ابن عباس اعلم الناس بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیه وسلم (البدایة والنهایة صـ۲۹۹ ج ۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ دین کے امام، علم کا سمندر اور بہت بڑے عالم تھے (تذکرہ صـ۳۷ ج ۱)

اس کے بعد ہم آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے شان نزول سے متعلق بعض تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات نقل کرتے ہیں۔ تفسیر قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے، جمہور ائمہ کے ہاں تابعین کی تفسیر حجت ہے (تفسیر ابن کثیر صـ۴ ج ۱) نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں وهکذا التفسیر التابعی حجة (الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة صـ۹۶)

مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ:

تفسیر میں تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بالخصوص حضرت مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام بہت بلند ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی امامت اور جلالت شان متفق علیہ ہے۔ خصیف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے (تہذیب التہذیب صـ۴۳ ج ۱۰)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ائمہ مفسرین میں سے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص تلامذہ میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے (البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۴ ج ۹) نیز فرماتے ہیں کہ مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ فن تفسیر کے مسلّم امام ہیں، سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس مجاہد کی تفسیر پہنچ جائے تو پھر کسی اور کی حاجت باقی نہیں رہتی، مجاہد کے بعد سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن المسیب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک ابن مزاحم وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے (تفسیر ابن کثیر ص۳۱۰ ج۱) نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں ابن تیمیہ گفتہ اعلم الناس بالتفسیر اہل مکۃ کمجاھد، آگے ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ کی تفسیر پر کلی اعتماد کیا ہے (الاکسیر فی اصول التفسیر ص۱۱)

اب مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایات ملاحظہ ہوں

۵ ابن ابی نجیح حضرت مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فسمع قراءۃ فتی من الانصار فنزل واذا قرئ القرآن الآیۃ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص۸۴)

۶ ابوہاشم اسمٰعیل بن کثیر المکی مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۸۴)

۷ حمید اعرج حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۸۴)

ہم مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہی چند روایات پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ آپ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ اور بھی متعدد روایات اس مضمون کی ہیں۔

امام بیہقی کتاب القراءۃ ص۸۴ میں فرماتے ہیں کہ مجاہد کی یہ روایت منقطع ہے اھ مگر ابوزرعہ ابوحاتم اور دارقطنی جیسے مشہور ائمہ حدیث منقطع اور مرسل میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ قال العلامۃ الجزائری رحمہ اللہ تعالیٰ وقد اطلق المرسل علی المنقطع من ائمۃ الحدیث ابوزرعۃ وابوحاتم والدارقطنی (توجیہ النظر ص۲۲۲)

سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ: امام شافعی کو دوسرے تابعین کی مراسیل کی حجیت

میں کلام ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مراسیل کی طرح سعید بن المسیب کے مرسل کو وہ بھی حجت تسلیم کرتے ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۳) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ آپکے مراسیل صحیح ترین ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۲) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپکے تمام مراسیل صحیح ہیں (تذکرہ ص۵۱ ج۱)

قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات (تدریب الراوی ص۱۲۲)

حاکم فرماتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح ترین مراسیل آپکے ہیں (معرفۃ علوم الحدیث ص۲۵) امام بیہقی آپکے مراسیل کو اصح المراسیل قرار دیتے ہیں (السنن الکبریٰ ص۱۰۹ ج۱) علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیب کا ہے (توجیہ النظر ص۱۶۹) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپکی امامت وجلالت پر سب کا اتفاق ہے، علمی فضیلت اور وہ تمام اعمال خیر میں اپنے سب معاصرین سے ممتاز تھے اور آپکے تفوق اور برتری پر تمام علماء کا اتفاق ہے، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار تھے (تہذیب الاسماء ص۲۲۰ ج۱) حافظ ذہبی آپکو اجلۂ تابعین میں شمار کرتے ہیں (تذکرہ ص۵۱ ج۱) ابن عماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ میں حدیث، فقہ، زہد، ورع، عبادات اور جملہ علمی وعملی کمالات جمع تھے (شذرات الذہب ص۱۰۲ ج۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ علی الاطلاق سید التابعین تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکو احد المتقین فرماتے تھے (البدایۃ والنہایۃ ص۹۹ ج۹) امام یحییٰ بن سعید فرمایا کرتے تھے کہ آپ سے جب کسی آیت کی تفسیر دریافت کی جاتی تھی تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تفسیر قرآن میں رائے کو دخل نہیں دیتے بلکہ صرف وہی کہہ سکتے ہیں جسکا ہمیں علم ہے (تفسیر ابن کثیر ص۵ ج۱)

آپ کی روایت درج ذیل ہے۔

(۸) حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ و

اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۳۸)

اس روایت کی سند میں حماد بن سلمہ ہیں، ان کو علامہ ذہبی الامام، الحافظ، المحدث اور شیخ الاسلام جیسے القاب دے رہے ہیں (تذکرہ ص۱۸۹ ج۱) امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حماد بن سلمہ کے حق میں کچھ کہتا ہو فاتہمہ علی الاسلام، یعنی اسکو منافق سمجھو (تذکرہ ص۱۸۹ ج۱) امام ابن معین سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں (تہذیب التہذیب)

نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں گو حماد بن سلمہ امام ست تفرد ش ما دام کہ در مرویش مانعے از اصول نبود مضر نیست (بدور الاہلہ ص۳۳) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی تغیر

گیا تھا (تقریب ص۲۰۰) مگر اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ثقہ رواۃ کی روایات کو معمولی
نسیان کی وجہ سے رد کرنا صحیح نہیں، تفصیل کے لئے فتح المغیث ص۳۱۳ ملاحظہ ہو، نیز لسان المیزان
ص۱۲ ج۱، میزان الاعتدال ص۲۳۲ ج۲، ص۲۸۹ ج۲ اور بغدادی ص۳۱ ج۱۴ میں بھی وہم
قلیل اور تغیر یسیر کی وجہ سے ثقات پر اعتراض کرنے والوں پر سخت تردید اور شدید نکیر کی گئی ہے۔

اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں اسلئے انکا عنعنہ
قبول نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے
غیر مضر قرار دیا ہے۔ علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن حزم سے ایسے مدلسین کی فہرست
نقل فرماتے ہیں جنکی تدلیس صحت روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی منہم کان جلۃ اصحاب الحدیث
عن بعض وائمۃ المسلمین کالحسن البصری وابی اسحاق السبیعی وقتادۃ بن دعامۃ وعمرو
بن دینار وسلیمان الاعمش وابی الزبیر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینۃ
(توجیہ النظر ص۲۳۳) امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن مدلسین کی تدلیس مضر
نہیں ان میں سے ابوسفیان طلحۃ بن نافع اور قتادۃ بن دعامہ بالخصوص قابل ذکر ہیں (معرفۃ
علوم الحدیث ص۱۱۱) صحیحین میں قتادہ کی روایات عنعنہ کے ساتھ بہت کثرت سے ہیں
ان کو صحیحین کی خصوصیت نہیں کہا جاسکتا اسلئے امام حاکم اور ابن حزم کا مذکورہ فیصلہ عام ہے
معرفۃ علوم الحدیث ص۱۰۱ میں سلیمان شاذکونی کا قول منقول ہے کہ اعمش اور قتادہ کی صرف
انہی روایات معتبر ہیں جن میں سماع کی تصریح ہو، مگر ذرا لسان المیزان ص۸۴ ج۳ میں خود
سلیمان شاذکونی کا تانا بانا بھی دیکھ لیں ائمہ حدیث نے اس کو یہ القاب دئے ہوئے ہیں کذاب
واضع احادیث، شرابی، بیہودہ، نامراد، عدو اللہ، خبیث، لونڈے بازی سے متہم۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب طبقات المدلسین میں قتادہ کو مدلسین کے
تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے جن کا عنعنہ قبول نہیں۔ مگر خود حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں
قتادہ کی معنعن روایات کو صحیح قرار دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ص۱۷۵ ج۲ ملاحظہ ہو، نیز خود
حافظ کا فیصلہ ہے کہ انکی نظر میں فتح الباری کی تحقیق زیادہ راجح اور قابل اعتماد ہے، طبقات
المدلسین آپکے ابتدائی دور کی تصنیف ہے اور اس زمانہ کی تصانیف پر آپ خود مطمئن نہیں،
چنانچہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں ونقل عنہ انہ قال لست راضیا عن شیء من تصانیفی
لانی عملتہا فی ابتداء الامر ثم لم یتہیأ لی من یحررہا معی سوی شرح البخاری و

نیل الاوطار —— ۲۱

مقلد منه والمشتبه والتهذیب ولسان المیزان ورجوعه عنه فی موضع آخر انه اقوی من شرط البخاری والتعلیق والنخبة (النهر الظافر ص۳ طبع سنه۱۳۳۳ھ) اس سے ثابت ہوا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات المدلسین میں قتادہ کے عنعنہ کے بارے میں جو لکھا ہے بعد میں اس سے رجوع فرمالیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۹) منصور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فی الصلوٰة (کتاب القراءة ص۴۷)

امام المحدثین علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل جنکو ثقہ راوی نقل کریں بالکل صحیح ہوتے ہیں (تدریب الراوی ص۶۷)

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جامع کمالات، عالم، بلند مرتبہ، رفیع المنزلہ فقیہ، مامون، عابد، زاہد، وسیع العلم، فصیح، بلیغ اور حسین وجمیل تھے (طبقات ابن سعد ص۱۱۴ ج۷) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا سمندر، فقیہ النفس، کبیر الشان، عدیم النظیر اور بلیغ المذکر تھے (تذکرہ ص۶۶ ج۱) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء ص۱۶۱ ج۱) ابوبکر الہذلی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک ایک سورت کی تفسیر اور اسکے شان نزول وغیرہ کا پورا علم حاصل نہ کرلیتے تھے اسوقت تک وہ آگے نہ پڑھتے تھے (شذرات ص۱۳۶ ج۱) آپ ثقہ کے بہت بڑے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے (طبقات ابن سعد ص۱۱۵ قسم اول) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو الامام الفقیہ المشہور احد التابعین الکبار الاجلاء لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ علم وعمل اور اخلاص میں یکتا تھے (البدایة والنهایة ص۲۶۹ ج۹) نواب صدیق حسن خانصاحب فرماتے ہیں حسن بصری ومحمد بن القرظی وابو العالیة الریاحی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ازینہا قدماء مفسرین اند وغالب اقوال ایشاں متلقی از صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بودہ است (اکسیر ص۱۱)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۱۰) یونس امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں قال لا یقرأ من وراء الامام فیما یجهر به الامام یکفیهم قراءة الامام وان لم یسمعهم صوته ولکن یقرؤن فیما لا یجهر به

سرا في انفسهم ولا يصلح لاحد خلفه ان يقرأ معه فيما يجهر به سرا ولا علانية قال الله واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (کتاب القراءة ص۳۰) سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا حکم آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، یہاں صرف یہ مقصود ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی واذا قرئ القرآن الآیۃ کا شان نزول نماز میں قراءت بیان فرماتے ہیں،

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زہری حدیث، تفسیر اور رجال کی توثیق میں امام ہیں (الرسالۃ للامام الشافعی ص۳۶) حافظ ابن کثیر آپکے بارے میں فرماتے ہیں احد الاعلام من ائمۃ الاسلام تابعی جلیل واعلم الناس (البدایۃ والنہایۃ ص۳۴۰ ج۹) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آپکے زمانہ میں آپ سے بڑا حافظ حدیث، عالم اور احادیث کا جامع و مرتب اور کوئی نہ تھا (کتاب القراءۃ ص۳۰) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا (تذکرہ ص۹۹ ج۱) عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اب زہری سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا (تذکرہ ص۹۹ ج۱) عمرو بن دینار فرماتے تھے کہ میں نے حدیث میں کسی کو آپ سے زیادہ افقہ نہیں دیکھا (تہذیب التہذیب ص۴۴۷ ج۹) ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم آپکے سینہ میں محفوظ تھا (وفیات الاعیان ص۴۵۱ ج۱) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں آپ اپنے وقت میں سنت اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے، (فتاوی ابن تیمیہ ص۲۱۴ ج۲)

ابو العالیۃ الریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۱۱) مہاجر ابو العالیہ ریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی فقرأ فقرأ اصحابه فنزلت فاستمعوا له الآیۃ فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کتاب القراءۃ ص۳۴)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابو العالیہ ریاحی کبار تابعین میں سے تھے، ابو القاسم طبری فرماتے ہیں کہ آپ کی توثیق پر سب متفق ہیں (تہذیب الاسماء ص۲۴۸ ج۲) ابوبکر بن داؤد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ابو العالیہ سے بڑھ کر کوئی عالم قرآن نہ تھا (تذکرہ ص۵۸ ج۱) ابن سعد آپ کو کثیر الحدیث فرماتے ہیں (طبقات ابن سعد ص۸۱ ج۷) خود امام بیہقی قہقہہ فی الصلوۃ والی حدیث کے سوا آپ کی باقی تمام احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں (السنن الکبری ص۱۴۴ ج۱) امام عجلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں

سے ہیں، امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ حدیث ضحک فی الصلوٰۃ کے سوا آپکی تمام احادیث درست ہیں، (تھذیب التھذیب ص۲۸۵ ج ۳) مولیٰ طاش کبری زادہ فرماتے ہیں کہ آپ کبار تابعین میں سے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال بعد اسلام لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور آپ نے حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرآن کریم پڑھا ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین بار قرآن کریم سنایا (مفتاح السعادۃ ج۲، تھذیب التھذیب ص۲۸۵ ج۳)

قال الذھبی اما اذا ارسل ابو العالیۃ فحجۃ (میزان ص۳۲۸ ج ۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ کا مرسل حجت نہیں مگر جمہور محدثین نے ذہبی کے اس قول کو قبول نہیں کیا اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اس کو نقل نہیں فرمایا۔

عبید بن عمیر و عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ :

(۱۲) طلحۃ بن عبید اللہ بن کریز : عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں انما ذلک فی الصلوٰۃ یعنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا الآیۃ (تفسیر ابن جریر ص۱۱ ج ۹، تفسیر ابن کثیر ص۲۸۱ ج ۲)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ عبید بن عمیر عالم، واعظ اور کبیر القدر تھے (تذکرہ ص۴۷ ج ۱) ابن معین، ابو زرعہ اور ابن حبان آپ کو ثقہ لکھتے ہیں، عجلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے اور آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے (تھذیب التھذیب ص۷۱ ج ۷)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ کو ذہبی مفتی اہل مکہ، محدث، القدوہ اور العلم لکھتے ہیں (تذکرہ ص۹۲ ج ۱) ابن حبان فرماتے ہیں کہ آپ فقہ، ورع اور فضل میں تابعین کے سردار تھے۔ حافظ ابن حجر آپکو ثبت، حجہ، امام اور کبیر الشان لکھتے ہیں (تھذیب التھذیب ص۲۰۳ ج ۷) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ کبار و ثقات اور بلند پایہ تابعین میں سے تھے، دو سو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ، فقیہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے (البدایۃ والنھایۃ ص۳۰۶ ج ۹)

محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۱۳) ابو معشر محمد بن کعب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قراءت فرماتے تو آپ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ کے ساتھ قراءت کرتے تھے اس پر سورہ اعراف کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الآیۃ نازل ہوئی (کتاب القراءۃ ص)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ علم و فقہ میں مدینہ منورہ کے افضل ترین علماء میں سے تھے (تہذیب التہذیب ص ج ۹) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ائمہ تابعین میں سے تھے (تہذیب الاسماء ص ج ۱ قسم اول) حافظ عجلی آپ کو ثقہ، صالح اور عالم قرآن فرماتے ہیں، ابن سعد آپ کو ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث فرماتے ہیں عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر قرآن میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا (البدایۃ والنہایۃ ص ج ۹، تہذیب التہذیب ص ج ۹) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ مفسر قرآن تھے (دول الاسلام ص ج ۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر قرآن کے عالم، صالح اور عابد تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ج ۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بنو قریظہ میں ایک شخص پیدا ہوگا، فن تفسیر میں اس کی نظیر نہ ہوگی، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ پیشگوئی محمد بن کعب القرظی کے بارے میں ہے (البدایۃ والنہایۃ ص ج ۹) مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم جیسا مفسر قرآن اور کوئی نہ تھا (تحفۃ الاحوذی ص ج ۱)

مبارکپوری صاحب نے روایت مذکورہ کے ایک راوی ابو معشر کی بعض محدثین سے تضعیف نقل کی ہے مگر امام احمد، ابن معین اور ابو زرعہ جیسے جلیل القدر ائمہ نے آپ کی توثیق فرمائی ہے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ آپ سے بڑے بڑے ثقات نے روایت کی ہے، (میزان الاعتدال ص ج ۴، تہذیب التہذیب ص ج ۱۰) امام نعیم آپ کو کیس اور حافظ فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ج ۱۰) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا ظرف تھے اور امام نسائی نے آپ سے احتجاج کیا ہے (تذکرہ ص ج ۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص ج ۱۰)

علاوہ ازیں جن محدثین نے آپ کو ضعیف کہا ہے وہ بھی صرف روایت حدیث میں تضعیف کرتے ہیں۔ فن تفسیر میں آپ بالاتفاق مسلم امام تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل

۹

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، علی بن المدینی اور عمرو بن علی الفلاس وغیرہم ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابومعشر کی تفسیر سے متعلق روایات بالخصوص وہ روایات جو محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہیں بلاچون وچرا صحیح اور معتبر ہیں (تہذیب التہذیب ص۴۲۲ ج۱۰) آپکی روایت مذکورہ تفسیر کے بارے میں ہے اور محمد بن کعب سے ہے، اسلئے بالاتفاق صحیح اور معتبر ہے۔ اسی طرح آپ سے تاریخ کی روایت بھی بالاتفاق حجت ہے، امام خلیلی فرماتے ہیں وتاریخہ احتج بہ الائمۃ وضعفوہ فی الحدیث (تہذیب التہذیب ص۴۲۲ ج۱۰) جیسے محمد بن اسحق کہ صرف احکام سے متعلق احادیث میں ضعیف ہیں مگر مغازی کے امام ہیں،

حجیۃ المرسل:

آیت کریمہ کے شان نزول سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے جو روایات اوپر نقل کی گئی ہیں یہ انکا اپنا خیال نہیں بلکہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یعنی انکی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شان نزول بیان فرمایا ہے۔ تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق دوسرے دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ بحکم مرفوع ہے، اسی طرح جمہور امت کے نزدیک تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفسیر بھی بحکم مرفوع ہے اسلئے کہ جمہور محدثین وائمہ دین مرسل کو حجت تسلیم کرتے ہیں، تمام تابعین اور انکے بعد دوسری صدی کے آخر تک تمام ائمہ حدیث بالاجماع حجیت مرسل کے قائل تھے۔ وقال ابن جریر اجمع التابعون باسرہم علی قبول المرسل ولم یأت عنہم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدہم الی رأس المأتین قال ابن عبد البر کانہ یعنی الشافعی اول من ردہ (توجیہ النظر للجزائری ص۲۳۹، تدریب الراوی للسیوطی ص۱۲۰، منیۃ الالمعی للعلامۃ قاسم بن قطلوبغا ص۱) وقال العلامۃ الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ والاحتجاج بالمرسل کان سنۃ متوارثۃ جرت علیہ الامۃ فی القرون الفاضلۃ حتی قال ابن جریر رد المرسل مطلقا بدعۃ حدثت فی رأس المأتین اھ کما ذکرہ الباجی فی اصولہ وابن عبد البر فی التمہید وابن رجب فی شرح علل الترمذی (تانیب الخطیب ص۱۵۱) واما المراسیل فقد کان یحتج بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالک والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیہ (توجیہ النظر ص۲۳۹) وکذا ذکر النواب صدیق حسن خان فی "الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص۱۱"

نیز نواب صاحب فرماتے ہیں اعلال بارسال موجب ترک او نیست زیرا کہ قبول مراسیل مذہب جمع از فحول علماء اصول ست (ذیل الطالب ص۳۲۵)

حجیت مرسل کا سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے، آپ سے قبل قبول مرسل پر اجماع تھا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مرسل کو حجت قرار دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حجیت مرسل کا قطعاً انکار نہیں فرماتے بلکہ بعض شرائط کے ساتھ وہ بھی مرسل کو قبول فرماتے ہیں۔ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یقبل اذا اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر یباین الطریق الاولیٰ مسندا کان او مرسلا (شرح نخبۃ الفکر ص۲۹) بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائے گا (حاشیہ شرح نخبہ)

وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ ومذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ انہ یحتج بہ ومذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضدہ احتج بہ وذلک بان یروی مسندا او مرسلا من جہۃ اخری او یعمل بہ بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم او اکثر العلماء (مقدمۃ النووی لشرح صحیح مسلم ص۱۹)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں اذا کان المرسل من وجہین کل من الراویین اخذ العلم عن شیوخ اٰخر فہذا یدل علی صدقہ فان مثل ذلک لا یتصور فی العادۃ تماثل الخطأ فیہ وتعمد الکذب (منہاج السنۃ ص۱۱۷ ج ۴) ایسے مرسل کی حجیت پر امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص۱۲۳ میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد ص۱۲۳ ج۱ میں اور مبارکپوری نے ابکار المنن ص۱۳۱ میں اتفاق نقل کیا ہے، نیز مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں، مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (تحقیق الکلام ص۱۵ ج ۱) ہم اوپر بحوالہ تدریب الراوی ص۱۲۰ تحریر کر چکے ہیں کہ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بہر حال حجت تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ کوئی دوسرا مرسل یا مسند اسکا مؤید نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ آیہ کریمہ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا کے شان نزول سے متعلق مذکورہ بالا مراسیل امام شافعی اور امام ابن تیمیہ کے شرائط کے مطابق ہیں اور بالاجماع حجت ہیں۔

ائمۂ غیر مقلدین :

ائمۂ غیر مقلدین بھی اس واضح حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی

جن کی کتاب القراءۃ پر غیر مقلدین کے مسلک کا مدار ہے فرماتے ہیں انا لا ننکر نزول هذه الآية في الصلوة او في الصلوة والخطبة كما ذهب اليه من ذكرنا قوله من سلف هذه الامة (جزء القراءة ص۳۳)

وقال الشوکانی لان عمومات القرآن والسنة قد دلت على وجوب الانصات والاستماع والتوجه حال قراءة الامام للقرآن (نیل الاوطار ص۲۲۶ ج ۲)

وقال ابن تیمیة الذين ينهون عن القراءة خلف الامام جمهور السلف والخلف وهم مالك واصحابه ... الصحيحه والذين اوجبوها ... ضعفه (تنوع العبادات ص۴۵)

وقال ايضاً وقول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون قال احمد اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص۴۱۲ ج ۲۳)

نواب صاحب فرماتے ہیں این آیت دلالت نمی کند مگر بر منع قراءت در حال جہر امام بقراءت لقول فاستمعوا و ستماع نمی باشد مگر از برائے قراءت جہور پس نہ برائے قراءت مخافتت (دلیل الطالب ص۲۴۴)

اب ہم نصِ قرآنی میں فریقِ مخالف کی تاویلاتِ رکیکہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) مبارکپوری کا تعنّت :

مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام اور تحفۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب مؤمنین کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے جو تبلیغ کے وقت شور و غل مچایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر الکبیر جلد ۴ ص۳۸۵ میں لکھا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر واقعی خطاب مؤمنوں کو ہوتا تو لعلکم کے لفظ کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ لفظ ترجی کے لئے آتا ہے اور مؤمن بہر حال رحمت خداوندی کا مورد اور مستحق ہے

مبارکپوری صاحب کی یہ تحقیق محض تعنّت ہے اسلئے کہ ہم اوپر اجماعِ امت سے ثابت کرچکے ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ نماز میں قراءت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام رازی :

اجماعِ امت کے خلاف امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال معتبر نہیں بالخصوص جبکہ آپ نے اس خیال کی تائید میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی، اگر آپ کوئی روایت نقل

فرماتے تو بھی وہ قابل اعتماد نہ ہوتی اسلئے کہ ائمہ حدیث نے آپ کو عقلیات کا امام تسلیم کرنے کے باوجود تفسیر وحدیث میں آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام رازی عقلیات کے مسلم امام تھے لیکن احادیث و آثار میں ان کا پایہ کمزور ہے اسی وجہ سے ان کی تفسیر میں رطب ویابس سبھی کچھ ہے (لسان المیزان ص۴۲۶ ج۴)

قال الامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابو حیان فی البحر جمع الامام الرازی فی تفسیرہ اشیاء کثیرۃ طویلۃ لا حاجۃ بہا فی علم التفسیر ولذلک قال بعض العلماء فیہ کل شیء الا التفسیر (الاتقان ص۱۹۰ ج۲) وقال المولی طاش کبری زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابن السبکی فی طبقاتہ الکبری اعلم ان شیخنا الذہبی ذکر الامام فی کتاب المیزان فی الضعفاء وہذا امر لا معنی لہ من وجوہ اولہا انہ ثقۃ حبر من احبار الامۃ وثانیہا انہ لا روایۃ لہ وذکرہ فی الرواۃ مجرد فضول وتعصب وتحامل تقشعر منہ الجلود (الی قولہ) علی ان الامام من ائمۃ المسلمین وادخالہ فی جماعۃ لیس ہو منہم اعنی رواۃ الحدیث فان الامام لا روایۃ لہ (مفتاح السعادۃ ص۱۲۳ ج۱)

نواب صاحب فرماتے ہیں، مؤلف وے از علم حدیث بے خبر ست و در علوم کلام و فنون حکمیہ امام اہل زمان بعضے از اہل معرفت بعلوم کتاب وسنت گفتہ اند فیہ کل شیء الا التفسیر (اکسیر ص۱۰۲)
نیز فرماتے ہیں رازی از علم حدیث خبر ندارد (اکسیر ص۱۱۲)

پھر لفظ "لعل" سے استدلال بھی عجیب ہے، جبکہ شاہی محاورہ میں یقینی وعدہ کے لئے اس کا استعمال معروف ہے۔ قال العلامۃ عبد اللہ بن احمد النسفی ولعل للترجی والاطماع ولکنہ من کریم فیجری مجری وعدہ المحتوم وفاؤہ وبہ قال سیبویہ (مدارک التنزیل ص۲۷ ج۱)

اگر لفظ "لعل" مؤمنین کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں تو مندرجہ ذیل آیات کا کیا جواب ہوگا؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۲۴-۲۷)
وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲۴-۳۱)
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

تَذَكَّرُونَ ﴿۱۰۰-۹۲﴾

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر ہم ان مفسرین کے اقوال تحریر کریں جو اس آیت کا شان نزول نماز قرار دیتے ہیں تو دفتروں کے دفتر سیاہ ہو جائیں مگر ہم نے شان نزول سے متعلق صرف روایات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے بدون روایت اقوال مفسرین ذکر کرنے کی نہ حاجت اور نہ ہی اتنی طویل فہرست کے نقل کرنے کی فرصت۔

(۲) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول خطبہ ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القراءة ص میں لکھا ہے لہٰذا اس آیت سے قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے (ابکار المنن ص)

یہ بھی امام بیہقی کا اپنا خیال ہے کسی ایک بھی صحیح روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اجماع امت اور صحیح روایات کے مقابلہ میں امام بیہقی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ خود مبارکپوری صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ امام بیہقی اگرچہ ایک مشہور محدث ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (تحقیق ص ج ۱)

امام بیہقی کا خیال خلاف اجماع اور بلا دلیل ہونے کے علاوہ اس لئے بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق جمعہ ۱ھ میں فرض ہوا ہے، بالفرض قول البعض کے مطابق مکہ مکرمہ ہی میں جمعہ کی فرضیت تسلیم بھی کرلی جائے تو اقامت جمعہ بالاتفاق مدینہ منورہ میں ہوئی ہے مکہ میں کوئی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ وقال الامام البغوی رحمہ اللہ تعالیٰ الآیۃ مکیۃ والجمعۃ وجبت بالمدینۃ (معالم التنزیل علی هامش تفسیر ابن کثیر ص ج ۲) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد صاحب لکھتے ہیں، جو لوگ اس آیت کا شان نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا حکم مدینہ میں ہوا ہے (اعلام الاعلام ص)

اس سے عید کا خطبہ بھی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ نماز عید کا حکم بھی مدینہ منورہ میں ہوا ہے (طبری ص)

اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خطبۂ جمعہ یا عید اس آیت کا شان نزول ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز اس کا شان نزول نہیں کیونکہ اسباب نزول میں تعدد جائز ہے کما قال الشیخ عبد الرحمن بن الحسن (فتح المجید شرح کتاب التوحید ص) مثلاً آیۂ کریمہ

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا کا شان نزول صحیح بخاری ص۶۸۶ ج۲، صحیح مسلم ص۱۸۴ ج۱، سنن نسائی ص۱۱۶ ج۱، مسند احمد ص۲۱ ج۱ اور مسند ابی عوانہ ص۱۴۴ ج۲ میں نماز بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم اور مستدرک ابی عوانہ کے انہی مقامات میں اس کا شان نزول دعا بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ جلیلہ:

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایسے واقعات کو جو کسی حکم قرآنی کے تحت داخل ہوتے ہیں، اس آیت کا شان نزول بتا دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل شان نزول کچھ اور ہوتا ہے مگر اس واقعہ کو محض شمول فی الحکم کی وجہ سے شان نزول کہہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً آج کوئی چوری کرے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ آیت والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، قال الحافظ السيوطي رحمه الله تعالى وقال ابن تيمية قولهم نزلت هذه الآية في كذا يراد به تارة سبب النزول ويراد به تارة ان ذلك داخل في الآية وان لم يكن السبب كما تقول عني بهذه الآية كذا (الى قوله) وقال الزركشي في البرهان وقد عرف من عادة الصحابة والتابعين ان احدهم اذا قال نزلت هذه الآية في كذا فانه يريد بذلك انها تتضمن هذا الحكم لا ان هذا كان السبب في نزولها فهو من جنس الاستدلال على الحكم بالآية لا من جنس النقل لما وقع (الاتقان ص۳۱ ج۱) وقال الشاه ولي الله رحمه الله تعالى في الباب الرابع من الفوز الكبير وقسمے آن است کہ معنی آیت بعموم خود تام است بغیر احتیاج دانستن حادثہ کہ سبب نزول شدہ است و حکم عموم لفظ راست نہ خصوص سبب را۔ قدماء مفسرین بقصد احاطہ آثار مناسبہ بآن آیت یا بقصد بیان ما صدق آن عموم آن قصہ را ذکر کردہ اند، این قسم را ذکر کردن ضرور نیست، پیش این فقیر محقق شدہ است کہ صحابہ و تابعین بسیار بود کہ نزلت الآية في كذا می گفتند و غرض ایشان تصویر ما صدق آن آیت بود و ذکر بعض حوادث کہ آیت آن را بعموم خود شامل شدہ است خواہ این قصہ متقدم باشد یا متأخر، اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی، تمام قیود آیت را فرا گرفتہ شد یا بعض آن را، واللہ اعلم، ازین تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را درین قسم دخلی ہست و قصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست، پس این نکتہ مستحضر دارد حل مختلفات سبب نزول بادنی عنایت می توان نمود (الفوز الکبیر ص۲۵) یہی تحقیق نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی نقل فرمائی ہے (اکسیر ص۱۹)

پس جن حضرات نے آیۂ کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کا شان نزول خطبہ جمعہ یا خطبہ عید بتایا ہے انکا یہی مقصد ہے کہ استماع وانصات کا حکم خطبہ کو بھی شامل ہے ، ان کے قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس آیت کا اصل شان نزول ہی خطبہ ہے لما قدمنا ان الآیۃ مکیۃ والجمعۃ فرضت فی المدینۃ ،

غرضیکہ یہ آیت بالاجماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسکا مدلول اوّل نماز ہی ہے مگر بحکم علت خطبۂ جمعہ وعید کو بھی شامل ہے ۔

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں بحالت اقتداء بلند آواز سے کلام کیا کرتے تھے اس سے ممانعت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، امام بیہقی نے اپنے اس دعوی کے اثبات کے لئے چار روایات نقل کی ہیں (کتاب القراءۃ ص ۴)

امام بیہقی کا یہ دعوی اس لئے صحیح نہیں کہ ہم اسانید صحیحہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ عام کلام کے بارے میں ،

امام بیہقی نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ سب ضعیف و معلول ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

پہلی روایت : اس میں دو راوی محمد بن دینار اور ابراہیم ہجری ضعیف ہیں، محمد بن دینار کی امام ابن معین، دارقطنی نسائی اور عقیلی نے تضعیف کی ہے ، امام ابو داود فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا (تھذیب التھذیب ص ۱۵۶ ج ۹) اور ابراہیم ہجری کو امام بخاری، نسائی ، ترمذی ، احمد، ابن معین ، ابوزرعہ ، سعدی ، حربی ، ابو حاتم ، ابن عدی اور علی بن الحسین بن الجنید سب نے ضعیف قرار دیا ہے (تھذیب التھذیب ص ۱۶۵ ج ۱، میزان الاعتدال ص ۳۱ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ہجری کو منکر الحدیث فرمایا ہے اور ائمۂ حدیث کا فیصلہ ہے کہ امام بخاری جس کو منکر الحدیث قرار دیں اس کی روایت قبول کرنا جائز نہیں ہے (میزان ص ۶ ج ۱، طبقات سبکی ص ۹ ج ۲، تدریب الراوی ص ۲۳۴)

دوسری روایت : اس میں مؤمل بن اسمٰعیل ہیں ان کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے ، علاوہ ازیں ابو حاتم، ابن حبان، یعقوب بن سفیان، ساجی، دارقطنی ، ابن سعد ، ابن قانع ، محمد بن نصر مروزی اور امام ابوزرعہ انکو کثیر الخطاء سیئ الحفظ، منکر الحدیث ، کثیر الغلط قرار دیتے ہیں اور انکی روایات قبول کرنے سے منع فرماتے ہیں

(تہذیب التہذیب ص۳۳۸ ج ۱۰، میزان ص۱۲۲ ج ۳)

تیسری روایت: اس کے راوی عبد اللہ بن عامر کی امام بخاری، امام احمد، نسائی، ابوداود، ابوزرعہ، ابوحاتم، دارقطنی، سعدی، امام ابن معین، ابواحمد الحاکم اور ابوحاتم نے تضعیف کی ہے اور امام ابن المدینی نے "ضعیف ضعیف" دوبار فرما کر دوہری تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص۲۷۵ ج ۵، میزان ص۳۵ ج ۲، لسان ص۳۲۳ ج ۳)

چوتھی روایت: اسمیں عاصم بن عمر ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکو منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام ترمذی، امام احمد، ابن معین اور جوزجانی نے انکی تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص۵۴ ج ۵، میزان ص۳۶ ج ۲)

جن راویوں پر ایک ورجن ائمہ حدیث نے جرح کی ہو ان کی روایت سے استدلال اور کہلا گیا پھر بھی اہل حدیث! ایں چہ بوالعجبی است

اس آیت کا شان نزول کلا فی الصلوٰۃ نہیں اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اجماع اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں قراءت قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) امام بیہقی نے جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں وہ سب انتہائی درجہ کی ضعیف ہیں۔

(۳) صحیح حدیث سے ثابت ہے نماز میں کلام کی ممانعت آیۂ کریمہ وقوموا للہ قانتین سے ہوئی ہے، کما رواہ الشیخان رحمہما اللہ تعالیٰ عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بخاری ص۱۶۰ ج ۱، مسلم ص۲۰۴ ج ۱)

(۴) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۱۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں، واذا قرئ القرآن الآیۃ دوسری آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ بعد میں نازل ہوئی ہے جس پر یہ دلائل ہیں۔

(۱) امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پوری سورۂ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے (الاتقان ص۱۲ ج ۱)

(۲) اسی آیت میں حکم زکوٰۃ بھی مذکور ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہمیں صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

تھا، زکوٰۃ فرض ہوئی تو صدقۂ فطر ادا کرنے کا نہ تاکیدی حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا،
اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ صدقۂ فطر کے بعد فرض ہوئی ہے اور صدقۃ الفطر تتمۂ صوم ہے
اور صوم بالاتفاق مدینۂ طیبہ میں فرض ہوا ہے (فتح الباری ص… ج ۳)

(۲) امام ابو نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن مدینہ
میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں قتال کا ذکر ہے اور وہ مدینہ میں فرض ہوا ہے (قیام اللیل ص…)
مبارکپوری صاحب کا یہ دعوٰی غلط ہے، انھوں نے فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے متأخر
فی النزول ہونے پر جو دو دلیل بیان کئے ہیں انکے جواب بالترتیب ملاحظہ ہوں،

دلیل اول کا جواب: امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ یہ قول نقل کیا ہے مگر اس پر
سخت تردید بھی فرمائی ہے، وعبارتہ (المزمل) استثنی منہا واصبر علی ما یقولون الآیتین
حکاہ الاصبہانی وقولہ ان ربک یعلم الی آخر السورۃ حکاہ ابن الفرس ویردہ ما اخرجہ الحاکم عن عائشۃ
رضی اللہ عنہا انہ نزل بعد نزول صدر السورۃ بسنۃ وذلک حین فرض قیام اللیل فی اول الاسلام قبل
فرض الصلوات الخمس (الاتقان ص… ج۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مسلم ص… ج۱، نسائی ص… ج۱
مستدرک ص… ج۲ میں بسند صحیح مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی مضمون کی روایت
مستدرک ص… ج۲ اور سنن کبریٰ ص… ج۲ میں ہے، یہ صحیح السند روایات ابن فرس کی اس روایت سے
بدرجہا زیادہ قوی ہیں جس میں یونس بن حبیب جیسا بالکل مجہول راوی ہے۔ ان روایات سے ثابت
ہوا کہ سورۂ مزمل کا آخری حصہ اول سے ایک سال کے بعد نازل ہوا ہے اور سورۂ مزمل کا ابتدائی
حصہ بالاتفاق نبوت کے بالکل ابتدائی دور کا ہے۔ خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں سب سے پہلے
سورۂ قلم نازل ہوئی اور اسکے بعد سورۂ مزمل (تحقیق الکلام ص… ج۲)

دلیل دوم کا جواب: یہ دعوٰی بھی صحیح نہیں کہ زکوٰۃ مدینۂ طیبہ میں فرض ہوئی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ حکم زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا، سورۂ مؤمنون، سورۂ حم سجدہ اور
سورۂ لقمان میں زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے حالانکہ یہ سورتیں مکی ہیں، یؤتون الزکوٰۃ کی تاویل بتزکیہ
نفس توجیہ رکیک اور بعید از قیاس ہے، علاوہ ازیں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں جو تقریر کی تھی اسمیں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے (مسند احمد
ص… ج۵، مستدرک ص… ج۲، وقال الحاکم والذہبی علی شرطہما) حالانکہ ان حضرات
کی حبشہ کی طرف ہجرت ابتداء نبوت سے پانچویں سال میں ہوئی تھی (طبری ص… زاد المعاد ص…)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے قبل فرض ہو چکی تھی (فتح الباری ص ۲۶۶ ج ۳) امام رازی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں (تفسیر کبیر ص ج ۳) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی تھی (روح المعانی ص) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، سورۂ مزمل کی آخری آیت ان حضرات کی تائید کرتی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی مگر اس کے نصاب و مقدار کی تعیین مدینہ منورہ میں ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۹ ج ۴) اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فرضیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ کے نصاب و مقدار کی تعیین ہے۔ ونظیرہ ما قالہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (انما کان ھذا قبل ان تنزل الزکاۃ) ھذا مشعر بان الوعید علی الاکتناز وھو حبس ما فضل عن الحاجۃ عن المواساۃ بہ کان فی اول الاسلام ثم نسخ ذلک بفرض الزکاۃ لما فتح اللہ الفتوح وقدرت نصب الزکاۃ فعلی ھذا المراد بنزول الزکاۃ بیان نصبھا ومقادیرھا لا انزال اصلھا واللہ اعلم (فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۳)

دلیل سوم کا جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام ابو نصر کا اس آیت کو مدنی قرار دینا غلط ہے، ان کو اس میں ذکر قتال سے مغالطہ ہوا ہے، حالانکہ یہیں حرف "س" بتا رہا ہے کہ آئندہ حکم قتال وارد ہوگا، اس لئے آئندہ آنے والی مشقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کی تاکید ساقط فرمادی۔ ونصہ وذکر الشافعی عن بعض اھل العلم ان صلاۃ اللیل کانت مفروضۃ ثم نسخت بقولہ تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر منہ فصار الفرض قیام بعض اللیل ثم نسخ ذلک بالصلوات الخمس واستنکر محمد بن نصر المروزی ذلک وقال الآیۃ تدل علی ان قولہ تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر منہ انما نزل بالمدینۃ لقولہ تعالیٰ فیھا وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ والقتال انما وقع بالمدینۃ لا بمکۃ والاسراء کان بمکۃ قبل ذلک انتھی وما استدل بہ غیر واضح لان قولہ تعالیٰ علم ان سیکون ظاھر فی الاستقبال فکانہ سبحانہ وتعالیٰ امتن علیھم بتعجیل التخفیف قبل وجود المشقۃ التی علم انھا ستقع لھم واللہ اعلم (فتح الباری ص ۳۹۳ ج ۱)

پھر مبارکپوری صاحب کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ واذا قرئ القرآن الآیۃ سے فاقرءوا ما تیسر الآیۃ کا تاخر نسخ کو مستلزم ہے، نسخ تو تب ہوتا کہ ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں

باہم مخالفت ہوتی، حالانکہ یہاں کوئی مخالفت نہیں اسلئے کہ پہلی آیت قرأت خلف الامام سے متعلق ہے اور دوسری نماز تہجد کے بارے میں ہے، چنانچہ خود غیر مقلد عالم مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ سورۂ مزمل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لئے اترا ہے (تفسیر واضح البیان ص۸۲۲) مبارکپوری صاحب نے بھی روح المعانی سے اسکو نقل کیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص۲۵۲ ج ۱) امام بیہقی فرماتے ہیں وھذا معروف مشھور فیما بین اھل العلم (کتاب القراءۃ ص۱۰۸) وقال الشوکانی نزلت فی قیام اللیل فلیست مما نحن فیہ (نیل الاوطار ص۲۱۲ ج ۲) اسی طرح ابو داود ص۱۲۲ ج ۱، عون المعبود ص۳۰۶ ج ۱، اعلام الموقعین لابن القیم ص۳۰۲ ج ۲، السراج المنیر للعلامۃ الشربینی ص۴۳۲ ج ۴، تفسیر العلامۃ ابی السعود علی ہامش التفسیر الکبیر ص۲۸۰ ج ۸ میں بھی اسکی تصریح ہے۔ غرضیکہ مبارکپوری صاحب کا دعوائے نسخ غلط ہے۔
نواب صدیق حسن خان صاحب سورۂ اعراف سے متعلق تحریر فرماتے ہیں درویے یک آیت یا دو آیت منسوخ است باقی ہمہ محکم اول خذ العفو وأمر بالعرف دوم واعرض عن الجاھلین (افادۃ الشیوخ ص۲۲) اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ آیت فاقرؤا ما تیسر سے قرأت کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی (تحفۃ الاحوذی ص۲۵۴ ج ۱)

(۵) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۳۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن مکی ہے اور امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں احادیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۷ھ میں اسلام لائے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام کا حکم مدینہ منورہ میں ہوا ہے لہٰذا یہ احادیث آیت کے لئے ناسخ ہیں، مولانا میر صاحب نے بھی تفسیر واضح البیان ص۲۴۳ میں یہی لکھا ہے،

ان حضرات کا ستم ملاحظہ ہو کہ خبر واحد سے نص قرآنی کو منسوخ قرار دے رہے ہیں پھر قرأت خلف الامام سے متعلق کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، اس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ، ایسی ضعیف، معلول اور مجمل روایات سے نص قرآنی کے نسخ کا دعوی برگ گل سے قطع الماس ہے، نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں، ناسخ

مثل منسوخ باشد در قوت جملہ اقوی ازاں چہ در صورت ضعف مزیل قوی نتواند شد وایں حکم معقل ست واجماع برآں دلالت کردہ، چہ صحابہ نقل قرآن را بخبر واحد منسوخ نکردہ اند

(افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ص۳)

علاوہ ازیں حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدنی ہونے کی وجہ سے انکی حدیث کو بھی مدنی قرار دینا غلط ہے، اسلئے کہ آپ بیعت عقبۂ اولیٰ و عقبۂ ثانیہ دونوں میں موجود تھے ممکن ہے کہ آپ کی روایت اس وقت کی ہو۔ پھر مدنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منع قراءت کی روایات بھی تو ہیں، کما سیأتی

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص۲۳ ج۲ میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ اعراف عقبۂ اولیٰ سے بھی قبل نازل ہو چکی تھی کیونکہ ۱۰ نبوی میں پہلے سورۂ جن نازل ہوئی پھر سورۂ اعراف (طبقات البحار ص[illegible] ج۲) اور بیعت عقبۂ اولیٰ ۱۲ نبوی میں اور بیعت عقبۂ ثانیہ ۱۳ نبوی میں ہوئی ہے نیز عقبۂ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہ تھی اسلئے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بہرکیف آیت سے متأخر ہے،

مبارکپوری صاحب کی اس نکتہ رسی پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے، اولاً اسلئے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیعت عقبۂ اولیٰ رجب ۱۱ نبوی میں ہوئی ہے اور عقبۂ ثانیہ ۱۲ نبوی میں (البدایۃ والنہایۃ ص۱۴۹ ج۳) ثانیاً امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت ابتداء اسلام ہی سے مشروع ہے (نووی علی مسلم ص۲۳۲ ج۱، فتح الباری ص۲۱ ج۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبول اسلام کے بعد جب اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لے گئے تو نصف قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا اور حضرت ایماء بن رحضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امامت کیا کرتے تھے، (صحیح مسلم ص۲۹۷ ج۲، مسند احمد ص۱۷۴ ج۵) حالانکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، آپ سے قبل مردوں میں سے صرف حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خواتین میں سے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائی ہیں (مستدرک ص۳۴۲ ج۳، تذکرہ ص۱۸ ج۱، الکمال ص[illegible])

علاوہ ازیں اگر بیعت عقبۂ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہیں تھی تو لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اسلئے کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول بالاتفاق قراءت خلف الامام ہے

پس حدیث عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس آیت سے تاخر ثابت ہوا، یہ بحث محض اشباع کلام کے طور پر لکھدی ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ یہ روایات ضعیفہ غیر صریحہ نص قرآنی کیلئے ناسخ نہیں بن سکتیں۔

(۶) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن الآیۃ سے وإذا قرئ القرآن الآیۃ منسوخ نہیں لیکن اسمیں نسخ کا احتمال تو موجود ہے جب اسمیں یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال کیسے؟ (تحقیق الکلام صہ۱۹ ج ۲)

مبارکپوری صاحب کا یہ خیال بھی درست نہیں اسلئے کہ استدلال سے وہ احتمال مانع ہے جو ناشی عن دلیل ہو، اگر یہاں احتمال نسخ کسی دلیل پر مبنی ہوتا تو امام احمد، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالبر رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر جمہور امت اس آیت سے استدلال نہ فرماتے، حالانکہ اس سے متعلق ہم اوپر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے قول اجماع نقل کر چکے ہیں۔

(۷) مبارکپوری صاحب ابکار المنن صہ۱، تحفۃ الاحوذی صہ۲۵۱ ج۱ اور تحقیق الکلام صہ۶۳ ج۲ میں در مولانا میر صاحب تفسیر وضح البیان صہ۲۲۳ میں ملا جیون اور علامہ تفتازانی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اسلئے وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا سے استدلال صحیح نہیں۔

ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ کا حنفی ہونا مسلم ہے مگر کسی شخصیت پر تحقیق کا مدار نہیں، اور علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حنفی قرار دینا غلط ہے آپ شافعی تھے، صاحب کشف الظنون علامہ کاتب چلپی، علامہ حسن چلپی، علامہ سیوطی اور علامہ محمود الکفوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بہرکیف کسی شخصیت کے قول سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن متقدم ہے اور وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا متاخر ہے، نیز پہلی آیت نماز تہجد کے بارے میں ہے اور دوسری قراءت خلف الامام کے بارے میں، جب دلائل میں تقدم و تاخر معلوم ہو اور پھر دونوں کا محل بھی جداگانہ ہو تو قول تعارض کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اگر بالفرض ان دونوں آیتوں میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو رفع تعارض کے لئے سب سے پہلے صورت تطبیق تلاش کی جاتی ہے وہ نہ ہو سکے تو ترجیح پھر تیسرے درجہ میں تساقط کا حکم ہے، ان آیتوں میں صورت تطبیق بھی پائی جاتی ہے اور وجہ ترجیح بھی۔

صورت تطبیق: ایک صورت تو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ایک آیت میں فرض

نماز میں قرأت کا بیان ہے اور دوسری آیت میں نماز تہجد میں قرأت کا حکم ہے، علاوہ ازیں اگر دونوں آیتوں کو نماز فرض ہی سے متعلق فرض کر لیا جائے تو صورت تطبیق یہ ہے سورۂ مزمل کی آیت میں امام اور منفرد کو قرأت کا حکم فرمایا گیا ہے اور سورۂ اعراف میں مقتدی کو قرأت سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ فاقرؤا ما تیسر سے سورۂ فاتحہ سے زائد قرأت مراد ہے (کتاب القرأۃ ص۔۔، ص۱۵، ص۱۶) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی مضمون کی روایت بسند حسن نقل کی ہے (دارقطنی ص۱۱۹ ج۱)

مولانا میر صاحب لکھتے ہیں، الغرض آیت فاقرؤا ما تیسر میں اگر قرأت سے قراءۃ القرآن فی الصلوٰۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرأت ہے (تفسیر ثنائی ص۲۴۶)

چونکہ اہلحدیث بھی مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ سے زائد قرأت کی ممانعت کے قائل ہیں اسلئے لازماً اس سے امام یا منفرد مراد ہوگا،

صورت ترجیح!

اگر بالفرض تطبیق کی کوئی صورت نہ ہوتی تو بلاشبہ سورۂ اعراف کی آیت راجح قرار پاتی اسلئے کہ اوپر روایات صحیحہ اور جمہور امت کی تصریحات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو قرأت خلف الامام سے منع فرمایا گیا ہے،

(۸) امام بیہقی کتاب القرأۃ ص۵۱ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۹۵ ج۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں سکوت بمعنی اخفاء بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسکاتک ما بین التکبیر والقراءۃ ما تقول؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللّٰھم باعد بینی و بین خطایای الخ پڑھتا ہوں، (صحیح بخاری ص۱۰۳ ج۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر آہستہ پڑھنے کو سکوت سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح مستدرک وغیرہ میں روایت ہے ویسکت بعد القراءۃ ھنیۃ یسأل اللّٰہ من فضلہ، اسمیں سکوت اور سوال کا اجتماع ہے، لہذا امام کے پیچھے آہستہ پڑھنا آیت میں حکم انصات کے خلاف نہیں،

ان حضرات کی یہ تاویل اسلئے باطل ہے کہ سکوت کے حقیقی معنی مکمل خاموشی ہی کے ہیں، قال الامام الراغب الاصفہانی السکوت مختص بترک الکلام (مفردات ص۲۴۵) وقال الامام

ابن خالویہ تزف الرجل اذا انقطعت حجتہ عند المناظرۃ وسکت واسکت مثلہ (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص۸۱) وقال مجد الدین الفیروزآبادی سکت انقطع کلامہ فلم یتکلم (القاموس ص۱۴۹ ج۱) وکذا فی المنجد ص۳۴۲ وقال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان السکوت یدل علی معناہ انہ لم یقل شیئا ولم یفعل امرا ولم یتصرف فی قول ولا فعل ولا شک ان هذا المعنی عدمی محض (مناظرات امام رازی ص۳۰) ائمہ لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ سکوت کے معنی ترک کلام اور مکمل خاموشی کے ہیں، مگر کبھی مجازاً جہر کے مقابلہ میں بمعنی اخفاء بھی استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ حالت جہر میں دوسرے لوگ بھی اسکے کلام کو سن رہے تھے اسکے بعد اخفاء کی حالت میں سامعین کے نزدیک کلام معدوم ہے کیونکہ وہ نہیں سن رہے، اس مناسبت سے بوقت قرینہ صارفہ عن الحقیقت سکوت بمعنی اخفاء مجازاً آتا ہے، وقال الامام ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ انما سمیناہ ساکتا مجازا لان من لا یسمع یظنہ ساکتا (احکام القرآن ص۶۴ ج۳) پس جہاں مجازی معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں ہوگا وہاں سکوت سے اسکے حقیقی معنی یعنی مکمل خاموشی ہی مراد ہوگی، حقیقی معنی مراد لینے کے لئے کسی قرینہ اور دلیل کی حاجت نہیں ہوتی، لہٰذا قراءۃ القرآن کے وقت حکم انصات حقیقی معنی ہی میں مستعمل ہے اس پر یہ دلیل بھی ہے کہ ابتداء نزول وحی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ خود بھی پڑھا کرتے تھے صحیح بخاری کی روایت میں ہے وکان مما یحرک شفتیہ اسپر حکم ہوتا ہے لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ الآیۃ، وکان مما یحرک شفتیہ سے ثابت ہوا کہ آپ آہستہ پڑھتے تھے پھر بھی قرآن لا تحرک بہ لسانک میں تصریح ہے کہ زبان تک ہلانے کی بھی اجازت نہیں، نیز آیت مذکورہ میں فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں مروی ہے فاستمع لہ وانصت (صحیح بخاری ص۳ ج۱) اس سے معلوم ہوا کہ انصات بوقت قراءت کے معنی مکمل خاموشی کے ہیں کہ زبان کو بھی حرکت نہ ہو۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فصل الخطاب ص۶ میں حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں سکوت سے مطلقاً سکوت مراد نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ سے سکوت مراد ہے جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امرنا بالسکوت کی شرح میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حکم سابق

یعنی نماز میں کلام وسلام سے سکوت مراد ہے مطلقاً سکوت مراد نہیں کہ ثناء، آمین، تسبیح، تحمید، تشہد اور درود شریف بھی نہ پڑھو، (فتح الباری ص[illegible] ج ۲) اسی طرح حدیث سکتتان ہنالک ویسکت بعد القراءة هنیة حتی یسأل اللہ من فضلہ میں قرات سے سکوت اور مجمع الزوائد کی روایت من صام رمضان فی الصحاح الخ میں جھوٹ غیبت وغیرہ لغویات سے سکوت مراد ہے، اذان کا جواب دینا سکوت کے منافی نہیں اسلئے کہ اذان کے ہر کلمہ کے بعد جواب کے لئے وقفہ ہے، بخلاف نماز میں سکتات کے کہ ان کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں کما سیاتی

ہم امام بیہقی اور مبارکپوری سے دریافت کرتے ہیں کہ حالت خطبہ میں آپ تسبیح وغیرہ آہستہ پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے اور یہاں حکم سکوت سے سرًا پڑھنا کیوں نہیں مراد لیتے؟ قرآن کریم ہی کے الفاظ میں یہ چال کیوں سوجھی؟ بالخصوص جبکہ آپ اس آیت کا شان نزول خطبہ بتاتے ہیں، کیا یہ کھلا عناد اور صریح بے انصافی نہیں کہ جس آیت سے حالت خطبہ میں ترک کلام ثابت کر رہے ہیں اسی سے حالت نماز میں قرات سرًا کا حکم دے رہے ہیں۔

حالت خطبہ میں تحیۃ المسجد پڑھنا:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی جزء القراءة ص[illegible] میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالی کتاب القراءة ص[illegible] میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ حالت خطبہ میں سکوت کا حکم اسقدر مؤکد ہے کہ اسوقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی اجازت نہیں لقوله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت فقد لغوت (بخاری ص[illegible] ج ۱، مسلم ص[illegible] ج ۱) لیکن اسکے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو وہ مختصر طور پر دو رکعتیں پڑھ لے اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیهما (بخاری ص۱۲۷ ج ۱، مسلم ص۲۸۷ ج ۱) ان دو رکعتوں میں لازماً قرات قرآن ہوگی جس طرح یہ حکم انصات کے منافی نہیں اسی طرح مقتدی کی قرات بھی آیت استماع وانصات کے منافی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک حالت خطبہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں اسلئے کہ بوقت خطبہ حکم انصات عام ہے جس طرح خطبہ کی حالت میں کلام کرنا اور (۱) ذکر وتسبیح وغیرہ انصات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اسی طرح نماز پڑھنا بھی

انصات کے منافی ہے، اسلئے یہ بھی جائز نہیں، بوقت خطبہ انصات کے حکم عام کے علاوہ بالخصوص نماز سے ممانعت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے ثم یصلی ما کتب الله له ثم ینصت اذا تکلم الامام (بخاری ص۱۲۱ ج۱، مسلم ص۲۸۳ ج۱، طیالسی ص۳۱۶)

وعن نبیشة الهذلی رضی الله تعالى عنه مرفوعا فان لم یجد الامام خرج صلی ما بدا له وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت رواه احمد ورجاله رجال الصحیح خلا شیخ احمد وهو ثقة (مجمع الزوائد ص۱۷۱ ج۲)

حدیث بالا میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ کا نام علی بن اسحٰق ہے (فتح الملہم ص۴۱۵ ج۲) امام نسائی، امام ابن معین، حافظ ابن حبان، ابن سعد اور محمد بن حمدویہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب ان کی توثیق فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص۲۸۳ ج۷) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی انکو ثقہ قرار دیا ہے (تقریب ص۲۴۰) حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب میں صرف صحیح اور حسن روایات ذکر کرونگا (بشرط الصحة والحسن فیما اورده من ذلك (مقدمة الفتح ص۴)) اور حدیث مذکور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری ص۳۴۹ ج۲ میں ذکر فرمائی ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح یا حسن ہے۔

خیر الکلام ص۴۹۲ میں اسکی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اسمیں عطاء خراسانی ہے جسکے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ارسال، تدلیس اور کثرت وہم کا شکار تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی حدیث نہیں لی (تقریب ص۲۴۰) نیز فرماتے ہیں کہ یہ بخاری کی شرط پر نہیں (مقدمہ فتح الباری ص۴۲۳) اسلئے علامہ ہیثمی کا قول "رجاله رجال الصحیح" وہم ہے۔

درحقیقت یہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم ہے، اسلئے کہ صحیح بخاری جلد ثانی ص۷۲۲ اور ص۹۶۹ میں عطاء سے روایت موجود ہے، اور محدث ابو مسعود دمشقی اور علامہ قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ عطاء خراسانی ہی ہیں بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق یہ نسائی، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ کے علاوہ صحیح مسلم کے بھی راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص۲۱۲ ج۷)

ان نصوص کی بناء پر جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ

تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے (نووی علی صحیح مسلم ص۲۸۷ ج۱) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقہاء و محدثین کا یہی مسلک تھا (ترمذی ص۶۸ ج۱) علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عروۃ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، امام زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی اور قاضی شریح رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک تھا (فتح الملہم ص۴۱۳ ج۲) فریق ثانی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جمہور کے نزدیک بحالت خطبہ تحیۃ المسجد جائز نہیں، چنانچہ مؤلف خیر الکلام اس مسئلہ میں قول جمہور کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جمہور یت حدیث کے معاملہ میں حجت نہیں (خیر الکلام ص۴۹۱)

جناب والا قارئین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ مسلک جمہور، حدیث کے خلاف ہے یعنی حدیث صرف وہ ہے جس کو جناب حدیث کہیں ورنہ صریح و صحیح احادیث جن پر جمہور امت کا عمل ہو وہ بھی حدیث نہیں بلکہ حدیث کی مخالفت ہے،

اگر معاذ اللہ جمہور صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء اور ائمہ دین نے حدیث کو نہیں سمجھا یا عمداً حدیث کی مخالفت کرتے رہے تو قرآن، حدیث اور پورے دین اسلام سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے جب خطبہ کی حالت میں یہ بھی ممنوع ہے تو نوافل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ تعجب ہے کہ غیر مقلدین قیام جماعت کے بعد فجر کی سنتوں کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ یہ آکد السنن ہیں مگر بحالت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، پھر یہ کہ خارج جماعت کے لئے بوقت قیام جماعت انصات کا حکم نہیں اور بوقت خطبہ حاضرین کو انصات کا حکم ہے، سنت فجر کو ممنوع اور بوقت خطبہ تحیۃ المسجد کو جائز قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

حدیث جواز کا جواب:

(۱) امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن کبری میں اس حدیث کا ترجمۃ الباب باب الصلوٰۃ

قبل الخطبۃ قائم فرمایا ہے (زیلعی ص۱۳۲ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہے اور حدیث میں یخطب بمعنی یرید الخطبۃ ہے کما فی قولہ تعالیٰ یاایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الاٰیۃ، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا قرأ الامام فانصتوا کی شرح میں فرماتے ہیں قالوا معناہ اذا اراد القراءۃ (نووی علی مسلم ص۱۷۴ ج ۱)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے والامام یخطب او قد خرج (بخاری ص۱۶۱ ج ۱) وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ متفق علیہ (فتح الباری ص۳۱۳ ج ۲) اس حدیث سے بھی امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی تائید ہوتی ہے، اسلئے کہ اس میں راوی بصورت تردد بیان کر رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یخطب فرمایا یا قد خرج فرمایا، سامع کو بالعموم تردد الفاظ مترادفہ میں ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ راوی یخطب بمعنی اراد ان یخطب لے رہا ہے، اس "او" کو تنویع کے لئے نہیں کہہ سکتے، اسلئے کہ اس صورت میں صرف یخطب فرمانا کافی تھا، جب حالت خطبہ میں جواز ثابت ہوگیا تو قبل الخطبہ بطریق اولیٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا لہٰذا یخطب کے بعد او قد خرج عبث ہو جاتا ہے، ہاں اگر عبارت برعکس یوں ہوتی والامام قد خرج او یخطب تو او بمعنی بل للترقی لینے کی گنجائش تھی، نیز اگر "او" تنویع کے لئے ہوتا تو جمہور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حالت خطبہ و غیر خطبہ میں فرق نہ فرماتے بلکہ دونوں صورتوں میں یکساں جواز تحیۃ المسجد کے قائل ہوتے،

علاوہ ازیں حدیث کے الفاظ ولیتجوز فیھما میں حکم ہے کہ تحیۃ المسجد مختصر پڑھے یہ مستقل دلیل ہے کہ یہ حکم اسوقت ہے جبکہ امام خطبہ کے لئے تیار ہو، اگر حالت خطبہ میں بھی نماز جائز ہے اور یہ حکم انصات کے منافی نہیں تو بحالت خطبہ تحیۃ المسجد میں اختصار کا حکم کیوں؟ جب حکم انصات اور تحیۃ المسجد دونوں پر بیک وقت عمل ہو رہا ہے تو تحیۃ المسجد خوب اطمینان سے ادا کرنا چاہئے، اختصار کا مقتضی کیا امر ہے؟

(۲) یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے بعض رواۃ نے اس کو عام سمجھ کر نقل بالمعنی کے تحت قاعدہ کلیہ بنا دیا، قصہ یہ ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خستہ حالت میں مسجد میں داخل ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں تاکہ

لوگ ان کی حالت زار دیکھ کر انکی امداد کی طرف متوجہ ہوں، اور آپ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، سنن نسائی میں ہے جاء رجل یوم الجمعة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب بھیئة بذة فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت قال لا قال صل رکعتین وحث الناس علی الصدقة (نسائی ص۲۰۸ ج۱) مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہ الفاظ ہیں ان ھذا الرجل دخل المسجد فی ھیئة بذة فامرته ان یصلی رکعتین وانا ارجو ان یفطن له رجل فیتصدق علیه (فتح الباری ص۳۲۶ ج۲) اس روایت کی سند سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واما قصة سلیک رضی اللہ تعالیٰ عنه فقد ذکر الترمذی انها اصح شیء روی فی ھذا الباب واقوی (فتح الباری ص۳۲۳ ج۲) بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں ارکع رکعتین ولا تعودن لمثل ھذا (دارقطنی ص۱۶۱ ج۱) اس روایت سے استدلال مقصود نہیں بلکہ صرف تائید پیش کی گئی ہے، خود سلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس امر کو عام اور قاعدہ کلیہ نہیں سمجھا، اگر وہ اسکو عام قاعدہ سمجھتے تو آئندہ کے لئے وہ اسکی تعمیل میں غفلت نہ کرتے حالانکہ تین جمعہ تک مسلسل یہی واقعہ پیش آتا رہا کہ انھوں نے تحیة المسجد از خود ادا نہیں کیا ولاحمد وابن حبان انه کرر امرہ بالصلاة ثلاث مرات فی ثلاث جمع (فتح الباری ص۳۲۳ ج۲)

اس جواب پر حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں رد فرماتے ہیں والتعلیل بکونه صلی اللہ علیه وسلم قصد التصدق علیه لا یمنع القول بجواز التحیة فان المانعین منها لا یجیزون التطوع لعلة التصدق قال ابن المنیر فی الحاشیة لو ساغ ذلك لساغ مثله فی التطوع عند طلوع الشمس وسائر الاوقات المکروھة (فتح الباری ص۳۲۵ ج۲)

ابن منیر اور حافظ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ اعتراض جب صحیح ہوتا کہ مانعین تحیة المسجد تصدق کو حکم کی علت اور مدار قرار دیتے، حالانکہ تصدق علت نہیں بلکہ تخصیص کی حکمت ہے۔

نیز تخصیص بھی بحالت خطبہ نماز پڑھنے میں نہیں بلکہ تخصیص اس امر میں ہے کہ ان کی خاطر خطبہ میں تاخیر کی گئی، کما فی روایة اللیث عند مسلم رحمه اللہ تعالیٰ والنبی صلی اللہ علیه وسلم قاعد علی المنبر (فتح الباری ص۳۲۴ ج۲) دارقطنی کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے وامسك عن الخطبة حتی فرغ من صلاته (دارقطنی ص۱۶۹ ج۱) یہ روایت بطور استدلال نہیں بلکہ تائید کے لئے پیش کی گئی ہے، مرسل معتبر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے،

دارقطنی کی روایت میں لمسك عن الخطبة کے معنی یہ ہیں کہ خطبہ شروع فرمانے سے رُک گئے، یہ مطلب نہیں کہ خطبہ پڑھتے ہوئے درمیان میں ٹھہر گئے، صحابی کی شان سے بعید ہے کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آئے اور پھر مسلسل تین جمعہ تک یہی حال رہا، گزشتہ روایات میں قاعد علی المنبر اور قبل خروج کے الفاظ نص صریح ہیں کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے قبل تھا۔

(۹) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام صفحہ ۸۳ ج ۲ میں مجمع البحار سے حدیث قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر میں قرأ بمعنی جہر اور سکت بمعنی اسر نقل کرکے فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ واذا قریٔ القرآن الخ میں بھی جہری قراءت مراد ہے اسلئے اس آیت میں صرف جہری نمازوں کا حکم ہے۔

مبارکپوری صاحب کا یہ استدلال اسلئے صحیح نہیں کہ مجمع البحار کا قول حجت نہیں، حدیث کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قرأ حال کونہ اماما وسکت حال کونہ مؤتما او قرأ بعد الفاتحة فی الاولیین وسکت بعدها فی الاخریین، چنانچہ صحیح بخاری صفحہ ۱۰۷ ج ۱ میں اس کی تصریح ہے کہ اخریین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اسی طرح آپ کا مؤتم ہونا بھی ثابت ہے چنانچہ باب البیت کے پاس آپ نے دو روز پانچوں نمازیں حضرت جبریل علیہ السلام کی اقتداء میں پڑھیں اور غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء فرمائی (مسلم صفحہ ۱۳۳ ج ۱، ابوداؤد صفحہ ۲۰ ج ۱) اہل قبا میں مصالحت کے لئے تشریف لے جانے سے واپسی پر نماز عصر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء فرمائی، لوگ ابوبکر کو متوجہ کرنے کے لئے تالیاں بجانے لگے کافی دیر کے بعد آپ کو تنبہ ہوا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (بخاری صفحہ ۱۶۹ ج ۱)

اور اگر مجمع البحار کے بیان کردہ معنی ہی لے لئے جائیں تو اسکا وہی جواب ہوگا جو اوپر ۸ میں گزرا یعنی قراءة بمعنی جہر مجاز ہے جس کے لئے کسی قرینہ کا وجود ضروری ہے، قراءة کے حقیقی معنی مطلقاً پڑھنے کے ہیں خواہ جہراً ہو یا سراً، نص قرآن میں کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقة نہیں اسلئے اسمیں قراءت اپنے حقیقی معنی کے مطابق سرّاً وجہراً دونوں کو شامل ہے،

(۱۰) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آیت میں استماع وانصات دونوں کا حکم ہے، استماع چونکہ صرف جہری نمازوں ہی میں ہو سکتا ہے اسلئے یہ حکم سرّی نمازوں کو شامل نہیں،

لہٰذا اس سے مانعین قراءت خلف الامام کا علی الاطلاق استدلال صحیح نہ ہوا (جزء القراءۃ ص۹) یہی مضمون امام بیہقی کتاب القراءۃ ص۹۶ میں اور نواب صاحب دلیل الطالب ص۲۳۹ میں اور مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص۱۳ اور تحقیق الکلام ص۱۱۵ ج ۲ میں نقل فرماتے ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ آیت میں دو حکم ہیں، ایک استماع اور دوسرا انصات قراءت جہریہ میں استماع وانصات دونوں کا موقع ہے اور قراءت سریہ میں صرف انصات ہو سکتا ہے اسلئے جہریہ میں استماع مع الانصات کا حکم ہے اور سریہ میں صرف انصات کا۔

انصات کے معنی مطلق سکوت اور ترک کلام کے ہیں اس کے لئے استماع لازم نہیں لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وان دنی حیث لا یسمع فانصت ولم یلغ کان لہ کفل من الاجر رواہ ابوداؤد (جمع الفوائد ص۲۶۵ ج ۱) وفی کنز العمال مما رواہ عبدالرزاق عن دیباج اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلا وعن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفا اقیموا الصفوف وحاذوا بالمناکب وانصتوا فان اجر المنصت الذی لا یسمع کاجر المنصت الذی یسمع (فتح الملہم ص۲۱ ج ۲) وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الفتح وقد وقع التفریق بین الانصات والاستماع فی قولہ تعالیٰ فاستمعوا لہ وانصتوا ومعناھما مختلف فالانصات ھو السکوت وھو یحصل ممن یستمع وممن لا یستمع کان یکون مفکرا فی امر اخر وکذلک الاستماع قد یکون مع السکوت وقد یکون مع النطق بکلام اخر لا یشتغل الناطق بہ عن فہم ما یقول الذی یستمع منہ، وقال فی اللباب التفسیر لا شک ان الاستماع اخص من الانصات لان الاستماع الاصغاء والانصات السکوت ولا یلزم من السکوت الاصغاء (فتح الملہم ص۲۲ ج ۲) وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ والاستماع الاصغاء والانصات السکوت ولہذا قال اللہ تعالیٰ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا (نووی مع مسلم ص۱۷۴ ج ۱) وقال البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ لا فرق بین السکوت والانصات عند العرب (کتاب القراءۃ ص۱۰۴)

اور علامہ مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں نصت ینصت وانصت وانتصت سکت والاسم النصتۃ بالضم وانصتہ ولہ سکت لہ واستمع لحدیثہ انتہی اور تاج العروس میں ہے وانصتہ وانصت لہ اذا سکت لہ مثل نصحہ ونصح لہ و انصت وانصت لہ مثل نصحتہ ونصحت لہ والانصات ھو السکوت والاستماع

للحدیث یقال انصته وانصت له ۔ اور مختار الصحاح میں ہے الانصات السکوت والاستماع انصته وانصت له ۔

ان عبارات سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ استماع و انصات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اس صورت میں قرآن کریم میں ایک لفظ کی زیادتی بلا مقصد لازم آئے گی ، علماء لغت کی عبارات بالا میں انصات کے معنی سکوت مع الاستماع نہیں بیان کئے گئے بلکہ سکوت والاستماع کہا گیا ہے ، یعنی اسکے دونوں معنی آتے ہیں ، پھر آگے انصت و انصت له سے وضاحت کر رہے ہیں کہ یہ استماع کے معنی میں جب ہوتا ہے کہ اس کا مفعول یا صلہ " لام " مذکور ہو ، قرآن کریم میں انصتوا کا مفعول یا صلہ مذکور نہیں لہذا اسمیں استماع کے معنی نہیں بلکہ مطلق سکوت کے معنی میں ہے ، اگر انصات کا بدون ذکر مفعول وصلہ بھی بمعنی استماع ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اسکے دو معنی مستقل ہیں ایک سکوت دوسرے استماع ، ان دونوں معانی میں سے حسب قرائن کوئی ایک معنی متعین کئے جا سکتے ہیں قرآن کریم میں اس سے قبل لفظ استمعوا کا ذکر اور قراءت سریہ کا قابل استماع نہ ہونا اس پر قرائن ہیں کہ یہاں انصات بمعنی استماع نہیں ،

بلکہ ذکر مفعول وصلہ کے باوجود اسکے دو مستقل معنی بیان کئے گئے ہیں ایک سکت نہ دوسرے استمع لحدیثه ، سکت اور سکت له میں یہ فرق ہے کہ اول بدون داعیۂ تکلم سکوت مفرد ہے ، مثلاً کوئی شخص اکیلا بیٹھا ہے یہ اسلئے خاموش ہے کہ اسکے لئے تکلم کا کوئی داعیہ ہی نہیں ، اور دوسرے میں داعیۂ تکلم ہونے کے باوجود دوسرے شخص کی رعایت سے سکوت ہوتا ہے گویا یہ سکوت مرکب ہے پھر دوسرے شخص کی رعایت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسکے کلام کو سننا مقصود ہو اور دوسری یہ کہ جو بات یہ کہنا چاہتا ہے وہی بات اسکی طرف سے کوئی دوسرا کہہ رہا ہے ، مثلاً حاکم کے دربار میں درخواست پیش کرنے کے لئے ایک وفد جاتا ہے ان کا سربراہ درخواست پیش کرتا ہے اور وفد کے دوسرے ارکان خواہ اسکا کلام نہ بھی سن رہے ہوں تو بھی اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ ان کا قائد انکی طرف سے وکالۃً درخواست پیش کر رہا ہے ، ومن هذا القبیل قوله صلی اللہ علیہ وسلم انا خطیبهم اذا انصتوا الی یوم القیمۃ ،

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام صفحہ ۲ ج ۲ میں ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ پر

اعتراض کیا ہے کہ انکا استماع کو جہری نمازوں اور انصات کو سری نمازوں سے متعلق قرار دینا تفسیر بالرأی ہے جو حرام ہے۔

مبارکپوری صاحب کا یہ اعتراض محض تعنت ہے اسلئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احادیث صحیحہ، لغت اور جمہور مفسرین کی تحقیق پر مبنی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کے اثبات کی تقریر یوں فرماتے ہیں کہ بدون ذکر دقرارت ودعا محض سکوت نہ عبادت ہے نہ مامور بہ بلکہ سبب وساوس ہے لہٰذا ذکر میں مشغول ہونا سکوت سے افضل ہے اور قرارت قرآن افضل ترین ذکر ہے اس لئے سری نمازوں میں قراءة الفاتحہ خلف الامام مستحب ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۵ ج ۲)

تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جب واذا قرئ القرآن الآیۃ کا شان نزول نماز قرار دے رہے ہیں اور اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں تو نص قرآنی کے مقابلہ میں اس قیاس آرائی کا کیا جواز؟

علاوہ ازیں ظہر اور عصر کی نماز میں صحیح حدیث کی رو سے تقریباً تیس آیات کی قرارت مسنون ہے اور ابن تیمیہ بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ سے زائد پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، جب اسقدر طویل سکوت مورث وساوس نہیں تو صرف سورۂ فاتحہ کی سات آیات تک مختصر سکوت کو سبب وساوس قرار دینا کیسے صحیح ہے!

(۱۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءة ص ۸ و ص ۲۴ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سنن ترمذی ص ◌ ج ۱ میں اور امام بیہقی کتاب القراءة ص ۲۵ و ص ۷۰ میں فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیئے، یہی بات مبارکپوری صاحب نے ابکار المنن ص ۲۳۱ اور تحقیق الکلام ص ۸۸ ج ۲ میں تحریر کی ہے اور انکے دوسرے اتباع نے بھی لکھا ہے۔

سکتات امام کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ امام کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (کتاب القراءة ص ◌، مستدرک ص ◌ ج ۱)

(۲) عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم انصات فرماتے تھے انہیں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرارت کر لیا کرتے تھے (کتاب القراءة ص ◌، ص ◌)

(۳) بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ جس نے سکتات امام میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز کامل نہ ہوگی (کتاب القراءۃ ص۵۵)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتہ کی حالت میں قراءت کرے اسلئے کہ جس نے قراءت نہ کی اس کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔

(کنز العمال ص۱۹۶ ج۴)

(۵) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سلف کا تعامل نقل فرماتے ہیں کہ امام ضرور سکتہ کرتا تھا تاکہ مقتدی قراءت فاتحہ کرلیں (جزء القراءۃ ص۲۵)

(۶) سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور (کتاب القراءۃ ص۴۹ و ص۵۰)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابو سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ امام کے لئے دو سکتے ہوتے ہیں ان کو قراءت فاتحہ کے لئے غنیمت سمجھو (جزء القراءۃ ص۵۵ کتاب القراءۃ ص۵۵)

(۸) ہشام بن عروہ کے والد نے ان سے فرمایا کہ جب امام سکتہ کرے اسوقت قراءت کرلیا کرو اور امام کی قراءت کے وقت تم خاموش ہوجاؤ اسلئے نماز خواہ فرض ہو یا نفل بدون قراءۃ فاتحہ کے ادا نہیں ہوتی (جزء القراءۃ ص۵۸ کتاب القراءۃ ص۵۶)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام کے سکتہ میں بدون قراءت فاتحہ نماز مکمل نہیں ہوتی (کتاب القراءۃ ص۶۶)

دلائل مذکورہ کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں،

(۱) حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں محمد بن عبداللہ بن عبید ابن عمیر ضعیف ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعفاء ص۲۳ میں، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم ص۱۲ ج۱ میں امام یحییٰ القطان سے، امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعفاء صغیر ص۲۵ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع ترمذی ص۷ ج۲ میں، امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنی ص۱۲ ج۱ میں، اور خود امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب القراءۃ ص۱۵ میں انکی تضعیف کی ہے، امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں (میزان الاعتدال ص۸۸ ج۳، لسان المیزان ص۲۳ ج۵) علاوہ ازیں اس حدیث میں صلوٰۃ مکتوبہ کی تخصیص ہے حالانکہ اہل حدیث کے ہاں

نیل المرام ص۵۰

نفل نمازوں میں بھی قراءت فاتحہ ضروری ہے۔

(۲) حدیث عمرو بن شعیب : محدثین میں سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی تضعیف اور اسکا ناقابل قبول ہونا مشہور و معروف ہے، عمرو بن شعیب اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہیں مگر جب وہ عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں تو یہ بالاتفاق قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے والد سے سماع حاصل نہیں بلکہ وہ کتاب سے نقل کرتے ہیں، اس سند پر کلام اور اس کی تضعیف مندرجہ ذیل کتب میں ہے۔ سنن ترمذی ص۴۳ ج۱، ص۴۵ ج۱، طبقات المدلسین لابن حجر ص۱۵، میزان الاعتدال ص۲۹۰ ج۲، تہذیب التہذیب ص۴۸ و ص۵۵ ج۸، مستدرک حاکم ص۱۱۵ ج۱، شرح معانی الآثار ص۱۴۹ ج۱، المحلی ابن حزم ص۲۲۳ ج۱، اسعاف المبطأ برجال المؤطا ص۲۳۔

تحفۃ الاحوذی ص۲۹۱ ج۱ میں لکھا ہے کہ امام احمد اور علی بن المدینی رحمہما اللہ تعالیٰ عمرو بن شعیب کی روایت کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں حالانکہ امام علی بن المدینی تصریح فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کریں تو وہ ضعیف ہے (تہذیب التہذیب ص۵۳ ج۸) اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہ اشیاء مناکیر وانما نکتب حدیثہ نعتبر بہ فاما ان یکون حجۃ فلا، نیز فرماتے ہیں وربما وجس فی القلب منہ شیئ (تہذیب التہذیب ص۴۹ ج۸)

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ علامہ ذہبی کا عمرو بن شعیب کی روایت کو حسن کہنا دوسرے طرق کے لحاظ سے ہے، اس سے عن ابیہ عن جدہ کی سند مراد نہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن ضعفہ مطلقا فمحمول علی روایتہ عن ابیہ عن جدہ (تقریب التہذیب ص۷۱ ج۲)

(۳) عمرو بن شعیب کی دوسری روایت میں ضعف مذکور کے علاوہ محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر بھی واقع ہے جس کی تضعیف حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت گزر چکی ہے۔

مذکورہ بالا تین احادیث کے علاوہ جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ پر موقوف ہیں، حالانکہ اہلحدیث کے ہاں موقوف صحابہ بھی حجت نہیں تو تابعین کی موقوفات کس شمار میں؟ علاوہ ازیں احادیث مذکورہ کی طرح ان آثار میں

سے بھی کوئی ایک اثر بھی صحیح نہیں، انکی تنقیح ملاحظہ ہو۔

(۴) اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، درحقیقت یہ اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہے، رواۃ میں سے کسی نے غلطی سے ابن عمر کردیا ہے (کتاب القراءۃ ص۱۳۵) اسکی سند میں مثنی بن صباح ضعیف ہیں، امام بخاری، امام نسائی، امام احمد، امام ترمذی، دارقطنی، امام یحییٰ القطان، ابن المہدی، حافظ ابن حجر، ابن معین، ابن عدی، ابن سعد، علی بن الجنید، حافظ ابن حبان، ساجی، ابواحمد الحاکم، سحنون اور امام عقیلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف قرار دیا ہے (ضعفاء صغیر للبخاری ص۲۰، ضعفاء صغیر للنسائی ص۹۹، میزان الاعتدال ص۳ ج۳، تہذیب التہذیب ص۳۵ ج۱۰، تقریب ص۳۳۸)

علاوہ ازیں یہ اثر مجمل ہے اسلئے کہ اسمیں سورۂ فاتحہ کی صراحت نہیں،

(۵) اثر سعید بن جبیر، اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، ایک عبداللہ بن دینار مکی۔ امام احمد، ازدی اور ساجی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (میزان الاعتدال ص۳۰ ج۲، تہذیب التہذیب ص۲۱ ج۵) دوسرے عبداللہ بن عثمان ابن خثیم۔ امام نسائی، امام ابن معین، امام ابوحاتم، حافظ ابن حبان، امام ابن المدینی، امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ انکو ضعیف قرار دے رہے ہیں (میزان ص۴۵ ج۲، تہذیب التہذیب ص۳۱۵ ج۵، نصب الرایہ ص۳۵۵ ج۱)

(۶) سعید بن جبیر کا دوسرا اثر، اس کی سند میں بھی عبداللہ بن عثمان بن خثیم ہیں جن کی تضعیف اوپر کئی ائمہ حدیث سے نقل کی گئی ہے۔

(۷) اثر ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسمیں اولاً تو یہ کلام ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یا کہ ابوسلمہ تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، رواۃ کو اسمیں تردد ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ضعیف ہے امام احمد، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، بزار، ابوحاتم، عمرو بن علی الفلاس، ابواحمد الحاکم، امام حاکم، ابن قانع، ساجی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف بتایا ہے (میزان الاعتدال ص۲۲۱ ج۳، تہذیب التہذیب ص۳۷۰ ج۱۰)

(۸) اثر ہشام بن عروہ، اسکی سند میں بھی موسیٰ بن مسعود واقع ہیں جنکی تضعیف

تقریباً ایک درجن ائمۂ حدیث سے اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت میں فصاعداً کی زیادتی بھی ہے جس پر غیر مقلدین کا بھی عمل نہیں،

(۹) اثر ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ ضعیف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام نسائی، ابوحاتم، ابن حبان، ابوزرعہ، ابن عمار، علی بن المدینی، دارقطنی، برقانی، ابن خزیمہ، خلیلی، بزار، ابن جارود، عقیلی، دولابی، ابوالعرب، ساجی اور ابن شاہین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسکی تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص۲۴۲ ج۱)

بحث مذکور سے واضح ہوگیا کہ مقتدیوں کی قراءت فاتحہ کے لئے امام کے سکتات کا کوئی ثبوت نہیں، البتہ دو مقام پر سکتہ ثابت ہے، ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا سورۂ فاتحہ کے بعد، اول میں تو ظاہر ہے کہ قراءت فاتحہ کا موقع ہی نہیں، اور سورۂ فاتحہ کے بعد سکتہ صرف اسقدر ہے کہ امام ذرا سانس درست کرسکے، ائمۂ حدیث اسکی تصریح فرماتے ہیں حتی یتراد الیہ نفسہ (نسائی ص۱۴۳ ج۱، ابوداود ص۱۱۳ ج۱، ترمذی ص۳۴ ج۱، دارمی ص۱۴۶) خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں بل السکتۃ الثانیۃ کانت لان یتراد الیہ نفسہ کما صرح بہ قتادۃ (تحفۃ الاحوذی ص۲۱۶ ج۱) ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اس سکتہ سے مقتدیوں کو قراءت فاتحہ کی مہلت دینا مقصود نہیں اور نہ ہی اتنے مختصر سکتہ میں اسکی گنجائش ہے، تعجب ہے کہ ہوا پرستی نے سکتہ کو سکتات کیسے بنا دیا؟ کہلائیں پھر بھی اہلحدیث!

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مقتدیوں کی قراءت فاتحہ کے لئے کبھی سکتہ کیا ہو (غیث الغمام ص۱۰۵) اسلئے جمہور اہل اسلام ایسے سکتہ یا سکتات کے قائل نہیں، حتیٰ کہ خود غیر مقلدین میں سے اہل انصاف اسکی تردید فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولم نعلم نزاعا بین العلماء انہ لا یجب علی الامام ان یسکت لیقرأ المأموم بالفاتحۃ ولا غیرھا (الی قولہ) ولا یستحب للامام السکوت لیقرأ المأموم عند جماھیر العلماء وھذا مذھب مالک وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل وغیرھم رحمھم اللہ تعالیٰ (فتاویٰ ابن تیمیۃ ص۱۳۶ ج۲۳)

نوع العبادات ص۳) محمد بن اسمٰعیل بن الصلاح امیر یمانی فرماتے ہیں ثم اختلف القائلون بوجوب القراءة فقیل فی محل سکتات الامام وقیل فی سکوته بعد تمام القراءة ولا دلیل لعین احد القولین فی حدیث (سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۱۲ ج۱) شیخ محمد بن محسن مذکور کے متعلق نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں امام صنعاء وعلامۂ یمن وشاعر مجید ومجتہد مفید محدث کامل وعارف واحسن سنت وعامل بود بکتاب وسنت بحسب اجتہاد نفس خود تقلید بتقلید احدے از اہل علم نداشت (تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص۴۲)

(۱۱) نیز بھی مقتدیوں کے لئے امام کا سکتہ کرنا اصول شرع کے خلاف بلکہ قانون شریعت کا مقابلہ ہے، شریعت نے مقتدیوں کو اتباع امام کا حکم دیا ہے اور مدعیان اتباع حدیث امام کو مقتدیوں کے اتباع کا حکم دے رہے ہیں کہ ان کی خاطر خاموشی اختیار کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو، مگر بزعم خویش اہلحدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ مقتدیوں کی قرأت کے لئے امام خاموش رہے، امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقوله صلی اللہ علیه وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا اخبر منه ان من الائتمام بالامام الانصات لقراءته وهذا یدل علی انه غیر جائز ان یصمت الامام لقراءة الماموم لانه لو کان مامورا بالانصات له لکان مامورا بالائتمام به فیصیر الامام ماموما والماموم اماما فی حالة واحدة وهذا فاسد (احکام القرآن ص۳۹ ج۳)

(۱۲) صاحب خیر الکلام فرماتے ہیں کہ سورۂ اعراف کی آیت میں انصات سے بالکلیہ خاموشی مراد نہیں اس لئے کہ دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت قرأت قرآن چند جائز کلمات کہنا آیت اعراف کے منافی نہیں وہ آیات یہ ہیں ان الذین اوتوا العلم من قبله اذا یتلی علیهم یخرون للاذقان سجدا ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا (بنی اسرائیل) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشاهدین وما لنا لا نؤمن بالله وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین (مائدہ) الذین اٰتیناهم الکتاب من قبله هم به یؤمنون واذا یتلی علیهم قالوا اٰمنا به انه الحق من ربنا انا کنا من

نیل المرام ———— ۵۴

فبذہ مسلمین (قصص) ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض جائز کلمات کہنا قرآن کے استماع وانصات کے منافی نہیں۔ (خیر الکلام ص۳۶)

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ آیت اعراف کا شان نزول بالاجماع قراءت خلف الامام ہے آیات بالا میں جو کلمات مذکور ہیں وہ نہ تو حالت نماز میں ہیں اور نہ ہی بحکم قراءت قرآن ہیں، نیز کیا پوری سورۂ فاتحہ صرف چند کلمات ہیں؟ درایۃً بھی آیات بالا میں مذکورہ کلمات اور قراءت فاتحہ میں یہ فرق ہے کہ قراءت فاتحہ میں منازعۂ قرآن ہے اور ایسے کلمات کہنا جن میں قرآن کریم پر ایمان اور انقیاد کا اظہار ہو منازعہ نہیں بلکہ متابعت قرآن ہے، مثلاً دربار شاہی میں درخواست پیش کرتے وقت سب حاضرین درخواست کا مضمون پڑھنے لگیں تو خلاف ادب ہے اور اگر ایک شخص درخواست پیش کرتا ہے اور دوسرے اس کی تائید میں کچھ کلمات کہہ دیں تو یہ عین ادب ہے۔

یہاں تک ان تاویلات رکیکہ کے جوابات تھے جو نص قرآنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا میں کی جاتی ہیں، آگے فریق مخالف کے بعض الزامات کا حال سنئے، الزامات کی فہرست ذکر کرنے سے قبل ہم یہ حقیقت دوبارہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ آیت اعراف بالاجماع نماز میں قراءت خلف الامام سے ممانعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا مفصل بیان اس آیت پر بحث کی ابتداء میں گزر چکا ہے، لہٰذا نماز سے خارج قراءت اور نماز کے اندر غیر مقتدی کی قراءت اور نماز میں قراءت کے سوا دوسرے اذکار مثلاً ثناء وغیرہ کو آیت شامل نہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد فریق مخالف کی طرف سے وارد کردہ الزامات از خود بے حقیقت اور باطل ہو جاتے ہیں اب ان الزامات کی فہرست ملاحظہ ہو۔

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۳۲ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۱۴۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں اقتداء کرتا چاہے کہ امام قراءت شروع کر چکا ہو تو لازماً یہ تکبیر تحریمہ کہے گا اور یہ آیت استماع وانصات کے منافی ہے لہٰذا آیت مذکورہ پر مانعین فاتحہ خلف الامام کا بھی عمل نہیں۔

اس الزام کا بطلان ظاہر ہے کہ تکبیر تحریمہ نہ قرآن ہے اور نہ ہی نماز کے اندر ہے اس لئے کہ عند الاحناف تکبیر تحریمہ شرط ہے اور شرط مشروط سے خارج اور اس سے مقدم ہوتی ہے۔

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۸ و ص۱۰ میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب

القراءة ص۱۵۱ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۲۷ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قراءت خلف الامام بھی حالت اقتداء میں ثناء وغیرہ پڑھنے کے قائل ہیں اس لئے یہ آیت استماع و انصات پر عامل نہ رہے۔

احناف کے ہاں مدرک اس لئے ثناء پڑھ سکتا ہے کہ تا حال امام نے قراءت شروع نہیں کی اور مسبوق کو امام کی جہری قراءت کے وقت ثناء پڑھنا جائز نہیں، منیہ میں ہے وروی عن الفقیہ ابی جعفر الهندوانی انه قال اذا ادرك الامام فی الفاتحة یثنی بالاتفاق، یہ قول بصیغہ تمریض منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ عبارت مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں وان ادرك فی السورة یثنی عند ابی یوسف لا عند محمد ذکرہ فی الذخیرة وهو بعید اذ لا فصل فی قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له الآیة بین الفاتحة وغیرها بل الاصح هو القول الاول انه لا یأتی به مطلقا لاطلاق النص (کبیر ص۲۹۵) البتہ سری قراءت کے ساتھ ثناء پڑھنے کی اجازت ہے، اسکا جواب وہی ہے کہ منصوص ممانعت صرف قراءت قرآن سے ہے لقوله صلی الله علیه وسلم فلا تقرؤا بشیء من القرآن قاضی شوکانی فرماتے ہیں وظاهر التقیید بقوله من القرآن انه لا بأس بالاستفتاح حال قراءة الامام بما لیس بقرآن والتعوذ والدعاء (نیل الاوطار ص۲۴۳ ج ۲) اور نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں، و این روایات (فلا تقرؤا بشیء من القرآن وغیرها) ونحو آن دلالت دارد بر آنکه مستثنی عنه نزد قراءت امام ہماں قرآن کریم ست نه دعا قراءة توجه واستعاذه ونحو آں پس لا بأس بہ است و نہی متناول آں نیست ونه بوجهے از وجوه بر آں دلالت دارد (دلیل الطالب ص۲۹۴) مولانا عبدالصمد صاحب بھی اعلام الاعلام ص۱۹۲ میں یونہی تحریر فرماتے ہیں، روایات کے علاوہ درایۃً بھی یہ امر معقول ہے کہ قراءت امام کے وقت مقتدی کے لئے صرف قراءت ممنوع ہے ثناء وغیرہ سے ممانعت نہیں، اس لئے کہ سورۂ فاتحہ میں امام سب مقتدیوں کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہے لہذا مقتدیوں کا ساتھ پڑھنا خلاف ادب ہے، بخلاف ثناء وغیرہ کے کہ وہ دربار میں دخول کے وقت ابتدائی سلام و آداب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان امور میں وکالت و نمائندگی نہیں ہوتی بلکہ انکی ادائیگی سب حاضرین پر لازم ہوتی ہے۔

(۴) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءة ص۸ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراءة ص۱۵۱

میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام صـ۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قراءت خلف الامام کے نزدیک امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے مگر ثناء وغیرہ میں امام کفایت نہیں کرتا اس سے ثابت ہوا کہ انکے نزدیک فرض سے غیر فرض کی اہمیت زیادہ ہے،

اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ روایت حدیث کے علاوہ درایت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ وکالت اور نمائندگی صرف درخواست پیش کرنے میں ہوتی ہے، آداب بجالانے میں نہیں،

ان اکابر سے گزارش ہے کہ کیا آپکے ہاں سورۂ فاتحہ کے سوا باقی پورے قرآن کی اہمیت ثناء وغیرہ سے کم ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت سے منع فرماتے ہیں اور ثناء وغیرہ کا حکم دیتے ہیں،

قرآن، حدیث اور عقل سلیم کے اس فیصلہ کو خود آپکے گھرانے میں سے قاضی شوکانی، نواب صاحب اور مولانا عبد الصمد بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں،

④ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءة صـ میں فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو احناف کے ہاں اس سے قریب ہی سنتیں پڑھنا جائز ہے، یہ آیت استماع و انصات کے منافی ہے،

یہ الزام اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شخص تا حال امام کی اقتداء میں داخل نہیں ہوا۔

⑤ مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام صـ ج ۲ میں بحوالہ کفایہ صـ$\frac{19}{1}$ و شرح وقایہ صـ ج ۱ فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک جب خطیب یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے تو سامعین کو آہستہ درود شریف پڑھنا جائز ہے حالانکہ آیت اعراف خطبہ کو بھی شامل ہے،

یہ الزام بھی غلط ہے، اسلئے کہ یہ تحقیق تفصیل سے گزر چکی ہے کہ آیت اعراف بالاجماع قراءت خلف الامام سے متعلق نازل ہوئی ہے، نزول آیت کے وقت خطبہ کا تو وجود ہی نہ تھا حالت خطبہ میں سکوت کا حکم حدیث پر مبنی ہے، البتہ چونکہ خطبہ بھی دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے اسلئے بعض حضرات نے اسکو بھی آیت اعراف کے عموم الفاظ میں داخل قرار دیا ہے،

علاوہ ازیں مذہب حنفی میں محقق اور مفتی بہ قول کے مطابق حالت خطبہ میں سامعین کے لئے درود شریف آہستہ پڑھنا بھی جائز نہیں قال فی الخانیۃ ومشایخنا قالوا بانہ لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل یستمع وینصت لان الاستماع فرض والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمکن بعد ھذہ الحالۃ (خانیۃ صـ ج ۱) وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ

تعالیٰ تحت (قوله یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمه فی نفسه) وعن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ یقیها الثمار الا صوتی الانصات والصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکرمانی وقهستانی تبیلی باب الامامة والقصر فی الجمعة علی الاخیر حیث قال ولم ینطق به جهرا ذکره فی غیر هذه الحالة والسماع یفوت (رد المحتار ص۴۹۶ ج۱)

خاتمۃ الکلام

مسئلہ قراءت خلف الامام پر لکھنے سے قبل بندہ نے اس پر غور کیا کہ اگر اس مسئلہ سے متعلق کسی دوسرے عالم کا کوئی ایسا رسالہ مل جائے جو جامعیت کے ساتھ مختصر بھی ہو تو بجائے اسکے کہ میں کوئی جدید رسالہ لکھنے پر محنت کروں سائلین کو اسی رسالہ سے استفادہ کا مشورہ دیدیا جائے، مگر اس صنف کا کوئی رسالہ اسوقت میری نظر میں نہیں تھا، مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر کی کتاب احسن الکلام اس موضوع پر تحقیق اور جامعیت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے مگر بہت طویل ہے، اسلئے میں نے اپنے درس صحیح بخاری کی تقریر کو سامنے رکھکر اس پر بقدر ضرورت مزید تحقیق کا کام شروع کر دیا، اضافات میں احسن الکلام طبع دوم سے بھی مدد لی گئی ہے، اسمیں جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں انکی مراجعت سے ثابت ہوا کہ حوالجات کی تحریر میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں، جہاں بدون کاوش غلطی کا علم ہو گیا اسکی اصلاح کر دی ہے ورنہ ویسے ہی نقل کر دیئے لہذا اہل علم کہیں حوالہ میں جلد یا صفحہ کی غلطی پائیں تو اسکو احسن الکلام میں کتابت کی غلطی پر محمول فرمائیں مصنف پر اعتماد ہے کہ انھوں نے جس مضمون کی جس کتاب کیطرف نسبت کی ہے وہ صحیح ہوگی۔

نصوص قرآنیہ کی بحث قریب التکمیل تھی کہ اچانک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرہٗ کا رسالہ فاتحۃ الکلام نظر سے گزرا جو بظاہر میرے مقصد کیمطابق ہے لہذا میں اپنے رسالہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اور مسئلہ زیر بحث سے متعلق احادیث کی بحث، احناف کے دلائل اور فریق مخالف کے دلائل کے جوابات کی تفصیل فاتحۃ الکلام پر محوّل کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو فروعی مسائل میں الجھنے اور مجتہد فیہ امور میں دماغ وقلم کی صلاحیتیں اور وقتیں صرف کرنے اور آپس میں دست وگریبان ہونے کی بجائے دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں اور الحاد وباحیت کے فتنوں سے دین اسلام کی حفاظت کے لئے متحدہ مساعی کی توفیق عطا فرمائیں اور اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا مصداق بنائیں، آمین فقط والله المستعان۔

رشید احمد

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۹۰ھ یوم الجمعہ

فاتحۃ الکلام

فی القراءۃ

خلف الامام

بجواب

تکمیل البرہان

فی قراءۃ

ام القرآن

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقتدی اور سورۃ فاتحہ کی قراءت

حنفی مذہب کا موقف کتاب اور سنت کی روشنی میں

تمہید :

بعد الحمد والصلوٰۃ میرے پاس ایک دوست نے رسالہ تکمیل البرہان فی قراءۃ ام القرآن ڈاک سے بھیجا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مصنف رسالہ نے امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض لازم قرار دیا ہے اور اپنے نزدیک اس کو اجماعی مسئلہ فرض کیا ہے۔ چونکہ اس سے مذہب حنفی کی تخفیف مترشح ہوتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے دلائل بیان کر دیئے جائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں بے دلیل کوئی بات نہیں کہتے بلکہ کتاب و سنت کی دلیل سے کہتے ہیں۔ دلائل حنفیہ بیان کرنے کے بعد ان الزامات کا جواب بھی ان شاء اللہ دیا جائے گا جو اس رسالہ میں حنفیہ پر وارد کئے گئے ہیں واللہ المستعان وعلیہ التکلان حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۝
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو (اچھی طرح) سنو اور خاموش رہو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

ابو داود صاحب سنن نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ سب لوگ اسی پر ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، محمد بن کعب اور زہری سب یہی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زید ابن اسلم اور ابو العالیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ پھر اس پر اجماع ہے کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قراءت لازم نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام جہر سے قراءت کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز بغیر قراءت کے صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک۔ اہل عراق میں سفیان ثوری۔ اہل شام میں اوزاعی۔ اہل مصر میں لیث بن سعد

ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اور مقتدی قراءت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔ (ملاحظہ ہو مغنی ابن قدامہ ج۱ ص۶۰۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ جن احادیث سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قراءت کو فرض بتایا جا رہا ہے وہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں وہ منفرد اور امام کے حق میں ہیں مقتدی کے بارے میں نہیں ہیں جیسا آئندہ واضح ہو جائے گا۔

مفسر ابن جریر طبری نے مسیب بن رافع سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا ہم نماز کے اندر ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔ سلام علیٰ فلان، سلام علیٰ فلان پھر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

(۲) (۳) ابن جریر نے ابو عیاض سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ نے فرمایا کہ لوگ نماز میں کلام کیا کرتے تھے تو جب یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور دوسری آیت قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ تو خاموش رہنے کا حکم کیا گیا۔ دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں۔

بشیر بن جابر سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قراءت کرتے ہوئے سنا تو نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تمہارے لئے اسکا وقت نہیں آیا کہ سمجھ لو، کیا اسکا وقت نہیں آیا کہ جان لو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اور خاموش رہو۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ اس کو بھی امام طبری نے روایت کیا ہے اور اسکے سب راوی ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے۔

(۴) امام بیہقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءت کر رہے تھے تو آپ نے ایک انصاری نوجوان کی قراءت سنی تو یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ بیہقی نے اسکی سند پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ مرسل ہے اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے اور جب اسکی تائید دوسرے مراسیل وغیرہ سے ہو جائے تو سب کے نزدیک حجت ہے۔

مفسر طبری نے اسی کے موافق زہری سے بھی مرسلاً روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھتے تو ایک انصاری نوجوان بھی ساتھ ساتھ پڑھتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔

(۵) حافظ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں معاویہ بن قرہ سے روایت کیا ہے کہ میں

نے بعض صحابہ سے دریافت کیا عبد الرحمن مسرورقی (راوی) کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عبد اللہ بن مغفل ہیں۔ اُن سے میں نے کہا، کیا ہر شخص پر جو قرآن سُنے اسکا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا کہ یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کرے تو سنو اور خاموش رہو۔

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صرف ابو المقدام ضعیف ہے مگر اس سے وکیع اور زید بن الحباب و نضر بن شمیل و یزید بن ہارون جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں (تو وہ ایسا ضعیف نہیں جسکی روایت رد کر دی جائے خصوصاً جبکہ اسکی تائید میں بہت سے آثار موجود ہیں) امام بیہقی نے ابو العالیہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرأت کرتے صحابہ بھی قرأت کرتے تھے تو آیت نازل ہوئی فاستمعوا لہ وانصتوا (حضور کی قرأت کو سنو اور خاموش رہو) پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کرتے (جزء القراءۃ صفحہ) بیہقی نے اسکے راویوں پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ منقطع (یعنی مرسل) ہے اور مرسل حجت ہے جیسا پہلے گذرا۔

(۶) امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومن قرآن کیطرف کان لگانے سے وسعت میں ہے (چاہے سُنے یا نہ سُنے) مگر نماز فرض میں اور جمعہ و عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن یعنی (ان نمازوں میں) جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن کو سنو اور خاموش رہو صفحہ

(ف: ابن عباس کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ قرأت کا سننا واجب نہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول حنفیہ کا بھی اسکے موافق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی قرأت قرآن کے لئے خاموش رہنا اور سُننا واجب ہے اسمیں احتیاط ہے کیونکہ آیت قرآن کا شانِ نزول اگرچہ قرأت خلف الامام ہے مگر الفاظ مطلق ہیں۔

(۷) محمد بن کعب قرظی (امام تفسیر و حدیث) سے روایت ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے یہانتک کہ سورۂ اعراف کی آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا (جزء القراءۃ صفحہ) بیہقی نے اس کی سند میں کوئی علت بیان نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے۔

(ف) مفسر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے متعلق متعدد آثار بیان کر کے فرمایا ہے کہ سب اقوال میں صحت و صواب کے زیادہ قریب ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں

عہ ان تمام آثار و احادیث کی جوابات مضمون میں مذکور ہیں ان سب کی مفصل تحقیق احسن الکلام میں مذکور ہے جسکو شوق ہو وہاں دیکھ لے

مقتدیوں کو نماز میں قرآن سُننے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب امام قرأت کرے اور لوگ اسکے پیچھے اقتدا کر رہے ہوں اور خطبہ سننے کا امر کیا گیا ہے۔ ہم نے اس قول کو زیادہ صحیح اسلئے کہا ہے کہ حدیث صحیح سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اذا قرأ الامام فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور سب (علماء) کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ امام سے سُنے اس پر سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ اجماع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں بھی بتواتر اسکا امر وارد ہے اور ان دو حالتوں کے سوا اور کسی حالت میں قرآن کا سُننا اور قرأت کے لئے خاموش رہنا واجب نہیں اگرچہ ایک صورت میں اختلاف ہے، جبکہ مقتدی امام کے پیچھے ہو (بعض علماء اس پر خاموش رہنے کو واجب نہیں کرتے بلکہ قرأت فاتحہ کو واجب کہتے ہیں) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح میں ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے خاموش رہو۔ پس امام کے پیچھے اس کی قرأت کے لئے خاموش رہنا ان لوگوں پر واجب ہے جو اس کے مقتدی ہوں اور قرأت سُن رہے ہوں۔ بوجہ ظاہر قرآن کے عموم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مذکور کے صلا ج ۹۔

اس تقریر سے یہ امر واضح ہے کہ امام ابن جریر طبری جن کو شافعی المذہب کہا جاتا ہے۔ نماز جہری میں مقتدی کے ذمہ قرآن سننے اور خاموش رہنے کو واجب سمجھتے ہیں اور نماز سری میں قرأت مقتدی کو جائز سمجھتے ہیں اور زیادہ اختلاف نماز جہری میں ہے۔ نماز سری میں زیادہ اختلاف نہیں، جیسا آئندہ واضح ہو جائیگا اگرچہ حنفیہ کے پاس اسکے بھی دلائل موجود ہیں کہ سری نماز میں بھی مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن میں دو حکم ہیں ایک استمعوا (کہ امام کی قرأت کو سنو) یہ تو جہری نماز کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا حکم ہے انصتوا (کہ قرأت امام کے وقت خاموش رہو) یہ جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس اگر مقتدی سری نماز میں حکم استماع پر عمل نہیں کر سکتا تو حکم انصات پر تو عمل کر سکتا ہے اس کو کس لئے ترک کرتا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث و آثار بھی آئندہ بیان کئے جائیں گے جن سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے مطلقاً خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہے خواہ جہری ہو یا سری۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جن صحابہ یا تابعین نے آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ کے شان نزول میں خطبہ جمعہ کا ذکر کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں خطبہ جمعہ کو بھی اس آیت کے تحت داخل کر دیا گیا ہے کیونکہ جملہ مفسرین و قراء و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے

کہ سورۂ اعراف مکی ہے۔ بیضاوی نے صرف آٹھ آیتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو واذ نتقنا الجبل سے شروع
ہوتی ہیں جن میں یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له داخل نہیں۔ یہ بالاتفاق مکی ہے اور مکہ
میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا نہ وہاں جمعہ کا خطبہ ہوا تو اس کو شان نزول میں کیسے بیان کیا جا سکتا ہے؟
پس صحیح یہی ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطبہ کا حکم بھی نماز
کی طرح ہے۔ اس کے بعد امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس آیت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے ذکر بآواز
کرنے یا جہر کے ساتھ قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا
درست نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آیت کے الفاظ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہیں۔ آیت میں
انصات کا حکم ہے جس کے معنی بالکل خاموش رہنے کے ہیں جو فاتحہ سے بھی خاموش رہنے کو مقتضی ہے
پھر ہم پوچھتے ہیں کیا امام بیہقی خطبہ کی حالت میں آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور تسبیح وغیرہ پڑھنے کی اجازت
دیں گے؟ اگر نہیں تو وہاں اس آیت سے مطلقاً خاموشی واجب ہونے پر استدلال کیونکر صحیح ہوگا
اگر اجازت دیں گے تو ان کے مذہب کے بھی خلاف ہوگا اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔ خطبۂ جمعہ
میں کسی کے بھی نزدیک خطبہ سننے والے کو ذکر اللہ اور تسبیح پڑھنا جائز نہیں نہ آہستہ نہ زور سے
پس حیرت ہے کہ خطبہ میں تو مطلقاً ذکر و تلاوت وغیرہ کو منع کیا جائے سراً بھی اور جہراً بھی اور نماز
میں قراءت سریہ کو جائز کہا جائے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ آیت اعراف واذا قرئ القرآن
فاستمعوا له وانصتوا کا نزول قراءت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ
خطبے کے لئے احادیث میں انصات کی تاکید ہے تو ہم کہیں گے کہ نماز کے اندر مقتدی کو انصات
کی تاکید قرآن میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی جیسا آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

(۸) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اذا قرأ (ای الامام) فانصتوا۔ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔ اس کو امام
مسلم نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا حدیث صحیح ہے امام احمد نے بھی اس کو
صحیح کہا ہے جیسا حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں بیان کیا اور امام ابوجعفر طبری کا قول گزر چکا
وقد صح الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قوله اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا جب امام قراءت کرے
تو خاموش رہو۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں امام مسلم کی سند
سے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ

جب تم نماز کو کھڑے ہو تو ایک آدمی امام بنے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہو۔ صحیح ابو عوانہ میں اس حدیث کو عبداللہ بن رشید سے ابو عبیدہ (مجاعۃ بن زبیر عتکی) سے قتادہ سے یونس ابن جبیر سے حطان بن عبداللہ رقاشی سے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قرارت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔ اس میں سلیمان تیمی کی متابعت ابو عبیدہ نے کی ہے وہ بھی قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح اذا قرأ الامام فانصتوا روایت کر رہا ہے اور ابو عبیدہ ثقہ ہے انساب سمعانی میں عبداللہ ابن رشید اور ابو عبیدہ دونوں کو مستقیم الحدیث کہا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کی مسند میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح واذا قرأ فانصتوا روایت کیا ہے۔ عمر بن عامر امام مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد سالم بن نوح بھی رجال مسلم میں ہے۔ امام مسلم اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی صحیح میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ پس بعض محدثین کا یہ کہنا کہ قتادہ کے شاگردوں میں سے صرف سلیمان تیمی نے اس حدیث میں اذا قرأ الامام فانصتوا زیادہ کیا ہے غلط ہے۔ قتادہ کے تین شاگردوں نے جو ثقہ ہیں سلیمان تیمی کی موافقت کی ہے۔ پھر امام مسلم سے جب ان کے شاگرد نے سوال کیا کہ اس حدیث میں اذا قرأ فانصتوا صحیح ہے؟ امام مسلم نے جواب دیا تریدا حفظ من سلیمان کیا تم سلیمان سے بڑھ کر حدیث کا حافظ چاہتے ہو! یعنی وہ کامل الحفظ تام الضبط ہے اس کا تفرد مضر نہیں (اگرچہ وہ منفرد بھی ہوتا حالانکہ وہ اس زیادت میں منفرد نہیں اس کی متابعت و موافقت کرنے والے دوسرے حفاظ ثقات بھی ہیں)

(۹) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ سو جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو۔ اور جب وہ قرارت کرے تو خاموش رہو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا لک الحمد کہو۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اور امام احمد ابن حنبل اور ابن حزم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (جوہر نقی)

(ف) پس امام ابوداود کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں۔ ہمارے نزدیک ابو خالد نے وہم کیا ہے۔ صحیح نہیں کیونکہ ابو خالد احمر مسلم و بخاری کے رجال میں سے ہیں دونوں اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ پھر ابو خالد احمر کی متابعت بھی موجود ہے

محمد بن سعد انصاری نے بھی ابن عجلان سے اس حدیث کو ابو خالد احمر کی طرح اذا قرأ فانصتوا کے ساتھ روایت کیا ہے سنن نسائی میں یہ متابعت موجود ہے اور امام نسائی نے محمد بن سعد کی توثیق کی ہے۔ امام ابن جریر طبری نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پس انصاف یہ ہے کہ اس حدیث میں بجز ان لوگوں کے جو قراءت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں کسی نے جرح نہیں کی اور اصول حدیث کے لحاظ سے انکی جرح صحیح نہیں کیونکہ اول تو اصولی طور پر زیادت ثقہ مقبول ہے دوسرے جس راوی کو زیادت میں منفرد کہا جا رہا ہے اُس کی متابعت دوسرے ثقات نے بھی کی ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ اس کو سنا جائے۔ یہی سورۂ اعراف کی آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کا مدلول ہے۔ یہی دوسری آیت[1] واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا (سورۃ الجن) یہی تیسری آیت[2] لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ (قال ابن عباس فی تفسیرہ فاستمع لہ وانصت کما فی البخاری) کا مدلول ہے۔ اسی مفہوم کو ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو اور جو احادیث نص قرآن کے موافق نہ ہوں ایسی احادیث میں تاویل لازم ہے اگر سند صحیح ہو ورنہ رد کر دیا جائے گا اگر سند ضعیف ہو۔

چنانچہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جتنا حصہ صحیح ہے یعنی لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "اُس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے" اس میں مقتدی یا امام کا کوئی ذکر نہیں اور اس کو سفیان بن عیینہ اور زہری راوی حدیث اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے امام اور منفرد پر محمول کیا ہے کیونکہ امام مالک نے موطا میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے موقوفاً اور امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے من صلی رکعۃ لم یقرأ

---

[1] (ترجمہ) اور جب بھیجے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت کو متوجہ کیا کہ قرآن سنیں جب وہ قرآن سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے خاموش رہو [2] (نزول وحی کے وقت) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد کریں ہمارے ذمہ ہے اسکا (آپکے دل میں) جمادینا اور اسکا پڑھا دینا تو جب ہم (زبان جبریل) قرآن پڑھیں تو اسکے پڑھنے کا اتباع کیجئے۔ عبد اللہ بن عباس نے اتباع کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سنیئے اور خاموش رہیئے (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ اسکی طرف کان لگائے اور خاموش رہے۔

فاتحۃ الکلام ————

فیھا بام القرآن فلم یصل الاوراء الامام" جس نے کوئی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے ہو تو نماز ہو جائے گی۔" پہلی روایت کی سند صحیح اور دوسری کی حسن ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ دیکھو جابر بن عبداللہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں" کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو (ترمذی) مقتدی کے واسطے یہ حکم نہیں ہے اور حدیث عبادہ کے جس حصہ سے امام کے پیچھے قراءت ثابت کی جاتی ہے اسکی صحت میں محدثین کو کلام ہے جیسا کہ آئندہ واضح ہوگا تو اس کو رد کیا جائے گا کیونکہ وہ نص قرآن اور حدیث کے خلاف ہے یا اسمیں تاویل کی جائیگی۔

(۱۰) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھنے لگا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے (قراءت کی) فرمایا میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قراءت میں منازعت کر رہا ہے۔ امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔

(ف) اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوقت تک یہی معلوم تھا کہ صحابہ آپ کے پیچھے قراءت نہیں کرتے۔ کیونکہ سورۂ اعراف میں قراءت خلف الامام سے منع کر دیا تھا جب کسی نے قراءت کی تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ قراءت کرنے والا کون تھا؟ اگر قراءت خلف الامام جائز ہوتی تو اس سوال کی کوئی وجہ نہ تھی رہا یہ کہ اس شخص نے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تھی اس لئے تنبیہ کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہ سمجھتے تھے ورنہ یہ صحابی سورۂ فاتحہ کی جگہ دوسری سورۃ کیوں پڑھتا؟ ان کے نزدیک فاتحہ اور غیر فاتحہ سب برابر تھیں۔ اگر فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر واجب ہوتا تو آپ صرف اتنی بات پر کفایت نہ فرماتے کہ میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قراءت میں منازعت کر رہا ہے بلکہ صاف فرما دیتے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ نہ پڑھنا چاہیے بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے۔ اور امام بیہقی نے حضرت عمران کی جس روایت سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا وجوب ثابت کیا ہے وہ موقوف ہے اور اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے جس کو اکثر محدثین نے ضعیف اور متروک قرار دیا ہے اس کی روایت سے حجت لانا انصاف سے بعید ہے۔

(۱۱) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو مخلوط کر دیا (یعنی میری قرأت میں خلط ملط کر دیا)، اس کی سند بزار کے بقول عمدہ ہے اور مسند احمد میں اسکے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(ف) اس میں بھی مقتدیوں کی قرأت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار فرمانا صریح ہے، اور امام بیہقی کی یہ تاویل کہ "لوگ زور سے قرأت کرتے ہونگے کیونکہ امام کی قرأت میں خلط اسی وقت ہو سکتا ہے" صحیح نہیں کیونکہ اول تو صحابہ کا حضور کے پیچھے زور سے قرأت کرنا بہت بعید ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلم نہیں کہ آہستہ قرأت سے امام کو خلجان نہیں ہوتا۔ یقیناً اصحاب قلوب کو آہستہ قرأت سے بھی خلجان ہوتا ہے پھر آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث اذا قرأ فانصتوا سے مقتدی کے ذمہ سکوت کا واجب ہونا واضح ہے کہ اسکو نہ زور سے پڑھنے کی اجازت ہے نہ آہستہ۔ کیونکہ اسی آیت اور احادیث متعلقہ خطبہ سے تمام فقہاء نے خطبہ کے اندر مقتدیوں کو قرأت اور ذکر سے مطلقاً منع کیا ہے کہ نہ آہستہ قرأت کریں نہ زور سے پھر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ خطبہ میں تو مطلقاً سکوت کو واجب کہا جائے اور نماز میں زور سے قرأت کو منع کیا جائے اور آہستہ قرأت کی اجازت دی جائے حالانکہ باتفاق یہ آیت قرأۃ خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا اوپر گذر چکا۔

(۱۲) حسن بن صالح، ابو الزبیر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان له امام فقراءة الامام له قراءة "جس کسی کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے"۔ اس کو امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سند صحیح ہے اور امام ابن الہمام نے اور محمد بن منیع نے کہا ہے کہ یہ سند شرط شیخین پر صحیح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد نے اسکو مفصلاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی اسکے پاس والے نمازی نے اس کو دبا دیا۔ نماز کے بعد اس نے پوچھا تو نے مجھے کیوں دبایا؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے آگے تھے تو میں نے اس کو مکروہ سمجھا کہ تو حضور کے پیچھے قرأت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی تو فرمایا من کان له امام فان قراءته له قراءة "جس کے لئے کوئی امام ہو

۱۰ ـــــــــ تحقیق الکلام

تو اس کی قرأت یقیناً اس کے لئے قرأت ہے" اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ اس حدیث کو حافظ احمد
ابن منیع نے بھی اپنی مسند میں امام سفیان ثوری اور شریک (عبد اللہ بن نخعی) سے موسیٰ بن ابی عائشہ
سے عبد اللہ بن شداد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کیلئے
امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے۔ اور بزار کی طرح عبد بن حمید نے بھی اپنی مسند میں اس
حدیث کو حسن بن صالح کے واسطے سے ابو الزبیر سے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے (فتح القدیر)
اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر سے یہ حدیث مشہور ہے (تلخیص الحبیر ص۲) پس
دارقطنی کا یہ کہنا کہ" اس حدیث کو دیگر ثقات نے مرسلاً روایت کیا ہے، صرف امام ابو حنیفہ
اور حسن بن عمارہ نے موصولاً روایت کیا ہے اور مرسل ہی صواب ہے" غلط ہے، کیونکہ ہم نے ثابت
کر دیا ہے کہ اس حدیث کو امام سفیان ثوری اور شریک بن عبد اللہ نخعی نے بھی امام ابو حنیفہ
کی طرح موصولاً روایت کیا ہے۔ امام سفیان ثوری بالاتفاق ثقہ اور حجت ہیں اور شریک بن عبد اللہ
مسلم کے رجال میں سے ہیں اور حسن بن عمارہ محمد بن اسحاق سے کسی طرح کم نہیں۔ پس تین راویوں کی متابعت
کے بعد یہ کہنا کہ یہ روایت موصولاً صحیح نہیں اصول کے خلاف ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ تنہا بھی کسی
حدیث کو مرفوعاً روایت کریں تو حجت ہے کیونکہ ان کا جو درجہ علماء امت میں ہے کسی پر مخفی
نہیں۔ رہا بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی قرأت
کافی ہے یہ تو معلوم نہ ہوا کہ مقتدی کو قرأت کرنا منع ہے تو جواب یہ ہے کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا
کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرأت کرنا واجب نہیں اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ ممانعت کیلئے سورۂ اعراف
کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا اوپر گزر چکی جس میں مقتدی کو امام کے پیچھے
خاموش رہنے کا حکم ہے۔

اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث سے مقتدی کے لئے امام کی قرأت کی وجہ
سے ایک قرأت شرعاً ثابت ہو گئی اگر وہ خود بھی قرأت کریگا تو اس کی دو قرأتیں ایک نماز میں
ہو جائیں گی اور یہ مشروع نہیں۔

(۱۳) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے فرمایا ہاں۔ تو جماعت میں سے
ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میرے نزدیک جب
امام قرأت کرے تو وہ سب کے لئے کافی ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند

حسن ہے (مجمع الزوائد) مطلب یہ کہ ہر شخص پر قرأت واجب نہیں بلکہ جس کا کوئی امام نہ ہو اسپر واجب ہے کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی سند صحیح کے ساتھ سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً درست نہیں بلکہ یہ ابوالدرداء کا قول ہے (یعنی حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں) دارقطنی نے کہا اس حدیث کو زید بن حباب اور ابو صالح کاتب اللیث نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ خطا ہے۔ صواب یہ ہے کہ ابوالدرداء کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ زید بن حباب سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور احمد بن حنبل اور ابن المدینی وعجلی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابو صالح کاتب اللیث سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً روایت کی ہے۔ ابوحاتم نے اس کو ثقہ مامون اور ابن القطان نے صدوق حسن الحدیث کہا ہے (بہت سچا ہے اس کی حدیث حسن ہے) تو جس حدیث کو ایسے راوی مرفوع کریں محققین کے نزدیک اسکو مرفوع ہی کہا جائے گا۔ پھر ہمارے نزدیک حدیث موقوف بھی حجت ہے۔ کم از کم اس سے ان صحابہ کا عدد تو زیادہ ہو گیا جو قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۴) عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت (کرنے) کو دریافت کیا تو فرمایا امام کے ساتھ کسی حالت میں قرأت نہیں اسکو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سجود تلاوت کے باب میں روایت کیا اور طحاوی نے بھی صحیح سند سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرأت نہ کرو۔

(فـ) حضرت زید بن ثابت صحابی کا فتویٰ صراحۃً امام ابوحنیفہ کا مؤید ہے کہ کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا چاہیئے جو سورۂ فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو عام ہے۔

(۱۵) امام مالک نے موطا میں وہب بن کیسان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت جابر بن عبداللہ صحابی سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ جو شخص کوئی رکعت بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے نماز ہو جاتی ہے) اس کی سند صحیح ہے ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور طحاوی نے مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو بعینہٖ الفاظ سے روایت کیا ہے اور اسکی سند حسن ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے ذمہ واجب نہیں اور اسمیں یہ بھی تاویل نہیں چل سکتی کہ قرأت سے مراد جہر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اسمیں سورۂ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام

کے پیچھے زور سے نہ پڑھے تو لازم آئے گا کہ ثنائی میں نماز پڑھنے والے پر سورۂ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے کتاب التمہید میں فرمایا:
ثبت عن علی وسعد وزید بن ثابت انہ لا قراءۃ مع الامام لا فیما اسر ولا فیما جہر۔

(الجوہر النقی ص ۱۵۱ و ص ۱۴۲)

حضرت علی اور سعد (بن ابی وقاص) اور زید بن ثابت سے ثابت ہو چکا ہے کہ (ان کے نزدیک) امام کے ساتھ قراءت نہیں نہ سری نماز میں نہ جہری نماز میں۔

(۱۶) امام مالک نے نافع سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے جب پوچھا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قراءت کی جائے تو فرماتے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اسے کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرنا چاہیے۔ نافع کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے (موطا) اور اس کی سند اصح الاسانید ہے (یعنی بہت صحیح ہے)

(۱۷) ابو وائل سے روایت ہے کہ ایک شخص عبد اللہ بن مسعود کے پاس حاضر ہوا اور کہا میں امام کے پیچھے قراءت کر لیا کروں؟ فرمایا قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے اوامر و نواہی اور وعد و وعید پر غور کرنا) اور تم کو (قراءت کے بارے میں) امام کافی ہے اس کو طبرانی نے کبیر و اوسط میں روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور طحاوی نے بھی سند صحیح سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزء القراءۃ میں علقمہ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا امام کے پیچھے قراءت نہ کرو کیونکہ اس کی قراءت تمہارے لئے بھی قراءت ہے اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ امام کے پیچھے کسی نماز میں خواہ وہ جہری ہو یا سری کا نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور نہ اور کوئی سورت اور نہ عبد اللہ بن مسعود کے دوسرے اصحاب۔ عبد اللہ بن مسعود کا یہ مذہب مشہور ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے اور اس سے منع کرتے تھے یہی مذہب ان کے اصحاب علقمہ و اسود وغیرہ کا ہے۔ اسی پر ابراہیم نخعی کا عمل تھا (حوالہ روایات کے لئے اعلاء السنن ملاحظہ ہو)

(۱۸) عبید اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہم) سے (امام کے پیچھے قراءت کرنے کو) دریافت کیا سب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قراءت نہیں کی جاتی۔ اسکو امام طحاوی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(۱۹) ابو جمرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے (قرات کرتا) ہو تو کیا میں بھی قرارت کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

(۲۰) علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کاش اس شخص کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

(۲۱) عون (ابن عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تم کو امام کی قرات کافی ہے خواہ اخفا کرے یا جہر کرے اسکو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا (اسکی سند میں) عاصم قوی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے علی بن المدینی شیخ البخاری جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں اور معن بن عیسٰی نے اسکو ثقہ کہا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے اور ایسے راوی کا روایت کو مرفوع کرنا اصول حدیث کے موافق مقبول ہے۔

(۲۲) امام شعبی نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کے پیچھے قرات نہیں ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا پھر شعبی سے حارث سے حضرت علی سے (موصولاً) روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں امام کے پیچھے قرات کروں یا خاموش رہوں؟ حضور نے فرمایا بلکہ خاموش رہو۔ کیونکہ امام تم کو کافی ہوجا ئیگا۔ پھر موصول کو ضعیف بتاکر کہا کہ مرسل جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے زیادہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں مرسل حنفیہ کے یہاں حجت ہے خصوصاً شعبی کا مرسل کہ وہ تو محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہے اور جب مرسل کی تائید موصول سے ہوجائے تو پھر بالاتفاق حجت ہے اگرچہ موصول ضعیف بھی ہو جیسا کہ مقدمۂ اعلاء السنن میں بحوالہ شرح النخبہ تدریب الراوی وغیرہ بیان کردیا گیا ہے۔

(۲۳) عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ (امام المغازی سے) مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر (صدیق) اور حضرت عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) امام کے پیچھے قرات کرنے سے منع کرتے تھے (عمدۃ القاری) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے۔

(۲۴) عبداللہ بن وہب نے یحییٰ بن عبداللہ بن سالم عمری اور یزید بن عیاض سے مرسلاً

روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لئے کوئی امام ہو اور وہ اسکی اقتداء کر رہا ہو تو اس کے ساتھ قرأت نہ کرے کیونکہ امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے۔ اس کو امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں روایت کیا اور فرمایا یحییٰ بن عبد اللہ میں نظر ہے اور یزید بن عیاض پر محدثین نے جرح کی ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث کا مدار یزید بن عیاض پر نہیں اس کے ساتھ یحییٰ بن عبد اللہ بھی ہے اور وہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے۔ نسائی اور دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس یحییٰ کا مرسل صحیح ہے۔ یزید بن عیاض کے مجروح ہونے سے اس کو کوئی ضرر نہیں اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔

(۲۵) امام مالک نے ابن شہاب (زہری) سے ابن اکیمہ لیثی سے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں آپ نے قرأت جہر سے کی تھی فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اس وقت میرے ساتھ قرأت کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں! یا رسول اللہ میں نے قرأت کی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تو کہوں کہ یہ کون مجھ سے قرأت کو چھین رہا ہے (یعنی قرأت میں منازعت کر رہا ہے) جب لوگوں نے یہ بات سُنی تو اس نماز میں قرأت کرنے سے رُک گئے جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم جہر سے قرأت کرتے تھے اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعی نے مسند میں اور ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن کہا اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ امام مالک کا اس کو سند موصول سے روایت کرنا صحت کے لئے کافی ہے۔ اس پر بعض محدثین کا یہ جرح کرنا کہ فانتہی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ الخ کہ لوگ جہری نماز میں قرأت کرنے سے رُک گئے الخ زہری کا قول ہے صحابی کا قول نہیں قابل تسلیم نہیں کیونکہ سنن ابی داود میں اس حدیث کو معمر نے زہری سے روایت کیا ہے اور صاف کہا ہے قال ابو ھریرۃ فانتھی الناس عن القراءۃ الخ ابو ہریرہ نے فرمایا کہ سب لوگ حضور کے پیچھے قرأت کرنے سے رُک گئے الخ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ اس سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقات اثبات میں سے ہے۔ پس اصول حدیث کے موافق معمر کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر اگر زہری کا قول مان لیا جائے تو وہ سیر و مغازی کا امام اور اخبار زمانۂ رسالت کا خوب جاننے والا ہے۔ اس باب میں اس کا قول حجت ہے اس سے قطعاً معلوم ہو گیا کہ اس واقعہ کے بعد تمام صحابہ نے حضور کے پیچھے جہری نماز میں قرأت کرنا ترک کر دیا تھا۔

۱۴

(ف) اس حدیث سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) جو لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے نہ کرتے تھے اور نہ آپ کو اس کا علم تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کی ضرورت نہ ہوتی کہ کیا کسی نے اس وقت میرے پیچھے قراءت کی ہے۔

(۲) سب صحابہ امام کے پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قراءت نہ کرتے تھے کیونکہ حضور کے دریافت کرنے پر صرف ایک شخص نے جواب دیا کہ میں نے قراءت کی ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی قراءت پر انکار فرمایا جس سے سب لوگ جہری نمازوں میں قراءت سے باز آگئے۔

(۴) سری نمازوں میں اس کے بعد بھی کچھ لوگ قراءت کرتے ہونگے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا جیسا عبداللہ بن شداد کی روایت میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی۔ ایک صحابی نے اسکو اشارہ سے روکا۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکے لئے امام ہو اس کے واسطے امام کی قراءت کافی ہے۔

(۲۶) انس بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دریافت کیا کہ میں امام کے پیچھے قراءت کیا کروں؟ فرمایا تو تو بڑے پیٹ کا معلوم ہوتا ہے (یعنی بیوقوف) تجھے امام کی قراءت کافی ہے۔ اس کو عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے میں کہتا ہوں اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۲۷) زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرماتے تھے اس کو بھی عبدالرزاق نے روایت کیا ہے (جوہر نقی) میں کہتا ہوں اس کی سند بھی صحیح ہے۔

(۲۸) موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت اپنے دادا زید بن ثابت صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کی نماز درست نہیں۔ اس کو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح نسخہ میں جس طرح ہے۔ امام بیہقی نے اسی طرح امام بخاری سے روایت کرکے نقل کی ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور موسیٰ بن سعد کا اپنے دادا زید بن ثابت سے روایت کرنا ابن حبان اور امام بخاری نے ذکر کیا ہے (تہذیب)

(ف) ان تمام آثار سے ثابت ہوگیا کہ جملہ صحابہ کا اس باب میں وہی قول ہے جو امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ غرض امام ابوحنیفہ کا مذہب اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت:

فتح الکلام ــــــــــ ۱۱

کی جانی چاہئے قرآن سے بھی ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی اور صحابہ کرام کے اقوال وعمل سے بھی تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بعض لوگ اب بھی اس مسئلہ میں حنفیہ پر زبان درازی کرتے ہیں اب ہم بتلائیں گے کہ تابعین میں بھی بہت حضرات اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔

(۲۹) فضیل (ابن دکین) زہیر (ابن معاویہ) سے وہ ولید بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سوید بن غفلہ سے (جو تابعی کبیر ہیں اور بعض نے انکو صحابی بھی کہا ہے) دریافت کیا کہ میں ظہر وعصر میں امام کے پیچھے قرأت کر لیا کروں ؟ فرمایا نہیں، اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

(۳۰) ہشیم ابوبشر (جعفر بن ایاس) سے وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے قرأت خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔ اسکو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور سعید بن جبیر تابعی جلیل ہیں

(۳۱) محمد بن سیرین سے (جو تابعی جلیل ہیں) روایت ہے انھوں نے فرمایا میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو سنت نہیں جانتا۔ اس کو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۲) ابراہیم نخعی اسود (تابعی کبیر) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے میں چاہتا ہوں کہ اسکا منہ مٹی سے بھر جائے۔ اسکو عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۳۳) اعمش ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے جو اول بدعت ایجاد کی ہے وہ امام کے پیچھے قرأت کرنا ہے۔ اس کو بھی عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔ (جوہر نقی)

(۳۴) منصور ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سب سے پہلے قرأت کی ہے وہ دین میں متہم تھا۔ اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔

(ف) ابراہیم نخعی فقہاء کوفہ میں سے ہیں۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قرأت خلف الامام شروع کی وہ متہم تھا۔ ممکن ہے کوئی خارجی یا قدری ہو اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبداللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت

نہ کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرارت خلف الامام کرنیوالا مبتدع یا متہم تھا۔

(۴۵) امام ابوحنیفہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کسی نماز میں قرارت نہیں کی نہ جہری میں نہ سری میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے نہ اور کوئی سورت اس کو امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔ جامع مسانید الامام میں بھی اسی سند سے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور ج۱ ص۱۹ میں اسے عبداللہ زیادہ کیا ہے یعنی عبداللہ بن مسعود کے اور تمام اصحاب بھی امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے۔ اس کو مسند حافظ ابن خسرو اور آثار محمد کی طرف منسوب کیا ہے۔

(ف) یہ حضرات اجلۂ تابعین ہیں جن کی امامت پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ ان آثار سے معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے، اور بعضے اس کو بدعت اور بعضے اس کو خلاف سنت تک کہتے تھے کیا اب بھی کسی کا یہ منہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ پر زبان درازی کرے۔ جب قرآن سے صحیح حدیثوں سے اقوال صحابہ و اقوال تابعین سے ان کے قول کی پوری تائید اور تقویت ہو رہی ہے۔ اور جن احادیث سے حضرات شافعیہ یا ظاہریہ نے استدلال کیا ہے ان سب کا جواب اعلاء السنن میں مفصل دیدیا گیا ہے اور بتلادیا گیا ہے کہ جن احادیث میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تاکید ہے وہ امام اور منفرد پر محمول ہیں۔ مقتدی پر محمول نہیں۔ چنانچہ خود راوی حدیث امام احمد اور سفیان بن عیینہ نے بھی اسی پر حدیث کو محمول کیا ہے اور امام و منفرد کے حق میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہمارے نزدیک بھی واجب ہے اور جن احادیث میں امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کا ذکر ہے وہ مرفوعاً صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔ البتہ بعض صحابہ سے امام کے پیچھے قرارت کرنا ثابت ہے مگر ان کے خلاف اجلۂ صحابہ واجلۂ تابعین سے اس کی ممانعت اور نفی بھی ثابت ہے جیسا ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ پس اختلاف صحابہ کی صورت میں ان صحابہ کا قول مقدم اور راجح ہوگا جو آیت قرآنی اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہو۔ اور جن صحابہ کا قول نص قرآنی اور حدیث صحیح کے خلاف ہوا سکی تاویل کی جائیگی کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے سکتات میں قرارت کرتے ہونگے اور سکتات امام میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کرنا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے گو واجب نہیں کیونکہ خود امام کے ذمہ سکتات

فاتحۃ الکلام ———

واجب نہیں۔ اور گو ہمارے نزدیک سری نمازوں میں قراءت نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر قراءت کرے تو جائز ہے کچھ مضائقہ نہیں۔ جن صحابہ سے امام کے پیچھے قراءت ثابت ہے وہ سری نمازوں میں قراءت کرتے ہونگے۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنا امام شافعی کا بھی مذہب نہیں، وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکتات میں فاتحہ پڑھنا ضروری ہے انکے نزدیک امام کو سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا طویل سکتہ کرنا چاہئیے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں ہمارے نزدیک ضروری تو نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے اس سکتہ کا وجوب ثابت نہیں۔ لیکن اگر امام سکتہ طویلہ کرے تو مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

(۳۶) دلیل اجماعی

امام علی وی اور موفق بن قدامہ حنبلی نے دلائل کتاب وسنت واقوال وآثار صحابہ وتابعین بیان کرکے اجماع سے بھی اسکا ثبوت دیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب نہیں کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ جو شخص رکوع کی حالت میں امام کو پائے اور تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہکر رکوع میں شریک ہوجائے تو وہ رکعت کو پانے والا ہے حالانکہ اس نے قراءت نہیں کی ہے۔ موفق بن قدامہ فرماتے ہیں ولانہا لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ ۱ھ (اور اجماعی دلیل یہ ہے کہ) مقتدی مسبوق پر قراءۃ فاتحہ واجب نہیں (وہ رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے) تو اس کے سوا اور کسی مقتدی پر بھی یہ قراءت واجب نہ ہوگی جیسے سورت کا پڑھنا واجب نہیں (حالانکہ دلائل حدیث سے ضم سورت کا وجوب بھی ثابت ہے) اگر مقتدی کے ذمہ قراءت واجب ہوتی تو بقیہ ارکان کی طرح مسبوق سے بھی ساقط نہ ہوتی ج ۱ ص۵۶۲۔ حافظ ابن عبدالبر نے شرح الاستذکار میں فرمایا ہے کہ تمام فقہاء کا قول یہ ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اور تکبیر کہکر رکوع میں شامل ہوجائے اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اس سے پہلے کہ امام سر اٹھائے تو اس نے رکعت پالی۔ یہی مذہب ہے امام مالک کا اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب کا اور سفیان ثوری واوزاعی وابوثور واحمد واسحاق کا۔ یہی حضرت علی سے اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ہم نے کتاب التمہید میں سند کے ساتھ ان سب کے اقوال بیان کردیئے ہیں۔ غرض اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبدالبر امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

ابن الامیر یمانی نے بھی سبل السلام میں عامۂ فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے مگر ظاہریہ نے صرف اسلئے کہ اس صورت میں مقتدی پر سورۂ فاتحہ کا وجوب باقی نہیں رہتا۔ اجماع کے خلاف یہ دعوے کردیا کہ رکوع پانے سے مسبوق رکعت کو نہیں پاسکتا کیونکہ اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی

تضعیف حدیث ابی ہریرۃ متعلق مسبوق

اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے سہارا لے لیا جو امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع میں پائے تو اس رکعت کو شمار نہ کیا جائیگا۔ حالانکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ سے اسکے خلاف روایت موجود ہے جو جمہور امت کے موافق ہے حافظ ابن عبد البر نے شرح موطا میں فرمایا ہے کہ فقہاء انصار میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے۔ اور اس کی سند میں نظر ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول خلاف اجماع ہے اور ابو ہریرہ کی حدیث صحیح نہیں۔ ہر زمانہ کے فقہاء نے بالاتفاق اس کو رد کر دیا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسکے خلاف ابو داود نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کرلو اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع پالیا اس نے نماز (کی رکعت) پالی۔ ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہے۔ اور منذری نے بھی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم کی تائید کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو ان الفاظ سے مرفوعا روایت کیا ہے من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرکھا قبل ان یقیم الامام صلبہ "جس نے نماز میں رکوع پالیا اس سے پہلے کہ امام اپنی کمر سیدھی کرے اس نے رکعت کو پالیا"۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو حجت قرار دیا ہے (التلخیص الحبیر) اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو صحیح کہا ہے (المرقاۃ) پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی روایت کردہ حدیث مرفوع کے خلاف کوئی قول بیان کریں، پس ان کا وہی قول صحیح ہے جو موطا مالک میں حدیث مرفوع کے موافق ہے۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قراءت واجب ہوتی تو رکوع پانے سے وہ رکعت نہ پاسکتا کیونکہ خود اس نے تو قراءت نہیں کی، پس ثابت ہوا کہ امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہو جاتی ہے اسی لئے وہ رکوع پالینے سے وہ رکعت پالیتا ہے

اہلحدیث کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل:

اب میں مؤلف تکمیل البرہان کے دلائل کی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے انہوں نے وہی حدیث عبادۃ بن الصامت بیان کی ہے۔ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری مسلم) "اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے"۔

ہم بتا چکے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد اور سفیان بن عیینہ اور زہری جیسے ائمہ راویان حدیث نے امام اور منفرد کے حق میں قرار دیا ہے۔ مقتدی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا، کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام (موطا مالک، طحاوی، ترمذی) "جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (ہو تو نماز ہو جائے گی)"۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تو سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ دیکھو جابر بن عبد اللہ صحابی اس حدیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ دوسرے جب حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے من کان لہ امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے۔ تو اب یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقتدی نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ جب امام نے پڑھ لی ہے تو اس نے بھی حکماً پڑھ لی ہے۔ گو زبان سے نہیں پڑھی کیونکہ مقتدی کو حدیث صحیح میں قرأت امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔

دوسری دلیل:

لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا (ترمذی، ابو داؤد، نسائی) نہ معلوم مؤلف تکمیل البرہان نے اس حدیث کو پورا کیوں نہیں لکھا۔ پوری حدیث یہ ہے کہ محمود بن الربیع کہتے ہیں میں نے عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے ہوئے سنا تو میں نے کہا کہ میں آپ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نہ معلوم آپ نے قصداً ایسا کیا ہے یا سہو ہو گیا ہے۔ فرمایا میں نے سہو نہیں کیا بلکہ قصداً قرأت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم نے سب کو ایک نماز پڑھائی جس میں جہر کیا جاتا ہے تو آپ کو قرأت میں الجھن ہوئی نماز کے بعد فرمایا کیا تم لوگ میرے ساتھ قرأت کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا۔ ایسا مت کرو مگر ام القرآن (پڑھ سکتے ہو) جو اس کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر قرأت کرتے تھے جبھی تو آپکو دریافت کرنا پڑا کہ تم میرے ساتھ قرأت کرتے ہو۔ اگر حضور نے امام کے پیچھے قرأت کا حکم دیا ہوتا تو اس سوال کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اسکے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں تو فرمایا ایسا نہ کرو مگر فاتحہ (پڑھ سکتے ہو) اس سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا صرف اباحت مفہوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اصول فقہ میں ثابت کر دیا گیا ہے ان الاستثناء بعد الحظر اباحۃ واطلاق کہ نہی کے بعد جو استثناء ثابت ہوتا ہے وہ اباحت کے لئے ہوتا ہے وجوب کے لئے نہیں ہوتا اور یہ ہم کو مضر نہیں کیونکہ سکتات امام کے وقت نماز جہری میں ہم مقتدی کی قرأت کو جائز کہتے ہیں اور خصم کو مضر ہے کیونکہ وہ اباحت کا قائل نہیں بلکہ وجوب کا مدعی ہے اور ہماری تاویل کی تائید طبرانی کی روایت سے ہوتی ہے جو مجمع الزوائد میں حضرت عبادۃ بن الصامت ہی سے مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب اور اسکے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے ص۱۱۱ ج ۱ - جو کوئی امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہے وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔ اور مجمع الزوائد ہی میں امام احمد کے حوالہ سے ایک صحابی سے یہ روایت بھی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالہا ثلث قالوا انا لنفعل ذلک قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح ص۱۱۱ ج ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرأت کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا۔ صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں اس سے واضح ہوا کہ سورۂ فاتحہ بھی زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں صرف دل دل میں پڑھنے کی اجازت ہے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔ اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ دل کی قرأت کو قرأت نہیں کہا جاتا کیونکہ عرفاً اس کو بھی قرأت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں ریدیہ کا

خط نہیں پڑھوں گا اور پھر اسکے خط کو دیکھ لے اور مضمون سمجھ لے مگر زبان سے نہ پڑھے حانث ہو جائے گا اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ البتہ جہاں شریعت نے قرأت فرض کی ہے وہاں بغیر زبان سے پڑھے فرض ادا نہ ہوگا اور حدیث عبادہ سے مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا صرف اباحت ثابت ہوتی ہے اور وہ دل میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی دوسرے اس پوری حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود بن ربیع نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو امام کے پیچھے قرأت کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا صرف حضرت عبادہ کو دیکھا تھا تو تعجب ہوا یہ قصداً ایسا کر رہے ہیں یا سہواً اور محمود بن ربیع صحابی صغیر ہیں اجلہ صحابہ کے دیکھنے والے ہیں ان کا قرأت خلف الامام پر انکار اور تعجب کرنا خود اسکی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ لازم نہیں اور حضرت عبادہ کی حدیث سے بھی وہ قرأت فاتحہ کا وجوب نہیں سمجھے ورنہ اپنی گزشتہ نمازوں کا اعادہ کرتے مگر نہ انہوں نے اعادہ کیا نہ حضرت عبادہ نے اعادہ کرنے کا امر کیا پس یہ حدیث مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کی اجازت دے رہی ہے وجوب کو بیان نہیں کر رہی اور ہم بھی سکتات امام میں مقتدی کیلئے قرأت فاتحہ کی اجازت کے قائل ہیں اور سکتات امام کی شرط اپنی طرف سے ہم نہیں لگا رہے بلکہ بعض احادیث میں یہ قید صراحۃً موجود ہے جو گو ہمارے نزدیک سند کے لحاظ سے صحیح نہیں مگر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں بطور حجت کے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم امام کے ساتھ ہو تو اسکی قرأت سے پہلے یا جب وہ سکتہ کرے ام القرآن پڑھ لیا کرو۔ بیہقی نے فرمایا ہے کہ یہ مرفوعاً صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے۔ یعنی یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو صحابی کا قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کرتے تھے امام کے ساتھ قرأت نہ کرتے تھے بلکہ اسکی قرأت سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں کرتے تھے۔ پھر یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے کہ حدیث عبادہ میں الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا کی زیادت کو صحیح مان لیا جائے مگر محدثین کو اسی میں کلام ہے چنانچہ موفق شیخ ابن قدامہ کتاب المغنی میں فرماتے ہیں۔

فاما حدیث عبادۃ الصحیح فہو محمول علی غیر الماموم وقد روی ایضاً موقوفاً

ابن قدامہ حنابلہ میں بہت بڑے امام محدث اور فقیہ ہیں۔ آپ کی کتاب المغنی کو کتب اسلام میں بے نظیر مانا گیا ہے۔

عن جابر بحدیث عبادة الآخر فلو بعده من قرأت الحدیث کذلک قال الامام احمد وقد رواه ابوداؤد عن مکحول عن نافع بن محمود بن ربیع الانصاری وھو ادونی حالاً من ابن اسحٰق فانہ غیر معروف بین اھل الحدیث مختصرًا (یعنی حضرت عبادہ کی جو حدیث صحیح ہے وہ تو مقتدی کے سوا دوسروں پر محمول ہے۔ چنانچہ حضرت جابر نے یہی فرمایا ہے اور ابوداؤد نے اس حدیث کو مکحول سے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحٰق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک معروف نہیں (بلکہ مجہول ہے)

تائید حنفیہ از علامہ ابن تیمیہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے رسالہ تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ نماز میں (سکتہ کے متعلق) لوگوں کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں کوئی سکتہ نہیں ہے جیسے امام مالک کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک ثناء اور تعوذ نہیں ہے اور قراءت امام میں بھی سکتہ نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں صرف ایک سکتہ ثناء و تعوذ کے لئے ہے جیسے امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ حدیث (جس کو شیخین نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یارسول اللہ آپ جو تکبیر اور قراءت کے درمیان سکتہ کرتے ہیں اس میں آپ کیا کہا کرتے ہیں؟) اس سکتہ پر دلالت کرتی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں دو سکتے ہیں جیسا سنن کی روایات میں ہے مگر یہ سکتہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد (رکوع سے پہلے) ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو کر سکتہ کرتے تھے۔ امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں بعض لوگوں کا قول (اسی روایت کی بناء پر) یہ ہے کہ نماز میں تین سکتے مستحب ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے بعد والے سکتہ کو امام شافعی کے اصحاب اور بعض اصحاب احمد نے مقتدی کی قراءت فاتحہ کے لئے قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں۔ حدیث (صحیح) میں اس کے سوا کچھ نہیں اور ایک روایت دو میں سے غلط ہے ورنہ تین سکتے ہو جائیں گے۔ اور امام احمد سے یہی منصوص ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں اور دوسرا قراءت سے فارغ ہونے کے بعد راحت کے لئے اور قراءت اور رکوع میں فصل کرنے کے لئے ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد سکتہ کرنے کو امام احمد اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ مستحب نہیں سمجھتے اور جمہور بھی ان کو مستحب نہیں سمجھتے کہ امام اس غرض سے سکتہ (طویلہ) کرے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے کیونکہ جب امام جہر سے قراءت کرے اس وقت مقتدی کے ذمہ جمہور کے نزدیک قراءت واجب یا مستحب

نہیں بلکہ قرأت کرنا مقتدی کو منع ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ اس حالت میں مقتدی قرأت کرے تو اسکی نماز فاسد ہے یا نہیں؟ امام احمد کے مذہب میں اسکے متعلق دو قول ہیں اور علمائے سلف صالحین جو امام کے پیچھے قرأت کو مکروہ سمجھتے ہیں یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ امام جہر سے قرأت کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۂ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہیں کرتے اور جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔ اس سے تو کتاب اللہ (قرآن) میں بھی منع کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی اور جمہور سلف وخلف اسی پر ہیں کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت مکروہ ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جس وقت امام جہر سے قرأت کر رہا ہو مقتدی فاتحہ پڑھے اگر نہ پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہونے میں اختلاف ہے۔ غرض نزاع طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے ساتھ قرأت کرنے سے مقتدی کو منع کرتے ہیں انکے ساتھ جمہور سلف وخلف بھی ہیں اور کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرأت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابوداود نے اس کو روایت کیا ہے اور ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اذا قرأ فانصتوا کہ جب امام قرأت کرے خاموش رہو امام احمد بن حنبل اور اسحٰق (بن راہویہ) اور مسلم بن الحجاج وغیرہم کے نزدیک صحیح ہے ان سب نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بخلاف اس حدیث کے (جس سے مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت کو واجب کیا جاتا ہے) کیونکہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور بہت وجوہ سے اسکا ضعیف ہونا ثابت ہے اور حقیقت میں وہ عبادہ بن الصامت کا قول ہے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) ص۱۸۹، ۱۹۰

حدیث عبادہ کی سند میں اضطراب ہے

علامہ ابن تیمیہ کا درجہ علم اسناد وحدیث میں جتنا بلند ہے ظاہر ہے اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کیا مؤلف تکمیل البرہان نے علامہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ نہیں کیا کہ حدیث عبادہ

لہ مؤلف تکمیل نے اس مقام پر حضرت مولانا محمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے الدلیل القوی میں لکھا ہے کہ عبادۃ بن الصامت کی روایت نسائی وابوداود کی سند میں نافع بن محمود واقع ہے ان کو تقریب میں مستور الحال لکھا ہے الا ما انکرو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستور الحال کی روایت معتبر ہے اسکا جواب یہ ہے کہ مستور کی روایت اس وقت مقبول ہے جب ثقات معروفین کے خلاف نہ ہو اور یہاں نافع نے جو زیادتی کی ہے وہ ثقات کے خلاف ہے دوسرے اسکی سند میں اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بالاتفاق ضعیف ہے۔ ظ

کو بروایت محمد بن اسحق صحیح کہنے لگے حالانکہ اس کی سند میں اسقدر اضطراب ہے کہ اگر حنفیہ میں سے کوئی عالم بھی ایسی مضطرب حدیث کو اپنی حجت میں پیش کرتا تو قامرچیاں آسمان سر پر اٹھالیتے کہ حنفیہ کو علم اسناد و علل سے مس نہیں ہے اسی لئے ایسی حدیثیں حجت میں لاتے ہیں۔ جوہر نقی میں ہے کہ حافظ عبدالحق (اشبیلی) نے اپنی کتاب الاحکام میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو اوزاعی نے مکحول سے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور (حافظ ابن عبدالبر کی کتاب) التمہید میں ہے کہ اس حدیث (کی سند) میں محمد بن اسحاق کی مخالفت کی گئی ہے اس کو اوزاعی نے مکحول سے رجاء بن حیوہ سے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے پھر حدیث بیان کی (اور امام اوزاعی کا درجہ محمد بن اسحاق سے بہت زیادہ بلند ہے وہ حدیث و فقہ میں اہل شام کے امام ہیں) اور امام طحاوی نے اس حدیث کو رجاء بن حیوہ کے واسطہ سے محمود بن ربیع سے روایت کیا ہے اور حضرت عبادہ پر موقوف کردیا (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا) اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اسکو مکحول سے عبادۃ بن الصامت سے مرسلاً روایت کیا ہے (یعنی سند منقطع ہے مکحول اور حضرت عبادہ کے درمیان واسطہ حذف کیے ہیں) جزء القراءۃ بیہقی ص۱۲ میں بھی اسی طرح ہے پھر امام بیہقی نے دوبارہ اسکو مکحول سے نافع بن محمود سے عبادہ سے روایت کیا ہے۔ ابوداود میں بھی اسی طرح نافع بن محمود کے واسطہ سے) اسکو روایت کیا ہے (اور نافع بن محمود مجہول ہے) اور ایک طریق میں جس کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو مکحول نے محمود سے ابونعیم سے حضرت عبادہ سے روایت کیا ہے اور یہ ابونعیم معلوم نہیں کون ہے حاکم نے کہا وہ وہب بن کیسان ہے اور ابن صاعد نے کہا کہ وہ مؤذن (جامع دمشق ہے) دارقطنی نے اپنی سنن میں ایسا ہی کہا ہے اور حافظ نے اصابہ میں اس حدیث کو دوسرے طریق سے نقل کیا ہے اسمیں مکحول نے نافع سے محمود بن الربیع سے عبادۃ بن الصامت سے روایت کیا ہے۔ جس حدیث کی سند میں اختلافات ہوں اسکے اضطراب میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عبادہ کی صحیح حدیث وہی ہے جس کو صاحب تکمیل نے سب سے پہلے بیان کیا ہے اس میں مقتدی اور امام کا کوئی ذکر نہیں اور جس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ کے سوا قراءت نہ کرے وہ صحیح نہیں اس کو محمد بن اسحق کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا اور ابن اسحق کے بارے میں علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا ہے ما انفرد به ففيه

نکارۃ نعنی فی حفظہ شیئاً صف ۱۳ ج ۳ جس حدیث کو وہ تنہا روایت کرے اس میں نکارت ہے۔ (یعنی ضعف ہے) کیونکہ اس کے حفظ میں کچھ (کسر) ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے درایہ کتاب الحج میں فرمایا ہے وابن اسحق لا یحتج بما انفرد بہ من الاحکام فضلاً عما اذا خالفہ من ہو اثبت منہ اھ ابن اسحق احادیث احکام میں جس حدیث کو تنہا بیان کرے حجت نہیں چہ جائیکہ اپنے سے مضبوط راوی کی مخالفت کرے تو اس صورت میں اصلاً حجت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس حدیث کا صحیح حصہ وہی ہے جو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحق نے جو زیادت اس میں کی ہے وہ ثقات کی روایت کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت عبادۃ بن الصامت کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے جیسا علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ پھر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس حدیث کو یوسف بن عدی سے عبید اللہ بن عمرو (رقی) سے ایوب سے ابو قلابہ سے حضرت انس سے بایں الفاظ روایت کیا ہے۔

قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجہہ فقال اتقرؤن والامام یقرأ فسکتوا فسألہم ثلاثا فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کیا تم امام کی قراءت کے ساتھ قراءت کرتے ہو؟ سب خاموش رہے آپ نے تین بار سوال کیا (صحابہ) نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا مت کرو۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ مگر سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اس پر بیہقی کا یہ فرمانا کہ یوسف بن عدی نے وہم کیا ہے کہ (سورۂ فاتحہ کے) استثناء کو چھوڑ دیا قابل تسلیم نہیں کیونکہ یوسف بن عدی امام بخاری کے استاذ اور صحیح کے راویوں میں سے ہیں۔ کسی نے بھی انکو صاحب اوہام نہیں کہا وہ محمد بن اسحق سے زیادہ صاحب حفظ و اتقان ہے۔ علامہ ذہبی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ محمد بن اسحاق کے حافظہ میں کمی ہے۔ پس محمد بن اسحاق کی طرف وہم کی نسبت کرنا زیادہ مناسب ہے نہ کہ یوسف بن عدی کی طرف۔ امام الفن یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ (حدیث عبادہ) میں جملہ استثنائیہ (الا بام القرآن) کی سند ایسی (قابل اعتبار) نہیں (لیس بالقوی) اور اسکو امام احمد اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے (زیلعی)

حدیث عبادہ میں فصاعدا کی زیادت اہلحدیث پر حجت ہے :

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الا بام القرآن کی زیادت پر تو اتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن اسحق کے سوا اسکا کوئی راوی نہیں۔ اور اس حدیث میں فصاعدا

کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے، اور ابوداؤد نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعدا۔

عبادۃ بن الصامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اب اگر اس سے مقتدی کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائیگا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعدا کو صرف معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں۔ کیونکہ ابوداود کی مسند میں سفیان بن عیینہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعدا پڑھتے ہیں۔ پھر صالح بن کیسان اور امام اوزاعی اور عبدالرحمن بن اسحٰق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمر نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابوسعید خدری کی حدیث بھی کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر رواہ ابوداؤد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سورۂ فاتحہ پڑھنے اور اس کے سوا جو آسان ہے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کو ابوداود نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی وابن ماجہ نے اسی حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ۔ اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور سورت نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعوی قابل تسلیم نہیں کہ معمر نے تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ واتقان میں محمد بن اسحٰق سے بہت بلند ہے۔ یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحٰق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیئے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ یا ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اسکے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے بارے میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔ مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قراءت واجب نہیں۔ اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابوداود

کے اس لفظ سے ہر شبہہ دور ہو گیا۔ الا ان تکونوا لا بدّ فاعلین فلا تفعلوا الا بام القرآن (بیہقی)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضروری امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہتے ہو تو سورۂ فاتحہ کے سوا نہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عنوان وجوب کا ہے یا محض جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتہ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ جہری نماز میں ساتھ ساتھ قرارت کرنا نص قرآن اور حدیث نصاب کیخلاف ہو گا۔

تیسری دلیل:

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیہ وسلم قال من صلی صلوٰة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج ثلاث غیر تمام فقیل لابی هریرة انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسك (مسلم شریف) یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابو ہریرہ کے شاگرد نے کہا ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (ایسی حالت میں) سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی میں بحث کی ہے مگر ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ مقتدی کے ذمہ قرارت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرارت خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی جائے مگر اقرأ بها فی نفسك اس مفہوم میں صریح نہیں۔ ہمارے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفاً قرارت قلبی کو بھی قرارت کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی رکنیت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے اس کو واجب کرنا زبردستی ہے۔

شاہ ولی اللہ کے قول کا جواب:

نفیہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہر یہ کو

ملہ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہہ دیتے ہیں ملاحظہ ہو ص ۹۵ ج ۲۔ جس میں ضم سورت کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورت (باقی آئندہ صفحہ پر)

زیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال حجت ہیں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونے چاہئیں جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے فاتحہ کی رکنیت پر کوئی دلالت نہیں۔ بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے۔

اس سے صرف فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قراءت فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں اور مقتدی کے لئے امام کی قراءت کافی ہے وہ امام کی قراءت کے ذریعہ سے حکماً قاری ہے جیسا مفصل گزر چکا ہے۔ حدیث مسلم و ابوداود میں صراحۃً مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذا قرأ فانصتوا۔ یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ نیز جواب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے ساتھ قراءت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے یا اس کے سکتات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ میں فرمایا ہے: وان کان مأموما وجب علیه الانصات والاستماع فان جهر الامام لم يقرأ الا عند اسكاته، وان خافت فله الخيرة فان قرأ فليقرأ الفاتحة قراءة لا يشوش على الامام وهذا اولى الاقوال عندي وبه يجمع بين الباب والسر فيه ما نقول على صح ان القراءة مع الامام تشوش عليه وتفوت التدبر وتخالف تعظيم القرآن وتعز عليهم ان يقرؤا من الائمة العامة من ارادوا ان يصححوا الحروف باجمعهم كانت لهم لجة مشوشة اھ ترجمہ: اگر مأموم مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے۔ اگر امام قراءت جہراً کر رہا ہے تو مقتدی قراءت نہ کرے مگر سکتہ کے وقت اور اگر قراءت سراً کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قراءت کرنا چاہے تو سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھے کہ اس کی قراءت سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکتۂ امام میں قراءت کرے اور سری میں تشویش سے بچا کر قراءت کرے۔ اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جا سکتا ہے اور اس میں راز یہ ہے جس کی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ قراءت کرنا اس کو مشوش کرتا ہے اور اس سے تدبر القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز میں بھی مقتدیوں پر قراءت لازم نہیں کی گئی کیونکہ عوام جب سب مل کر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویشناک گونج پیدا ہوتی ہے اھ

یہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک قراءت خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو صاحب تکمیل کو آگے کچھ بولنے کا حق نہیں۔ اھ

فاتحۃ الکلام ــــ ۳۰

میں تنہا پڑھو یا ساتھ ساتھ نہ پڑھو۔ اور فی نفسہٖ کے معنی تنہا کے بھی آتے ہیں جیسا حدیث
صحیح قدسی میں وارد ہے فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ
فی ملأ خیر منہ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اسے تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں
یاد کرے میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس حدیث میں فی نفسہ کے
معنی تنہا ہیں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے۔ پس ابو ہریرہ کے جواب کا بھی یہ مطلب
ہو سکتا ہے کہ امام کے پیچھے تم تنہا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اسکو کوئی
منع نہیں کرتا اور اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزء القراءۃ
ص۲۳ میں اور حاکم نے مستدرک ص۲۳۴ ج۱ میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے باین الفاظ روایت
کیا ہے من صلی صلوٰۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ اھ اور جب کوئی
نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ اس کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔

بیہقی نے تسلیم کیا ہے کہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ
امام کیساتھ قراءت مقتدی کو جائز نہیں سمجھتے سکتات میں جائز کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری پر اعتراض اور اسکا جواب

مؤلف تکمیل البرہان نے حدیث ابو ہریرہ کی بحث میں بلا وجہ حدیث عبادہ کے متعلق

ؔ اسی طرح قولہ تعالیٰ وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا میں فی انفسھم کی تفسیر وحدانا سے بھی کی
گئی ہے مولانا رشید احمد رحمہ اللہ زیادہ ظاہر مطلب یہ ہے کہ منفرداً نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھ لیا کرو جب قراءت سے منع
کیا گیا تو دل شکنی کا علاج تھا اسکے تدارک کی غرض سے فرمایا کہ یا اسکو حالت انفراد میں پورا کر لیا کرو اس کی نظیر
یہ ہے کہ امام کو نماز میں تخفیف کا حکم فرمایا اس سے بعض دل شکنی کا احتمال تھا کہ شاید کسی کو طویل نماز کی آرزو ہو اس کے
تدارک کے لئے فرمایا کہ حالت انفراد میں جتنی تطویل چاہو کرو۔ اسی طرح قرآن کریم میں جب واذا قرئ القرآن
فاستمعوا لہ وانصتوا فرمایا تو ممکن تھا کہ تلاوت سے محبت کی وجہ سے دل ٹوٹ جائیں اسلئے یوں تسلی دی گئی واذکر
ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین
یعنی اوقات میں کوئی کمی نہیں ہر وقت پڑھ سکتے ہیں صرف حالت اقتداء میں امام کی رعایت کی وجہ سے نہ پڑھیں۔
یہاں بھی "فی نفسک" کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "وحدک" منقول ہے اور یہ تفسیر ذکر سرّی کی
تفسیر سے اسلئے بہتر ہے کہ ودون الجھر من القول سرّ کو شامل ہے ۱۲ رشید احمد

ایک بحث چھیڑدی ہے کہ مولانا احمد علی صاحب حنفی (محدث) سہارنپوری نے حدیث عبادہ کی سند میں نافع بن محمود کی وجہ سے کلام کیا ہے کہ وہ مستور الحال ہے۔ حالانکہ مستور کی روایت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقبول ہے پھر عبادہ کی روایت کو امام ابوداؤد چار طرق سے لائے ہیں ان چاروں میں سے صرف ایک سند میں نافع بن محمود ہے پھر نافع بن محمود کو امام ذہبی نے کاشف میں ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اس کی سند کو حسن اور راویوں کو ثقہ کہا ہے (جس سے نافع کا ثقہ ہونا بھی لازم آگیا) اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب نے وہی کہا ہے جو موفق ابن قدامہ حنبلی نے کتاب المغنی میں فرمایا ہے کہ حدیث عبادہ میں یہ زیادت کہ "مگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو" صرف ابن اسحٰق روایت کرتا ہے اور ابوداؤد نے اس کو نافع بن محمود سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحٰق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک غیر معروف ہے۔ جیسا ہم تفصیل سے بیان کرچکے ہیں۔ پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس زیادت کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن حبان نے اگرچہ نافع کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے مگر اس کی حدیث کو معلل کہا ہے اور اس ایک حدیث کے سوا نافع سے اور کوئی روایت نہیں ان حضرات کے سامنے دارقطنی کی توثیق وتحسین کا جو درجہ ہے اہل علم خود سمجھ سکتے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس کو ضعیف کہہ کر فیصلہ کردیا ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس کی سند میں بہت اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بغیر رفع اضطراب کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں بن سکتی اور علت اضطراب کے رفع کرنے کی وہی صورت ہے جو امام بخاری ومسلم نے اختیار کی ہے کہ اس حدیث کا وہی حصہ صحیح میں داخل کیا جس کو ثقات نے روایت کیا ہے جس میں امام ومقتدی کا کوئی ذکر نہیں اور جس حصہ کے راوی محمد بن اسحٰق اور نافع بن محمود جیسے تھے اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا۔ اور اصول حدیث میں طے ہوچکا ہے کہ جب حدیث مضطرب کے چند طرق میں سے ایک طریق راجح ہوجائے وہی مقبول ہوگا بقیہ طرق مردود ہوں گے۔ پس مولانا احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری نے کوئی مغالطہ نہیں دیا خود صاحب تکمیل البرہان ہی جاہلوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل صاحب تکمیل کی وہ ہے جسے ہم مجمع الزوائد کے حوالہ سے اوپر بیان کرچکے ہیں کہ

ایک صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے
ساتھ قراءت کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا
نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے۔[1]

جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے صاحب تکمیل نے اس حدیث کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا
حالانکہ یہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے یہ دریافت کرنا کیا تم امام کے
ساتھ قراءت کرتے ہو؟ خود بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کا پڑھنا حضور کو گوارا نہ تھا اور صحابہ
کا بحالت اقتداء قراءت کرنا حضور کی اجازت سے نہ تھا تبھی تو سوال کی نوبت آئی۔ اس پر بعض علماء حدیث
کا یہ کہنا کہ "سوال قراءت فاتحہ سے نہ تھا بلکہ سورۃ فاتحہ سے زیادہ قراءت کے متعلق تھا" غلط ہے کیونکہ
دارقطنی کے الفاظ ہیں: ھل منکم من احد یقرأ شیئا من القرآن وحسنہ (فیض الباری ص ۲ ج ۲) کیا
تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ دارقطنی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔" اور القرآن
لفظ کا فاتحہ وغیرہ تمہ کو عام ہونا ظاہر ہے اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ
الکتاب فی نفسہ بھی ہماری دلیل ہے کیونکہ اس میں فی نفسہ کی قید موجود ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل
میں پڑھ لیا کرو یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو۔ اس سے پہلے یا
سکتہ میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسہ کا معنی منفرداً آنا بتلا چکے ہیں۔ مؤلف
تکمیل کا یہ دعوی کہ فی نفسہ کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں۔ علماء مالکیہ میں سے
بعض اجلہ علماء نے حدیث ابوہریرہ اقرأ بہا فی نفسک کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ سورۃ فاتحہ
دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی وفتح الملہم) پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ نہی کے بعد
استثناء وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی
کے لئے قراءت فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہوگا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کیلئے مضر ہے
کیونکہ وہ تو فرضیت اور رکنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں فرضیت
تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل:

حضرت انس کی حدیث جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول
کی حدیث کا ہے اس میں بھی وہی فی نفسہ کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت

---

[1] گزشتہ حاشیہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ الفاظ زبان سے پڑھنے کی بات [illegible] محمد رشید احمد

فرمایا تھی - کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرات کرتے ہو؟

ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن سالم کے واسطہ سے حضرت انس سے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان له امام فقراءة الامام له قراءة (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو (اور یہ اس کا مقتدی ہو) تو امام کی قرات اس کے لئے بھی قرات ہے" ابن حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر تقریب میں اس کو ثقہ کہا ہے اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حاتم لا باس به (صالح ج ۹) ابو حاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور یہ لفظ توثیق کے لئے مستعمل ہے۔ اگر نافع بن محمود کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جا سکتا ہے تو ابن سالم کو ابو حاتم کے قول سے بدرجہ اولی ثقہ کہا جائیگا پس دونوں حدیثوں کو ملانے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے صرف جواز قرات ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز بھی اس طرح کہ دل دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا سکتہ امام میں پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

چھٹی دلیل:

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرات کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو) پھر عون المعبود سے نقل کر دیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ اور دھوکہ دینا اسی کا نام ہے۔ ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے؟ اگر جزء القراءۃ بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے۔ قال البیہقی و محمد بن عبید اللہ بن عمیر وان کان غیر محتج به وکذلک بعض من نقل من رواه عن عمرو بن شعیب فلفظ امرة المأموم فاتحة الکتاب فی سکتة الامام شواهد صحیحة عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده خبراً عن فعلهم وعن ابی هریرة رضی من شواهد (ملخصا) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبید اللہ بن عمیر سے حجت نہیں

قائم ہو سکتی (کیونکہ وہ ضعیف متروک ہے، بعض محدثین نے اسکو کاذب بھی کہا ہے (ارشاد ص ۱۴۹)
اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی
حجت قائم نہیں ہو سکتی) مگر امام کے سکتہ میں مقتدی کی قراءت فاتحہ کے لئے عبد اللہ بن عمرو
اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں انکے فعل اور فتوی کا بیان موجود ہے۔ اھ
اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرما دیا کہ عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ
سے اس باب میں حدیث مرفوع ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتوی ثابت ہے اور
وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتہ میں مقتدی کی قراءت کو جائز فرماتے ہیں اور اس سے
حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجوب پر کوئی دلیل نہیں جیسا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ پس
یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

ساتویں دلیل :

اس دلیل میں عبادۃ بن الصامت کی حدیث ہی کو پھر بیان کر دیا ہے حالانکہ حدیث
پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اسکو چند
احادیث قرار دینا صحیح نہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو
ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دیدی گئی تو یہی طریق
حجت ہے بقیہ طرق حجت نہیں ہو سکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق راجح ہے جس کو
امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں
صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار
نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قراءت فاتحہ واجب ہے اور اسی معنی پر اس
حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث نے
محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب
سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ کے جتنے بھی طرق ہیں سب مرجوح اور ناقابل
قبول ہیں۔ پھر جس کتاب سے حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کئے گئے ہیں وہاں
سے تصحیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب سے حدیث کی توثیق کی گئی ہے اس
سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے کیونکہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ

کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فليقرأ بفاتحة الكتاب (ص ۱۱۲ ج ۲) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرات فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کرچکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے یا امام کے سکتہ میں پڑھ لے اور اسکو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

آٹھویں دلیل :

آٹھویں حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے (مولف تحقیق نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کردیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حضرت ابوہریرہ کی حدیث ۳ کا حاصل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قرات فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی قرات کافی ہے جس کا ثبوت ہم احادیث صحیحہ سے دے چکے ہیں۔ مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصات (خاموش رہنے کا) حکم ہے وہ امام کی قرات کی وجہ سے حکماً قرات کررہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے انما جعل الامام ليؤتم به امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور ساتھ ساتھ قرات کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے اور اس کی قرات کو سنے امام کے ساتھ مقتدی کا قرات کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

نویں اور دسویں دلیل :

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ ہی کی حدیث ہے اور دونوں جزء القراءۃ بیہقی سے نقل کی گئی ہیں۔

میں بتا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہوجائے وہی مقبول، باقی سب ناقابل قبول ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تحقیق

نے اس حدیث کو جزء القراءۃ بیہقی سے نقل تو کر دیا مگر یہ نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام اسی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہلی نے ان کو ٹوکا، قال قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام؟ قال خلف الامام ص۳۳ کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے؟ کہا ہاں" اور محمد بن احمد ذہلی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلاتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب موطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قرات جائز نہیں۔ تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مروی ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرتا ہے مقتدی قرات نہ کرے اگرچہ امام کی قرات نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قرات کرے جس نماز میں امام جہر کرے اس میں کسی کو قرات جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ (ص۱۱۱ ج۹) اگر اس حدیث میں انھوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قرات کرنے سے کیوں منع کرتے؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابو الطیب ذہلی کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مسبوق امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورۂ فاتحہ کی قرات کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں مستعمل ہونا قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلنٰھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا "ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آنے والے تھے"

(تفسیر طبری ص۲۶۲ ج۱)

رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تقرؤا الا بام القرآن) کی زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ حدیث

نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبادہ سے بوجوہ چند صحیح مشہور ہے۔
تو یہ وہی بات ہے جو علامہ ابن تیمیہ نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سو اسکا ہم نے کب انکار کیا ہے کہ بعض صحابہ قرأت
خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے اسلئے
اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل دل میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہونگے یا سکتۂ امام میں۔ اور ترجیح
ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ دوسری حدیث
عبادہ میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ "اس شخص کی نماز
صحیح نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو"۔ کیونکہ اس کی سند میں
احمد بن عمیر دمشقی معروف بابن جوصا ہے جس کی بابت حافظ ابن مندہ نے حمزہ کنانی سے
نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جوصا
کی روایت کے دو سو جز ہیں کاش وہ سفید ہی ہوتے۔ اور حاکم نے زبیر بن عبد الواحد
اسدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو علی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اسکے کہ وہ عبداللہ
ابن وہب دینوری اور ابن جوصا سے روایت کرتے ہیں۔ اھ۔ اس کی سند میں محمد بن
ابی السری بھی ہے جو غالباً عسقلانی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا ہے اور منکرات
روایت کرتا ہے۔ ذہبی نے میزان میں اسکی ایک حدیث منکر بیان کرکے فرمایا ہے کہ اس کی
اور بھی منکر احادیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری
کے مناکیر میں سے ہے یا ابن جوصا کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہوسکتی
پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منفرد ہے
مقتدی مراد نہیں کیونکہ مقتدی کے بارے میں صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا،
"جب امام قرأت کرے خاموش رہو" میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے
اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور ہم بتلا چکے ہیں
کہ بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب صاحب
تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم! پھر اس پر یہ لن ترانیاں کہ اپنے کو محقق

لہ یہ شخص متہم بالوضع ہے یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ظ

پھر اور شریعت محمدیہ کا محکوم و فرمانبردار قرار دے کر حنفیہ کے عوام و خواص کو مذہب پرست فرقہ بند اور استخوان فروش کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔ مسائل اختلافیہ میں جبکہ ہر فریق کے پاس دلائل موجود ہیں۔ یہ دریدہ دہنی اور خلاف تہذیب باتیں لکھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو برا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید و تقویت پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہ دس حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے تلاش عشرہ کاملہ کا تاج سر پر رکھ کر بڑے فخر سے فرمایا ہے کہ "الحمد للہ قرارت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دس حدیثوں سے باحسن وجوہ حل ہو گیا" گویا حنفیہ کے پاس نہ قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرمانا چاہئے کیا انکو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں سو بتلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قرارت خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار دیکھئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر:

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یزید بن شریک نے قرارت خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا کہ اگرچہ آپ (امام) ہوں۔ فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کر رہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کر رہا ہوں۔ اس کو دار قطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اسکے راوی ثقہ ہیں، اور دوسری سند سے روایت کر کے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی[1] نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے روایتیں مختلف ہیں عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرارت خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمد و نصب الرایہ زیلعی بھی ہو اور عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے اگر نظر نہیں آئے تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے مسلک کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں۔ ۱۲ ظ

مرسلاً صحیح ہے اور امام محمد نے اپنی موطا میں داود بن قیس فرار سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائیں جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیونکہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمر سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ دو مرسل صحیح اگر ایک حدیث صحیح کے معارض ہوں تو دو مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ ملخصہ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں قلت روی اھل الکوفۃ من اصحاب عمر الکوفیین ان المأموم لا یقرأ شیئاً اھ" حضرت عمر کے جو اصحاب کوفی ہیں انکی روایت یہ ہے کہ (حضرت عمر کے نزدیک) مقتدی کچھ قراءت نہیں کریگا۔ اس صورت میں اصول ترجیح کے موافق روایت تحریم کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت فی الاصول ترجیح المحرم علی المبیح اذا تعارضا" کیونکہ اصول میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جائے گی" خصوصاً جبکہ روایت تحریم نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ ممانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرے اور قراءت کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے سکتہ میں یا سری نماز میں قراءت کرے جیسا حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبادہ سے بروایت بیہقی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں کہ امام کے ذمہ سکتہ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو وجوب پر محمول نہیں کر سکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

اثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

دوسرا اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ قراءت خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا۔ خود اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے

تو حضرت علیؓ کے اثر کا جواب دیں کیونکہ اس میں فاتحہ اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علی سے بھی مختلف روایات ہیں۔ عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علی سے یوں روایت کیا ہے قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ "جو امام کے پیچھے قرارت کرے وہ فطرت (یعنی سنت) کے خلاف عمل کرتا ہے"۔ دارقطنی نے بھی اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ کہا ہے اس لئے روایت کو رد نہیں کیا جائیگا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے بجز محمد بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی کے فتاویٰ اور قضایا کو اہل کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ انکا زمانہ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گزرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی خصوصاً جبکہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبداللہ بن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبداللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد زید بن اسلم مولی عمر بن الخطاب، سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرارت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (عمدۃ القاری) عینی سند مذکور جو اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبداللہ بن زید کو امام بخاری اور امام احمد نے ثقہ کہا ہے اور محدثین سند کا جو حصہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہوا کرتا۔

پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو مبیح پر ترجیح دی جائے گی یا ممانعت کو جہری نماز پر اور اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جزء القراءۃ بیہقی کے اس اثر سے ہوتی ہے۔

عن علی قال من السنۃ ان یقرأ الامام فی الرکعتین الاولیین من صلوۃ الظھر بام الکتاب وسورۃ سرا فی نفسہ وینصتون من خلفہ ویقرؤن فی انفسھم

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز کی سنت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے والے خاموش رہیں دل ہی دل میں پڑھیں۔" امام بیہقی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں، پھر اس سے سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے کا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہل حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔

اثر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

تیسرا اثر: ابو العالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ میں نماز میں پڑھوں؟ فرمایا کہ اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قراءت نہ کروں اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ میں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں قراءت خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قراءت کا ذکر ہے کہ نماز میں قراءت ضرور ہونا چاہیے اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ابو العالیہ نے ہی مرسلاً روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا نازل ہوئی فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم "پھر لوگ خاموش رہنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کرتے تھے۔" اور موطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کیا امام کے پیچھے قراءت کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قراءت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرنا چاہیے۔ اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے، اور بیہقی نے بھی جزء القراءۃ میں سند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے یہی روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابو العالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے نزدیک قراءت کے لئے سورۂ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تحقیق البرہان کو مضر ہے۔ کیونکہ وہ تعیین فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اسکے بعد کنز العمال سے جو اثر عبداللہ

ابن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ دراصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو جزء القراءۃ للامام البیہقی ص۴۸ اور اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح ضعیف ہے (تقریب ص۲۱) پھر اس میں امام کے پیچھے قراءت کا مطلقاً ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے "من صلی مکتوبۃ او سبحۃ فلیقرأ بام القرآن وقرآنا معہا" جو شخص فرض نماز پڑھے یا نفل وہ سورۂ فاتحہ بھی پڑھے اور اسکے ساتھ کچھ اور بھی قرآن سے پڑھے" جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہل حدیث اسکے قائل نہیں۔ اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اسکا کوئی بھی قائل نہیں پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

اثر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اسکے سکتات میں قراءت کرتے تھے اور اسکو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے۔

اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے وہ قراءت خلف الامام کرتے تھے۔ مگر صاحب تحقیق نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کردی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے ساتھ ہو تو سورۂ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکتات میں پڑھ لیا کر اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔

اثر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

چھٹا اثر حضرت ابوہریرہ کا ہے کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے، (ناقص ہے) تو ابوالسائب نے کہا کہ جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قراءت کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا "ویلک یا فارسی اقرأ بہا فی نفسک الخ"

اس کا ترجمہ صاحب تحقیق نے یوں کیا ہے کہ "سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو" اور ہمارے

نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو کیونکہ ابوداود و نسائی وغیرہ میں بسند صحیح ابوہریرہ ہی سے روایت ہے اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور قرأت قلبی کا قرأت ہونا لغۃً و عرفاً ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں، پس دونوں روایتوں پر عمل کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ مقتدی کے لئے وجوب انصات کے بھی قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اور دل دل میں قرأت کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

اثر عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

ساتواں اثر عبداللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن مغفل سے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مغفل کا نام لیا تھا) کیا ہر شخص پر جو قرآن سنے اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو) قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کرے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (زیلعی صـ۳۳۲ ج ۲) پس اگر جزء القراءۃ بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ عبداللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیانی سکتہ میں قرأت کرتے ہونگے۔ پھر اس روایت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تحقیق اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

اثر ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

آٹھواں اثر ابونضرہ کا ہے کہ میں نے ابوسعید خدری سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انھوں نے فرمایا سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو)

میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابوداود نے ابونضرہ ہی سے روایت کیا ہے جیسا خود صاحب

تکمیل نے نقل کیا ہے اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں قال امرنا
ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر۔ "ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو"
اور اہل حدیث سورۂ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی و ابن ماجہ میں بھی
حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں۔ ابن عدی
نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی
نے مسند اہل شام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایتوں میں بھی خلف
الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابو نضرہ سے ابو سعید سے بایں الفاظ روایت کیا ہے لا
صلوٰۃ الا بام القرآن ومعها غیرها۔ "نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ
کچھ اور بھی ہو" اور کامل کے الفاظ یہ ہیں لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ معها "نماز
نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورۃ ہو" ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں
لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ وغیرها۔ "نماز نہیں ہے اس
شخص کی جو ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل" (اعلاء ص ۶۲ ج ۴)
اب اگر اس کو قراءت خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل ہونا چاہئے کہ امام
اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت بھی پڑھنا واجب ہے
حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں پھر ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے

اس کے بعد صاحب تکمیل نے حنفیہ کی طرف ایک مغالطہ منسوب کیا ہے کہ بوقت تعلیم
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ[1] کو فاقرأ ما تیسر معک من القرآن فرمایا تھا کہ
قرآن سے جو تجھے آسان ہو وہ پڑھ لیا کر (خاص سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا) اس سے
معلوم ہوا کہ فرض قراءت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت نہیں ایک دو آیت کسی سورت
کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا، اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ "حافظ صاحب
(یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے اقرأ بعد الفاتحۃ یعنی
فاتحہ کے بعد جو سورت تجھے یاد ہو اور آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابو داود میں رفاعۃ بن
رافع کی حدیث میں ثم اقرأ بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مسیئ الصلوٰۃ کو فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت آسان ہو پڑھ لیا کرو"

---

[1] یعنی نماز کو بری طرح پڑھنے والا یہ حدیث اسی عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ ۱۲

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو قرارت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسکا تعلق منفرد کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس حدیث کو قرارت خلف الامام سے متعلق کیا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۂ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ رہا حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔ یہ مغالطہ ہرگز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں ایک ابوہریرہ دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابوہریرہ کی تمام روایتوں میں یہی ہے ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن "پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو" کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے۔
صرف ایک راوی محمد بن عمرو نے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ کہا ہے "پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے پڑھو" یہ ابوداود کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی محمد بن عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں ثم اقرأ بام القرآن وبما شئت "پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو تمہارا جی چاہے پڑھو"۔ خود حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص۲۳۲ ج۲) میں اس کی تصریح کی ہے قوله ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن لم تختلف الرواة في هذا عن ابي هريرة واما رفاعة ففي رواية اسحاق المذكورة يقرأ ما تيسر من القرآن مما علمه الله وفي رواية يحيى بن علي فان كان معك قرآن فاقرأ والا فاحمد الله وكبره وهلله وفي رواية محمد بن عمرو عند ابي داود ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله ولاحمد وابن حبان من هذا الوجه ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث شاذ اصول حدیث پر صحیح نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحییٰ بن معین اور جوزجانی اور یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے اسکی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے توثیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت ضبط سے مجروح کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (ص۳۷۶ ج۹) ایسے راوی کا تفرد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں اور پھر یہ زیادت نص قرآن کے خلاف ہے۔
قرآن میں فاقرؤا ما تیسر من القرآن وارد ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔

سورۂ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نص قرآن کے موافق ہوگی وہی راجح ہے اور جو نص
قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآنی کے برابر نہیں کیا جاسکتا اس لئے ہم کہتے ہیں
کہ فرض تو اتنی ہی قرات ہے جو آسان ہو (یعنی کم از کم ایک آیت) اور خبر واحد میں جو زیادت
مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں نص قرآن پر بھی عمل ہو گیا اور
حدیث پر بھی اور قرات فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا
اور یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے۔ اب صاحب تجلیل البرہان
اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ مغالطہ دینے والا اور خبر واحد کی بناء پر نص قرآن کو
باطل کرنیوالا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعوی کہ قرآن اور حدیث میں ما تیسر (جو آسان ہو)
سے مراد فاتحہ ہے زبردستی ہے۔ سورۂ والعصر اور انا اعطینک الکوثر اور قل ھو
اللہ احد سے زیادہ آسان سورۂ فاتحہ کیونکر ہو سکتی ہے جس میں دو جگہ لفظ ضاد ہے۔
جس کا صحیح پڑھنا عوام و خواص کو بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ
رہا ہے کہ ضاد مشابہ ظاء ہے یا مشابہ دال۔

فرض و واجب کا فرق

علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں: فرحم اللہ ابا حنیفة حیث غایر بین
لفظ الفرض والواجب وبین معناهما فجعل ما فرضه الله تعالى اعلى مما فرضه
رسول الله صلى الله عليه وسلم وان كان لا ينطق عن الهوى ادبا مع الله تعالى و
نفس رسول الله صلى الله عليه وسلم فرحم الله ابا حنيفة لانه يحب رفع رتبة تشريع
ربه على تشريع نبيه هو ولو كان ذلك باذنه تعالى ولم يفطن الى ذلك من جعل الفرض
والواجب مترادفين وان الخلاف لفظي والحق انهما عند الامام ابي حنيفة متفاضلان
والخلاف معنوي كما هو لفظي اهـ (فتح الملهم ص ۲ ج ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انھوں نے فرض
اور واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ الگ بیان کر دیئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ
نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار
دیا اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے۔ امام ابوحنیفہ
نے اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دل بھی اسلام

ابوحنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیونکہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریع کو آپ کی تشریع سے بلند رتبہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریع بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہنچی جو فرض و واجب کو برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض و واجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے۔ دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ معنوی فرق بھی ہے اھ

صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جائیگی کہ قرآن و حدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اسکو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اسے واجب کہنا چاہیئے۔

اثر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا :

نواں اثر حضرت عائشہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کا امر کرتی تھیں۔

اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قرات کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکتات میں۔ پس اس میں اہل حدیث کے لیے کوئی حجت نہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قرات خلف الامام سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے۔ ان صحابہ کا قول نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو اور جب امام قرات کرے تم خاموش رہو۔ پس ترجیح اسی کو ہوگی۔ حضرت عائشہ کے قول محتمل سے قرآن و حدیث صحیح کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز میں یا جہری کے سکتات میں قرات کا امر کرتی ہونگی۔

اثر جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دسواں اثر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔

تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی ایک سورت پڑھنا واجب ہے۔ اگر وہ اس کے قائل نہیں تو ایسا اثر خود ان پر حجت ہے جس

پر وہ عمل نہیں کرتے۔ پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر کے واسطہ
سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزء القراءۃ میں یزید فقیر ہی کے واسطہ سے
اس کو روایت کیا ہے مگر اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں
میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے
تھے۔ پھر بیہقی نے عبید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کی اس میں بھی خلف الامام
کا ذکر نہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ نماز میں قراءت کی سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں
سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔ پھر
اعمش کے واسطہ سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا اقرأ فی
الاولیین بالحمد وسورۃ وفی الاخریین بالحمد کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد
اور ایک سورت پڑھو اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو۔ پس ایسی مضطرب روایت سے حسن
حدیث کا معارضہ نہیں ہو سکتا جس کو امام مالک نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی
نے جامع میں بسند حسن صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جس نے کسی نماز میں
سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو تو اس کی نماز بغیر
قراءت کے درست ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت
سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے اور اس کو ہم بھی
جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرتے
تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

اثر عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

گیارہواں اثر حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابوداود نے
نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابو نعیم نے نماز
پڑھائی اتنے میں عبادہ آگئے اور میں ان کے ساتھ تھا ہم ابو نعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہوگئے ابو نعیم
اس وقت جہر سے قراءت کر رہے تھے عبادہ نے سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کردی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے
کہا کہ میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابو نعیم جہر سے قراءت کر رہے تھے حضرت عبادہ نے
کہا ہاں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی الخ پھر اس کو تمہید ابن عبد البر اور مستدرک حاکم سے
نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ربیع کی طرف اس سوال و جواب کو منسوب کیا گیا ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجح وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ اس میں صرف اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصلاً ذکر نہیں ہے اور سفیان بن عیینہ، زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال و جواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحیی بن معین اور ایک جماعت ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ محمود بن ربیع صحابی صغیر ہے اور نافع تابعی متوسط ہے (کما فی التقریب مستور من الثالثہ) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قراءت خلف الامام پر انکار کرنا بتلایا جاتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قراءت خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ان دونوں کے نزدیک مقتدی کو قراءت خلف الامام جائز تھی اور نہ وہ اب تک قراءت خلف الامام کے عادی تھے جبھی تو حضرت عبادہ کی قراءت پر انکار کیا تو اگر ایک صحابی سے قراءت خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے ایسی حدیث کا مدعیٰ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جبکہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قراءت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

بارہواں اثر عبد اللہ بن عباس کا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حریث کے واسطہ سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کی سند میں ابو بکر بہاری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الفوارس نے جرح کی ہے۔ اور ابو البرقانی اور ابن السرخسی نے کذب کہا ہے۔ ابو الحسن بن الفرات نے اس کو مخلط کہا ہے یعنی روایت میں گڑبڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی ہم ابو جمرہ کے واسطے سے عبد اللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قراءت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قراءت کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو نص قرآن اذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا اور

حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبد اللہ بن عباس مقتدی کے حق میں قراءت کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتہ کے وقت قراءت کو مستحب جانتے تھے۔ اسی طرح نماز سری میں بھی، اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔

اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

تیرھواں اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔

صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرمانا چاہیے، کیونکہ اس میں نہ سورۂ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورت کا۔ ممکن ہے وہ ثنا یعنی سبحانک اللّٰھم وبحمدک الخ اور انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قراءت سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قراءت کیساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود اور انکے اصحاب کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قراءت خلف الامام سے بہت سختی سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام قرآن غلط خواں جاہل ہو تو اسکے پیچھے مقتدی کو قراءت کی اجازت دیتے تھے اور انکے بعض فقہاء حنفیہ بھی قائل ہیں۔ روی الطبرانی فی الکبیر بسند رجالہ ثقات عن ابن مسعود انہ قال لیا خلان لا تقرأ خلف الامام الا ان یکون امامًا لا یقرأ (مجمع الزوائد) ای الا ان یکون الامام لحانا فحینئذ یجوز للمقتدی ان یقرأ خلفہ وھذا وجہ ذھب الیہ بعض اصحابنا (عمدۃ القاری)

"طبرانی نے بروایت ثقات عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا اے فلاں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنا مگر یہ کہ امام قاری نہ ہو (اُمی ہو تو قراءت کر لیا کرو) (مجمع الزوائد) یعنی اگر امام غلط خواں جاہل ہو تو مقتدی کے لئے جائز ہے کہ اسکے پیچھے قراءت کرے ہمارے بعض اصحاب اسکے قائل ہیں۔"

اسکے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کر دی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروق و جابر بن عبد اللہ و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں ان سب کا قول اور فتوی یہی ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز کا م ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے[1] اھ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں

---

[1] لا تجزئ صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں۔ ۱۲ منہ

فاتحہ الکلام ـــــــــــــــ ۱۵

گئے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ۔ "اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے"۔ تو اس سے کس کو انکار ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے گفتگو قرأت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے یا نہیں۔ حدیث عبادہ میں اسکا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اور جس جگہ امام ترمذی نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے وہاں محمد بن اسحٰق کے واسطے سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تفعلوا الا بام القرآن آیا ہے "امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ" یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب وھذا اصح۔ "اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے" جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحٰق کا الا بام القرآن زیادہ کرنا صحیح نہیں پس گفتگو قرأت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اسکا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے بلکہ قرأت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا امام ترمذی نے باب ترک القراءۃ خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل فرمایا ہے واما الامام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ اھ (ص ۴۲)

"لیکن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی

نماز بغیر قرأت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔
مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیہقی وغیرہ کا قول تو حجت ہو اور امام احمد کا قول حجت نہ ہو۔

اثر عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزء القراءۃ بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی۔ امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

اس اثر کے جملہ اجزاء متفق علیہ ہیں بجز وراء الامام وغیر الامام کہ جس سے امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزء کی صحت کو ثابت کرتے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد الجصاص ہے جس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابو زرعہ اور ابو حاتم اور نسائی اور فضل غلابی اور دار قطنی اور ابن عدی نے ضعیف متروک، مذموم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے سلمۃ بن فضل سے حجاج بن ارطاۃ سے قتادہ سے زرارۃ بن اوفی سے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورت میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا۔

امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ نہی عن القراءۃ خلف الامام "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرأت خلف الامام سے منع فرما دیا" تنہا حجاج بن ارطاۃ نے اس حدیث میں زیادہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حجاج بن ارطاۃ محمد بن اسحٰق سے زیادہ قوی ہے جس کی روایت کو بیہقی اور اہل حدیث بار بار حجت میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاۃ سے امام مسلم نے مقروناً روایت کی ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً اس سے استشہاد کیا ہے۔ شعبہ اس کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اسی طرح حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری نے اس کے تیقظ اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اس کی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور اکثر کی تحسین کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمۃ بن الفضل بھی ثقہ ہے

یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابوداؤد اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے آثار بھی نقل کئے ہیں۔ گو اہل ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوع کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

اثر سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ :

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیونکہ وہ مؤلف کے خلاف تھا۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ فرمایا۔ ہاں اگرچہ اس کی قراءت کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا تو وہ تکبیر (تحریمہ) کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اسکے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قراءت کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قراءت نہ کرتے تھے بلکہ سکتۂ امام میں قراءت کرتے تھے اور امام کی قراءت کے وقت خاموش رہتے تھے اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔ سکتۂ امام میں قراءت کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام پر سکتۂ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشیم کے سعید بن جبیر کا یہ فتویٰ مذکور ہے کہ ان سے قراءت خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اور سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتویٰ نص قرآن اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا۔

فتویٰ حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد امام ابو حنیفہ کے استاذ حماد بن ابی سلیمان کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں (صاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اسکو کہتے ہیں

قرات خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے۔ میں نے کہا آپکا فتویٰ کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قرات کرو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر و عصر میں قرات خلف الامام کے قائل تھے۔ اسی کو حماد نے پسند کیا۔ اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے، گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قرات جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قرات واجب ہے۔

فتویٰ مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ

اس کے بعد مکحول شامی کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتویٰ کی محمد بن سیرین کے فتویٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرات کرنے کو سنت نہیں سمجھتا جیسا بسند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

رہا امام بخاری کا جزء القراءة میں یہ فرمانا کہ "تابعین میں سے فلاں فلاں (گیارہ حضرات) قرات خلف الامام کے قائل و عامل تھے"۔ اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرات کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے۔ امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرات خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرات خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابو سلمہ اور حسن بصری کا فتویٰ اپنی تائید میں نقل کر دیا حالانکہ اول و دوم سکتۂ امام میں قرات کے قائل ہیں اور امام حسن بصری نے تفصیل کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ "آہستہ پڑھ لیا کرو" ہم پر حجت نہیں۔ پھر جزء القراءة امام بخاری کے حوالے سے یہ بھی لکھ دیا کہ حسن بصری و سعید بن جبیر اور میمون بن مہران وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرات کرنے کو کہا ہے۔ حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتۂ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے۔

اثر عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ: عطاء بن ابی رباح کا فتویٰ حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے

موافق نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہرسے قرات کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے اور جب امام قرات کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا قرات خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مقتدی پر امام کی قرات کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔

اثر مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ :

رہا مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرات نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔ یہی طرح عبداللہ بن زبیر نے فرمایا ہے۔ اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ قرات کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کر دیا ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرات کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرات جہراً کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرات نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث ابن سعد ان میں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرات نہ کی ہو اور امام نے قرات کی ہو تو نماز باطل ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبداللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔

فتویٰ امام اوزاعی و لیث بن سعد :

اسی طرح صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبدالبر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرات خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اقوال علماء کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے۔ معانی الآثار طحاوی میں باب قرات خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر بن عبداللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ

قس دیتا۔ جو شخص امام کے ساتھ (نماز پڑھتا ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں ان کو اس حالت میں پایا کہ لوگ ان پر ہجوم کئے ہوئے تھے اور (مسائل شرعیہ میں) فتوی طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے اپنی کسی خاص حاجت میں فتوی پوچھا تو مجھے ان کے فی البدیہہ جواب سے بڑا تعجب ہوا۔ (فیض الباری ص۸۵ ج ۱) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ امام ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قرأت خلف الامام کے قائل ہوں جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ اس کے بعد قرأت خلف الامام کے قائل نہیں رہے۔

فتوی عبداللہ بن المبارک :

ترمذی نے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ "میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہوں اور لوگ بھی قرأت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم"۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہوگا کیونکہ بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کر نا دنیا کو معلوم ہے مؤرخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے۔ بعض لوگوں نے صرف اس لئے کہ وہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر ان کی فقہی کتابیں اقوال ابو حنیفہ سے مزین و مملو ہیں۔ امام مالک کا قول شاذ و نادر ہی بیان کرتے ہیں۔ ان کے اس قول سے الا قوم من اہل الکوفۃ (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک جماعت قرأت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب اور اصحاب علی کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قرأت خلف الامام مشہور و معروف ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق :

صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد کر لینا چاہئے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ "جو لوگ امام کے ساتھ قرأت سے (مقتدی کو) منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۱؎ فاتحۃ الکلام

اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد و اذا قرأ فانصتوا (جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو) امام احمد و اسحٰق (بن راہویہ) اور امام مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے۔ بخلاف اس کے کہ (جس سے فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے) مسلم کو صحیح میں شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادۃ بن الصامت کا قول ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قراءت فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال سے دینا چاہا ہے جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر دیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قراءت فاتحہ کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قراءت کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قراءت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ جن ائمہ کرام کا مذہب بھی آپ نے ایسے ہی نقل کیا ہوگا جیسے امام احمد و امام مالک کا مذہب نقل کیا ہے۔ اس لئے جب تک ان کے الفاظ سامنے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ صاحب تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ ہم موطا مالک اور جزء القراءۃ بیہقی کے حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری میں قراءت خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے۔ امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں اذا قرأ الامام فانصتوا کی روایت کو داخل کرنا اور حدیث ابی موسیٰ و ابی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک قراءت خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس کے خلاف جب تک ان کے صحیح صاف الفاظ نہ ہوں اس وقت تک ان کو قراءت خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ:

امام نووی کی جو عبارت صاحب تکمیل نے نقل کی ہے کہ جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اس میں قراءت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قراءت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجۃ اللہ البالغہ سے

ہم نقل کر چکے ہیں کہ نماز جہری میں ان کے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں نہ جہری کے سکتات میں قرأت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

اسی طرح تفسیر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں بھی قرأت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرأت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اس میں گفتگو نہیں محل نزاع قرأت فاتحہ خلف الامام ہے غرض ان مرفوع ہوں یا بغوی ان سب نے فقط سورۂ فاتحہ کا واجب ہونا بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اس میں ہے کہ امام کی قرأت سے یہ واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔ پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قرأت فاتحہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ:

امام رازی کا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی سے رکنیت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکھتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ خبر واحد سے رکنیت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکن اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں۔ پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں جو امام رازی اور جملہ اہل حدیث کے خلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔

عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعامل خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفاء راشدین نے نماز میں قرأت فاتحہ پر مواظبت اور مداومت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قرأت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ قرأت فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیونکر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے، واذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع وانصات کا وجوب ثابت ہے، واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قرأت خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں بتلا دیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سختی کے ساتھ قرأت خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں۔

مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قراءت خلف الامام کا ثبوت مشائخ کرام و صوفیۂ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قراءت سورۂ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اس سے قراءت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قراءت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قراءت خلف الامام میں ہے۔ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اسی طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قراءت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قراءت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیاء کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ "لکنہ یجوز القراءۃ بالفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ وکان یقرأھا فی نفسہ" وہ حنفی تھے لیکن قراءت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہ قراءت کرتے تھے۔ صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ہمارے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قراءت سے پہلے یا اسکے سکتہ میں تنہا قراءت فرماتے تھے ساتھ ساتھ قراءت نہ کرتے تھے۔ اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قراءت کرتے تھے تو اسکا واضح ثبوت پیش کرنا چاہیے اور یہ بھی بتلانا چاہیے کہ حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے مقابلہ میں ان حضرات کی رائے کیا وزن رکھتی ہے۔[1]

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قراءت خلف الامام کا ثبوت امام ابو حنیفہ اور علماء احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے۔ سب سے پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبریٰ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا نہ واجب ہے نہ سنت، یہ ان کا پرانا قول ہے اور یہی مشہور ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بر سبیل احتیاط سری نماز میں قراءت فاتحہ مستحسن ہے مکروہ نہیں۔ اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ "یار لوگوں نے اس رجوع کو (یعنی دوسرے قول کو) مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی

---

[1] اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ صاحب تذکرہ کا ثقاہت میں کیا مقام ہے؟ اور ان سے لیکر نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تک سند کیسی حال ہے؟ رشید احمد

دھڑابندی قائم ہو گئی" سراسر لغو ہے کیونکہ اول تو دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں۔ پہلے قول میں وجوب اور سنیت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ انہیں تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرات فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟ تو یہ کہنا غلط ہے کہ بار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہیں کیا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قرات فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قرات کرنا مقتدی کو منع ہے۔

صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ "جب امام صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر انکے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کرکے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کہاں تک دیانت وانصاف ہے الخ" سراسر لغو ہے۔ امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا نہ رجوع کی ضرورت تھی۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے قول سے ظاہر ہو چکا ہے کہ "اہل اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جب امام قرات کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ قرات واجب ہے۔ اور اگر وہ قرات نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے"۔

جماعت اہلحدیث فرقہ وارانہ فساد کی بانی ہے:

امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف سری نمازوں میں احتیاطاً قرات فاتحہ کو مستحسن ومستحب فرمایا ہے جیسا صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے۔ رہا اس مسئلہ میں مناظرے اور مباحثے کرنا، تو اس کی ابتداء جماعت اہل حدیث کی طرف سے ہوئی ہے انہوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد، باطل، بیکار کہہ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اٹھانا پڑا۔ اگر جماعت اہل حدیث مسائل خلافیہ میں اس قدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ و مباحثہ کی اصلاً ضرورت نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو قرات فاتحہ

خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل اور فاسد نہیں کہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے پاس بھی قرآن و حدیث اور علماء سلف وخلف سے دلائل موجود ہیں۔ اسلئے کسی کو حق نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے۔ اسلئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ و مباحثہ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اسکی نوبت جماعت اہلحدیث کی دریدہ دہنی کی وجہ سے پیش آئی۔ والبادی اظلم۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ :

غیث الغمام کے حوالہ سے علامہ عینی کا جو قول شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اسمیں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استحسنوا ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوٰۃ ومنہم استحسنہا فی غیر الجہریۃ ومنہم من رای ذلک اذا کان الامام لحانا (ص۲۲)

"پھر ہمارے بعض اصحاب (حنفیہ) نے اس (قراءت خلف الامام) کو بر سبیل احتیاط تمام نمازوں میں اور بعض نے سری نمازوں میں اور بعض نے امام لحان (غلط خواں) کے پیچھے مستحسن سمجھا ہے" اھ

مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قراءت کے ساتھ مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں دی بلکہ اسکی قراءت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصات فوت نہ ہو کیونکہ مقتدی کے ذمہ قراءت امام کے وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کر دی ہے۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے (کہ فقہاء حجاز وشام بھی اسی پر ہیں) اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کی طرف نسبت صحیح نہیں، اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحب تکمیل کی ایجاد ہے علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء حجاز وشام کا ذکر ہے وہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وقال الثوری والاوزاعی فی روایۃ وابو حنیفۃ وابو یوسف ومحمد واحمد فی روایۃ وعبد اللہ بن وہب والاشہب لا یقرأ المؤتم شیئا من القرآن ولا بفاتحۃ الکتاب فی شیء من الصلوٰۃ وہو قول ابن المسیب وجماعۃ من التابعین وفقہاء الحجاز والشام علی انہ لا یقرأ معہ فیما یجہر بہ وان لم یسمعہ ویقرأ فیما یسر فیہ الامام اھ (ص۱۱ ج۳)

"امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا اور امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابو حنیفہ، ابو یوسف

فاتحۃ الکلام ——— ۹۲

اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبداللہ بن وہب اور اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قرات نہ کرے سورۃ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے اور فقہاء حجاز و شام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات نہ کرے اگرچہ امام کی قرات کو سنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قرات کرے۔

مولانا عبدالحی، شیخ التسلیم اور ملاجیون :

اسکے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی اور شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرات خلف الامام کا استحسان ہے چنانچہ مولانا عبدالحی اور ملاجیون استاد عالمگیر کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحۃً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحۃً مذکور ہے اور اسمیں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرات سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرات فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں کہ اس صورت میں فرض انصات فوت ہوتا ہے جس کی قرآن وحدیث میں تاکید ہے۔

امام رازی کا یہ قول کہ "امام ابوحنیفہ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی" اھ صاحب تحقیق کے لئے مفید نہیں کیونکہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے قرات خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد دفع دخل مقدر کے طور پر صاحب تحقیق نے ملا علی قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت سے رد کیا ہے۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبدالحی کا کیا درجہ ہے؟ اس پر صاحب تحقیق کا خوش ہونا اور علماء حنفیہ کو الزام دینا بجز الغریق تتشبث بالحشیش کے اور کیا ہے؟

صاحب تحقیق کی دریدہ دہنی :

اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ "زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر آتا ہے جو احادیث صحاح ستہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حمیت مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ ومکذوبہ وآثار مختلفہ وباطلہ کو اپنی تصنیفات وتحریرات وحواشی میں درج کرکے اپنے عوام وجہلاء کو فتنے میں ڈالتے ہیں" اھ یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہل حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ نفرت کی ۱۵

مسائل میں شدت کے ساتھ نزاع کرنے والے ہیں۔ کیا صاحب تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قرأت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پیش کرتے ہیں۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع اور بالاتفاق یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسلئے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ اور جب قرأت کرے تم خاموش رہو" جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابو داود نے سند صحیح سے روایت کیا ہے اور دلیل میں لاتے ہیں، تو کیا مسلم اور ابوداود صحاح ستہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان له امام فقراءة الامام له قراءة سے استدلال کرتے ہیں۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن منیع نے اپنی مسند میں امام محمد نے اپنی مؤطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔ پھر مؤطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے صحابہ و تابعین کے آثار بیان کرکے سلف و خلف کے تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحب تکمیل کے نزدیک مؤطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیثیں موضوع و مکذوب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم و حیا کا پاس کرکے بات کرنی چاہیئے اور یہ ساری دلیری اور بیباکی اس پر ہے کہ خود صاحب تکمیل نے اپنے رسائل میں جزء القرأة بیہقی سے بہت سی احادیث و آثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور واہی ہے جیسا گزشتہ اوراق میں مفصل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ قول نقل کرکے کہ "بعض فقہاء نے جو یہ کہا ہے(ف) کہ قرأت خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قول شاذ و مردود ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قرأت فاتحہ کو مستحسن سمجھا ہے" الخ عوام کو یہ دھوکہ دیا گیا ہے کہ مولانا عبدالحی اور امام محمد مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں حالانکہ مولانا عبدالحی کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکتات امام کی بھی قید مذکور ہے تاکہ استماع و انصات میں خلل واقع نہ ہو۔

(ف) تفوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے بکواس کیا ہے یہ بے ادبی و گستاخی انہی کو مبارک ہو۔ لفظ تفوہ کے معنی تکلم اور نطق سے زیادہ نہیں۔ ۱۲ ظ

اس کے بعد جن علماء احناف سے قراءت خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سری نمازوں میں اور جہری نمازوں میں سکتات امام کے ساتھ مقید ہے۔ علماء حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصات کو ترک کرکے جواز قراءت کا کوئی بھی قائل نہیں۔

صاحب تکمیل کی دلائل حنفیہ پر تنقید:

اس کے بعد صاحب تکمیل نے مانعین قرءت فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور سب سے پہلے آیت قرآن "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" "اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو" کو پیش کرکے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضرور ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جواب صحیح ہو۔ پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں دریدہ دہنی کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش دغیرہ وغیرہ کلمات واہیہ سے یاد کرنا اور انکے دلائل کو روایات موضوعہ و مکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت وانصاف ہے؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قراءت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسکی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح وحسن نقل کر دیئے ہیں۔

جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قراءت کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ "برادران احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی احادیث کو آیت ہذا کا معارض سمجھ کر ان احادیث کو نہیں مانتے" تو بالکل غلط ہے بلکہ ہم ان احادیث کو امام یا منفرد پر محمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قراءت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں تارک قراءت نہیں مانتے کیونکہ مسلم اور ابو داؤد کی صحیح حدیث "اذا قرأ الامام فانصتوا" صاف موجود ہے کہ "جب امام قراءت کرے تم خاموش رہو" اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن منیع میں صحیح حدیث موجود ہے۔ "من کان له امام فقراءة الامام له قراءة" "جو شخص امام کے ساتھ ہو امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے۔" حنفیہ حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا اور من کان له امام فقراءة الامام له قراءة سب کو

جمع کرکے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قرات کے ساتھ قرات کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتہ امام میں اور سری نمازوں میں قرات خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔ مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت ہی تارک قرآن و حدیث ہے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرات کو واجب کہتے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا اور حکم خداوندی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔

حنفیہ کی دلیل قرآنی پر تنقید :

حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے یہ دیا ہے کہ قرات فاتحہ خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض نہیں بلکہ مخصص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنۃ جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے تواتر الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورۃ فاتحہ کی قرات کے ساتھ"۔

سوال از آسمان جواب از ریسمان اسی کا نام ہے۔ گفتگو قرات فاتحہ خلف الامام میں ہے اور تواتر قرات فاتحہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قرات سورۂ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قرات اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ قرات فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قرات مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں تارک قرات نہیں بلکہ بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے۔ پس اگر صاحب تکمیل کو ہمت ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرات فاتحہ خلف الامام کا تواتر ثابت کریں۔ محض قرات فاتحہ کا تواتر بیان کرکے عوام کو قرات فاتحہ خلف الامام کا مغالطہ دینا محض دھوکہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جاسکتا۔ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

فان قلت هذا الحديث مشهور فتجوز الزيادة بمثله قلت لا نسلم انه مشهور لان المشهور ما تلقاه التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون في هذه المسألة ولئن

سلمنا انہ مشھور فالزیادۃ بالخبر المشھور انما تجوز اذا کان محکما اما اذا کان محتملا فلا وھذا الحدیث محتمل لان مثلہ یستعمل لنفی الجواز ویستعمل لنفی الفضیلۃ کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ ولا صلوۃ بحضرۃ طعام۔ رواہ مسلم ص ۲۰۹ ج ۱

(ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم اسکا مشہور ہونا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مشہور وہ ہے جس کو تابعین نے قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ یہ مشہور ہے تو حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادت اسوقت جائز ہے کہ وہ اپنے مدلول ومفہوم میں محکم ہو۔ اور اگر محتمل ہو تو اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز نہیں۔ اور یہ حدیث (لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن) محتمل ہے کیونکہ اس قسم کا لفظ کبھی نفی جواز وعدم صحت کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی نفی فضیلت کے لئے جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں (اسکا مطلب بالاتفاق یہ ہے کہ بغیر مسجد میں ادا کئے اس کی نماز کامل نہ ہوگی یہ معنی نہیں کہ بالکل صحیح نہ ہوگی) اور نیز آپ کا ارشاد ہے کہ کھانے کے سامنے نماز نہیں اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس کا بھی بالاجماع یہی مطلب ہے کہ جب بھوکے کے سامنے کھانا آجائے اسوقت کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو نماز کامل نہ ہوگی یہ مراد ہرگز نہیں کہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

پھر اس حدیث کو قراءت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں اس میں صرف قراءت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی واجب کہتے ہیں مگر مقتدی پر واجب نہیں کہتے، کیونکہ آیت قرآنی اور صحیح حدیثوں میں مقتدی کو خاموش رہنے کا صریح حکم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اس تقریر سے مصنف تحقیق کی اس بات کا بھی جواب ہوگیا کہ "یہ آیت مکی ہے اور قراءت فاتحہ کا حکم مقتدی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں دیا ہے۔ پس کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الاعتراض کے لئے ناسخ ہو سکتی ہے"؟ ان سے کوئی پوچھے کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی حدیث میں مقتدی کو قراءت فاتحہ کا حکم دیا ہے؟ اگر حضرت عبادہ کی حدیث لا تفعلوا الا بام القرآن مراد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ اس سے وجوب وہی ثابت کر سکتا ہے جس کو اصول اور قواعد عربیہ سے واقفیت نہ ہو ورنہ ہر سمجھدار فقیہ جانتا ہے کہ نہی کے بعد استثناء سے اباحت مستفاد ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پھر اسی حدیث کے الفاظ ابوداؤد میں اس طرح پر ہیں۔ ان کنتم لابد فاعلین فلا تفعلوا الا بام الکتاب۔ "اگر تم امام کے پیچھے ضرور ہی قراءت

کرنا چاہئے ہو تو سورۂ فاتحہ کے سوا نہ کیا کرو۔ اس سے ہر عامی بھی با آسانی سمجھتا ہے وجوب نہیں سمجھ سکتا۔

پھر تفسیر فتح البیان سے جو نقل کیا گیا ہے کہ "صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے" الخ

بڑی جرأت ہے۔ بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں قرأت خلف الامام کا حکم نہیں ہے۔ صاحب تکمیل البرہان کو خدا کا خوف کر کے بات کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک حدیث میں بھی ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہئے۔ بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ حکم دیا ہے۔ اذا قرأ الامام فانصتوا۔ "جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو" اور اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور مفسر طبری اور علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہم نے صحیح فرمایا ہے اور حدیث عبادہ میں لا تفعلوا الا بام القرآن کی زیادت کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کتاب المغنی اور علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ تنوع العبادات کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے اور حدیث عبادہ کا جو حصہ صحیح ہے اس کو قرأت خلف الامام سے کچھ واسطہ نہیں وہ منفرد اور امام کے متعلق ہے جیسا خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے قال لمن یصلی وحدہ "یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو"۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا اور آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن میں تعارض ثابت کر کے دونوں کو ساقط کرنا چاہا ہے اور نور الانوار و توضیح و تلویح کا حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ بالاتفاق قرأت خلف الامام کے متعلق ہے اور فاقرؤا ما تیسر من القرآن صلوٰۃ منفرد کے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قیام اللیل جماعت سے نہیں ہوتا منفرداً ہوتا ہے۔ طلباء کو تعارض کا مطلب سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر نور الانوار وغیرہ میں ان آیتوں کو پیش کر دیا گیا کہ شان نزول کو نہ دیکھا جائے تو ان میں تعارض معلوم ہوگا ورنہ حقیقۃً تعارض ثابت کرنا مقصود نہیں جیسا فقہاء کے طرز عمل سے واضح ہے کہ وہ برابر دونوں آیتوں سے استدلال کرتے چلے آرہے ہیں ملاحظہ ہو عینی شرح البخاری ص۱۰ ج ۱۔

پھر حنفیہ پر صاحب تکمیل نے یہ الزام قائم کیا ہے کہ "اس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا

لہ و انصتوا سے حنفیہ نے خطبۂ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کو واجب کہا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خطیب آیت یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے تو سننے والا آہستہ درود پڑھ لے تو فاتحہ خلف الامام کے آہستہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ آیت کا نزول بالاتفاق قرأت خلف الامام کے بارے میں ہے۔ خطبۂ جمعہ کو نماز کے ساتھ بعد میں ملحق کر لیا گیا ہے ورنہ مکہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ کہاں تھا؟ پس جس قدر استماع و انصات کی تاکید نماز میں ہے خطبہ میں نہیں ہے اسلئے بعض فقہاء نے یہ سمجھ کر درود پڑھنے کی اجازت دیدی کہ خطبہ میں امام سے کسی ضرورت کے وقت بات کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور امام کو بھی مقتدیوں سے بات کرنا اور کوئی ضروری بات پوچھنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے اور اسوقت مقتدی امام کی بات کا جواب بھی دے سکتا ہے جیسا واقعہ سلیک غطفانی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اُن سے بات کی اور ایک دفعہ خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دُعا کو کہا گیا تھا اور حضرت عمر کے واقعہ سے کہ خطبہ میں حضرت عثمان کو دیر سے آنے پر تنبیہ کی تھی اور انھوں نے جواب میں اپنا عذر بیان کیا تھا (بخاری)، ظاہر ہے کہ اس کو خطبہ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح جب خطیب خطبہ کے اندر حکم کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اس حکم کی تعمیل بھی خطبہ کے منافی نہیں آہستہ درود پڑھ سکتے ہیں بلند آواز سے نہیں۔ اور بعض فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں بھی زبان سے درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے صرف دل سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ فلا اشکال

ایک الزام یہ دیا ہے کہ "نماز فجر شروع ہونے کی حالت میں امام کی قرأت کے وقت صف کے پیچھے سنتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور آیت اذا قرئ القرآن سے اسکو ممنوع قرار نہیں دیتے تو اس آیت سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع ہے!

جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل کی روایت اوپر گزر چکی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ آیت صرف مقتدی کے حق میں ہے کہ وہ قرأت خلف الامام نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ اس کے سوا دوسرے موقع پر قرآن پڑھا جائے تو سننا اور خاموش رہنا فرض نہیں۔ بعض فقہاء حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ان کے نزدیک نماز فجر کے وقت مسجد میں ایک طرف سنت فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ شخص مقتدی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے عموم لفظ کی بناء پر ایسی جگہ سنت فجر پڑھنے کو منع کیا ہے جہاں امام کی قرأت سننے میں آتی ہو۔ وہ

فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے۔

۲۔ مقتدی کا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا سو اس میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کی قرأت کے وقت مقتدی کو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا جائز نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ کر خاموش رہے اور موقع ملے تو سکتات امام میں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھ لے اور سکتات امام میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے جیسا بار بار گزر چکا ہے۔

رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی نہیں تکبیر کے بعد مقتدی بنے گا اور اس وقت قرآن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے پہلے نہیں۔ دوسرے اس پر سب کا اجماع بھی ہے کہ امام کی قرأت سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہونا درست ہے۔ لیس صاحب تکمیل کو اپنی ہی فہم و دانش کا ماتم کرنا چاہیے۔

اور امام بخاری کی جزء القراءۃ سے جو الزام نقل کیا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک بچے کو سبق دیتا ہے اور باقی بچے بھی قرأت کرتے ہیں وہاں آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا الخ

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی کے حق میں نہیں ہے دوسرے بچوں کو بڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچے تو بے وضو بھی قرآن پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع کے ہیں تو اس سے بھی حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے نماز جہری میں صرف امام کی قرأت کے وقت ممانعت ہوگی۔ سکتات امام میں قرأت کرنے کی ممانعت آیت ہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکتات امام کے وقت بھی قرأت ناجائز و حرام ہے الخ

یہ حنفیہ پر افتراء ہے۔ جو لوگ سکتات امام کی رعایت کر کے سورۂ فاتحہ خلف الامام پڑھ سکیں اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا۔ اسی طرح سری نمازوں میں بھی قرأت فاتحہ خلف الامام آہستہ آہستہ جائز ہے جبکہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو۔ جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ اخفاء

کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع و انصات بھی پایا جاتا ہے الخ

یہ محض دعوی ہے جو قابل قبول نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنے لبوں کو حرکت دیکر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہرہ کرتے تھے۔ حق تعالی نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا۔ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرانہ . فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ۔ "قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو آپ کے دل میں جما دینا اور پڑھوا دینا تو جب ہم (بواسطہ جبریل کے) اس کو پڑھیں تو اسکی قرأت کا اتباع کیجئے"۔ اس کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں فاستمع لہ وانصت "جب وحی نازل ہو تو اس کو سنتے رہیئے اور خاموش رہیئے۔"

اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف ص ۳۔ معلوم ہوا کہ قرأت قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ کہ امام بنایا اسی لئے گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قرأت یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے زبان کو حرکت نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ البتہ اگر انصت لہ بولا جائے تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک خاموش رہنا دوسرے کان لگا کر سننا اور جب انصات مطلق ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ ملاحظہ ہو قاموس ص ۹۸ ج ۱۔ پس امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔

اس کے بعد یہ الزام دیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے نماز میں کئی سکتے ثابت ہیں۔ اگر مقتدی سکتات مذکورہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو آیت واذا قرئ القرآن کا مخالف نہ ہوگا۔

جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سکتات امام پر واجب نہیں کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی قرأت فاتحہ نہیں کر سکے گا۔ نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعوی کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف بلا سند ایک غلط قول کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔ بھلا صحابہ کے متعلق کون یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا کر شور کریں گے کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع وخضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی۔

اہل حدیث جو اس قسم کی لغو باتیں کر کے صحیح حدیثوں کو رد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویلیں کرتے رہیں تو وہ عامل بالحدیث ہوں، اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنیٰ بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور اسخوان فروش قرار پائیں، سبحان اللہ کیا انصاف ہے! ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قرأت جائز ہے تو خطبۂ جمعہ میں بھی چلا کر بولنا ہی منع ہوگا کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تسبیح وتکبیر وتہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تمام علماء نے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شان نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبۂ جمعہ میں امام کا خطبہ سنتے ہوئے لوگوں کو بغیر چلائے باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر وتسبیح وتہلیل کرنا جائز ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے بھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت ہٰذا سے استدلال کرنا تمام محدثین ومفسرین کے خلاف ہے۔ یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے۔ حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے! اس سے تو وہ قرأت خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں، اور اس میں جمہور سلف وخلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حدیث اعرابی سے انکے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل

ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے الخ

اس کا جواب گزر چکا ہے کہ مکہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ شان نزول فقط خطبۂ جمعہ ہے کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر و تسبیح پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قرارت کس طرح جائز ہوگی ؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا۔ جب سورۂ بقرہ کی آیت وقوموا للّٰه قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کرتے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قرارت خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ نہ کرتے تھے۔ کسی ایک یا دو ناواقف نے ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ جب حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے پوچھا تم میں سے کس نے قرارت کی تو صرف ایک آدمی کہتا تھا میں نے قرارت کی ہے۔ اس کو آپ نے منع کر دیا۔

پھر امام رازی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں کفار کو خطاب ہے اور اگر آیت کو قرارت خلف الامام پر محمول کیا جائے تو قرآن کا سیاق و سباق ہی بگڑ جائے گا اور ترتیب مختل ہو جائے گی الخ۔

میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبل کا قول گزر چکا ہے کہ بالاتفاق یہ آیت نماز کے متعلق (قرارت خلف الامام سے منع کرنے میں) نازل ہوئی ہے تو کیا احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سلف سے بھی زیادہ کوئی قرآن کے سیاق و سباق کا سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ پھر اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے هذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يؤمنون "یہ قرآن (بجائے خود) گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں" جس میں اہل ایمان کا اور قرآن کا ذکر ہے۔ اس کے بعد واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ہے۔ اس کے بعد واذکر

ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین ہے جس میں ہر مسلمان کو ذکر کی تاکید اور غفلت سے ممانعت ہے غرض آیت واذا قرئ القرآن سے پہلے بھی اہل ایمان کا ذکر ہے اور بعد میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے تو درمیان میں قراءت قرآن کے متعلق مسلمانوں کو خطاب کرنے سے قرآن کا سیاق وسباق کیسے مختل ہو گیا؟ اس آیت سے پہلے قرآن کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بصائر وہدایت ورحمت ہے اس کے بعد یہ امر یقیناً اس کی عظمت کے مناسب ہے کہ جب قرآن (نماز میں) پڑھا جائے اسکو سنو اور خاموش رہو تاکہ اچھی طرح بصیرت وہدایت ورحمت سے حصہ حاصل کر سکو، اسکے بعد حکم ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیا کرو صبح اور شام اور غافلوں میں شمار نہ ہو۔

بتلائیے کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نظم قرآن مختل ہو گیا۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جہاں قرآن نے کفار کے شور وغل اور چلانے کا ذکر کیا ہے وہاں رحمت کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون فلنذیقن الذین کفروا عذابا شدیدا ولنجزینھم اسوأ الذی کانوا یعملون ۰

یعنی کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور شور وغل مچاؤ شاید اس طرح تم غالب آجاؤ۔ ہم ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے اور انکی اس بُری حرکت کی جو وہ کرتے ہیں سزا دیں گے۔

پس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون کا عنوان ہی بتلاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے وہی قرآن کو سننے اور خاموش رہنے پر رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں کفار تنہا اس پر رحمت کے امیدوار کیونکر ہو سکتے ہیں جبتک ایمان نہ لے آئیں؟ پس تفسیر فتح البیان کا یہ قول ہرگز صحیح نہیں کہ اس آیت میں صرف کفار کو خطاب ہے اور مسلمانوں کو خطاب ماننے سے قرآن کی آیات میں ارتباط نہ رہے گا۔ بلکہ سیاق وسباق اور آیت کے عنوان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں ہی کو خطاب ہے تمام علماء مفسرین نے اس کو قراءت خلف الامام سے ممانعت پر محمول کیا ہے جیسا امام طبری کے حوالے سے ہم نے تفصیل کے ساتھ شروع ہی میں لکھ دیا ہے غالباً ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ صاحب تکمیل البرہان کس قدر ہٹ دھرمی اور عصبیت مذہبی سے حنفیہ کے دلائل پر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس آیت سے جمہور سلف وخلف نے قراءت خلف الامام کی ممانعت پر استدلال کیا تھا اس کو تفسیر فتح البیان اور رازی کے قول سے رَدّ کرنا

چاہتے ہیں الغریق یتشبث بالحشیش اسی کو کہتے ہیں کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔

دلائل حدیثیہ پر تنقید :

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حالت رکوع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کرلیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آپ نے اس رکعت کو لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اس سے حنفیہ قرات فاتحہ خلف الامام کے فرض نہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں کہ جب رکوع میں ملنے سے (بغیر فاتحہ کے) رکعت ہوگئی تو حالت قیام میں بھی سورۂ فاتحہ کے بغیر ہوجائے گی الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ و حنابلہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قرات خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے جیسا کتاب المغنی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور صرف حدیث ابی بکرہ ہی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ اجماع سے استدلال کیا گیا ہے۔ امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے "ولانها قراءة لا تجب على المسبوق فلم تجب على غيره كالسورة۔" پھر قرات فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے ضم سورت اھ۔

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرات کا وجوب حالت قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔

میں کہتا ہوں اہل حدیث کی زبان و قلم سے ایسی باتیں نکلنا جائے تعجب ہے کیونکہ یہ تو سراسر قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے اول من قاس ابلیس[*] کا نعرہ لگایا کرتے ہیں ان کو کسی حدیث سے اسکا ثبوت دینا چاہئے کہ قرات کا وجوب حالت قیام کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت عبادہ کی حدیث لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر اور کسی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مقید کرسکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ دوسری حدیث من کان له امام فقراءة الامام له

---

[*] یعنی سب سے پہلا ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے یہ اتنی بات نہیں جانتے کہ قیاس ابلیس جیسی کی تھی ہو تھا ورنہ قیاس کو حجت کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

قراءۃ سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اوّل اس کو تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابوبکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پانے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پانے سے رکعت نہیں ملتی۔ اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی۔ پس رکوع پانے والے پر رکوع میں قراءت فاتحہ فرض ہونی چاہیئے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزء القراءۃ بیہقی ص۱۴۸ عن حسان بن عطیۃ عن ابی الدرداء قال لا تترك الفاتحۃ خلف الامام زاد ابن ابی الحواری وان لم تقرأ وانت راکع وفی روایۃ اخری عن ابی الدرداء قال لو ادرکت الامام وھو راکع لاحببت ان اقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ "حسان بن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ چھوڑو۔ چاہے رکوع میں ہی پڑھ لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروں گا کہ سورۂ فاتحہ (رکوع ہی میں) پڑھ لوں۔ اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عبارت منہدم ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قراءت فاتحہ ہو سکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے۔ پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ "جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہو جاتی ہے" حنفیہ و حنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قراءت کافی ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ حالت رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا ذکی حس پر جو اسی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں،

ان کو یا تو ظاہریہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہئے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابو الدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پائے تو رکوع ہی میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر وہ جمہور کی طرح اسکے قائل ہونگے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قراءت فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابو بکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے انکی وہ رکعت ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا۔ الخ

اس سے صاحب تکمیل کی بد حواسی ظاہر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابو بکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اسکا ذکر کہاں ہے؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہو سکتی تو ہم کہتے ہیں کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علامہ شوکانی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری امت کے خلاف ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی۔

دوسری دلیل پر تنقید:

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ابو داؤد کے حوالہ سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قراءت کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے قراءت کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن چھینتا رہا ہے؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو صحابہ اس نماز میں قراءت کرنے سے رک گئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر کے ساتھ قراءت کرتے تھے۔ اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعیؒ نے مسند میں ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے دیا ہے کہ صحابہ قراءت کرنے سے رک گئے یہ لفظ مدرج ہے[1]

---

[1] یعنی راوی نے بڑھا دیا ہے۔ صحابی کا قول نہیں۔ م ، ع

مرفوع نہیں ہے۔ یہ زہری تابعی کا قول ہے۔"

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابوداود نے اس کو معمر کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: "لوگ جہری نماز میں قراءت سے رُک گئے"۔ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے۔ پس یہ دعوی غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتوی تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی وسیر واخبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امام وقت ہے۔ زمانۂ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول حجت ہے۔

صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ "اس سے نماز سری میں قراءت کی ممانعت نہیں پائی جاتی"۔ تو سری نمازوں میں قراءت سے ہم بھی منع نہیں کرتے مگر جہری میں تو قراءت کی ممانعت ثابت ہوگئی اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سنے الخ

مگر وہ یہ تو بتائیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فانتھی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءۃ "پس لوگ قراءت کرنے سے رُک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت جہر سے کرتے تھے" ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قراءت سے رُک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقرأ بھا فی نفسک کہ سورۂ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا کہ جو وہ حدیث عبادہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں دوسری احادیث کی وجہ سے ھذا اذا کان وحدہ کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور یہ قید خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر کی روایت سے اس کی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا بھی اس کی مؤید ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا، صاحب تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کو چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا

ان کی جس بیماری کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری دلیل پر تنقید :

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحب تکمیل نے کمال کر دیا۔ ایک تو حضرت جابرؓ کی حدیث من صلّی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام "جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو" اسکا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا ہو صرف یہ رکعت اسکی بلا فاتحہ درست ہے۔ بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابرؓ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے کسی کا ذہن بھی اس مطلب کی طرف پہنچ سکتا ہے جو صاحب تکمیل نے گھڑا ہے ترمذی نے اس حدیث سے امام احمد کا عدم وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا نقل کیا ہے تو کیا امام احمد حدیث کا مطلب غلط سمجھے صاحب تکمیل ہی صحیح مطلب سمجھے بھلا لفظ الا وراء الامام کو مسبوق کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پالی گئی ہے۔ شاید گھٹنا پھوٹے آنکھ "اسی کو کہتے ہیں۔ اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جا سکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعیٰ ثابت نہ کر سکیں گے۔

یہ تو حدیث کے معنی میں بے تکی تاویل تھی اب صاحب تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اول تو آپ نے اثر جابرؓ کو موقوف قرار دیکر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الحنفیہ مقبول نہیں ہے۔ مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابرؓ کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیونکر ہے۔ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے وہ خلاف نہیں۔ اور حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کے بھی موافق ہے۔ رہی حدیث عبادہؓ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابرؓ کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیث عبادہ کو منفرد پر محمول کرتے ہیں کیونکہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔

پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوئے یہ گل کھلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالے سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اسکی پرزور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کر دی من ذلک یحیی بن السلام عن شعبۃ فھو منکر الخ "منجملہ انکے حدیث یحیی بن ۲۴

سالم کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے" جس سے ہر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہوگا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسک حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحییٰ بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلیٰ سے زہری سے سالم سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر ہدی نہ پائے تو ایام تشریق میں روزہ رکھ لے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبد اللہ بن عمر کا قول ہے کیونکہ یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطعن علی احد من العلماء بشیء ولکن ذکرت ما یقول اهل الروایة فی ذلک اھ ص ج ۱ یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی طعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔

صاحب تکمیل کی خیانت :

اس جگہ صاحب تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز صوم ایام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص ج ۱ پر امام مالک کے واسطہ سے وہب بن کیسان سے حضرت جابر سے قراءت خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔

دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحییٰ بن سلام و ابن ابی لیلیٰ کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پر زور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہہ دیا تھا کہ "میں خود کسی عالم پر طعن کرنا نہیں چاہتا تھا صرف اہل روایت کا قول نقل کر رہا ہوں" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف یا مطعون نہیں ہیں۔ اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر ضد سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔

تیسرے کتب رجال سے یحییٰ بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہ ہو تو اس کی زیادت مقبول ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نخبہ ص اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت

پر محمول کیا جائے کیونکہ حضرات صحابہ کبھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فتویٰ اپنی طرف سے
استعمال کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب
یحییٰ بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان صفحہ ۲۶۱ ج ۶ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف
کے اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا
بھی کرجاتا ہے۔ ابوزرعہ رازی نے کہا [لا بأس به ربما وهم] اس میں کوئی بات نہیں کبھی
وہم بھی کرجاتا ہے۔ ابوحاتم نے کہا شیخ بصری صدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابوالعرب نے
طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ
"حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا" صرف دارقطنی نے اسکو ضعیف
کہا ہے۔ ابن عدی نے اسکی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اسوقت زیر بحث ہے
نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحییٰ بن سلام کی توثیق کی ہے تو اگر اسکی حدیث
کو مولانا احمد علی صاحب نے حسن کہدیا تو کیا جرم کیا؟

رہا یہ کہ طحاوی نے اس کے بعد اسمٰعیل بن موسیٰ سدی کا اثر بیان کیا ہے جس میں یہ
مضمون ہے کہ اسماعیل نے امام مالک سے پوچھا میں جابر کی اس حدیث کو مرفوع کردوں!
امام مالک نے فرمایا خذوا برجله۔ اس میں سب سے پہلے تو اسمٰعیل سدی کا حال معلوم کرنا
چاہئیے کہ وہ کس درجہ کا ہے؟ سو اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے مگر ابن حبان
نے ثقات میں اسکا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدان (شیخ بخاری) نے فرمایا کہ ابوبکر بن
ابی شیبہ اور ہناد بن السری نے (کہ یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) ہمارے اس
کے پاس جانے پر انکار کیا اور کہا یہ شخص فاسق ہے۔ سلف کو برا کہتا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ
اس نے امام مالک کی دو حدیثوں کو موصول کردیا اور شریک سے بھی چند احادیث میں منفرد ہے
(کوئی اسکے ساتھ شریک نہیں) لوگوں نے اسکے غلو فی التشیع کی بنا پر اس کو منکر کہا ہے، یعنی
غالی شیعہ ہے اس لئے محدثین نے اس پر انکار کیا ہے۔ (تہذیب صفحہ ۳۳۶ ج ۱) ایسے غالی
شیعہ کی روایت سے یحییٰ بن سلام جیسے بہترین حافظ کی روایت کو مجروح قرار دینا صاحب تکمیل
ہی کی جرأت ہے پھر اس غالی شیعہ نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے کچھ نہیں
معلوم ہوتا کہ امام مالک نے اس حدیث کے رفع پر انکار کیا ہے یا اس شخص کے شریک
درس ہونے پر! انکے الفاظ یہ ہیں کہ "اس کے پیر پکڑ لو" جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اس کو قید کرو تاکہ حدیث بیان نہ کرنے پائے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہمیں پکڑ کے یہاں سے نکالدو، یہ شیعہ خالی ہمارے درس میں بیٹھنے کے لائق نہیں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ امام مالک نے حدیث کے مرفوع ہونے پر انکار کیا ہے اور اگر انکار بھی ہو تو انکار رفع صحیح نہ ہوگا مگر حسن تو ہو سکتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے رفع کو حسن ہی کہا ہے صحیح نہیں کہا۔

چوتھی دلیل پر تنقید :

حنفیہ کی طرف سے چوتھی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ صحیح مسلم میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے واذا قرأ فانصتوا وارد ہے (صاحب تکمیل کے الفاظ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ قتادہ کو صحابی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ حدیث کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی ہیں) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان فرمایا ہے کہ "امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ جب وہ قرأت کرے خاموش رہو جب وہ رکوع کرے رکوع کرو" الخ اس سے ہر شخص جو بھی سنے گا یہی سمجھے گا کہ مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنا چاہئے۔

ہم نے اس حدیث کو حدیث عبادہ کے معارض یا اسکا ناسخ ہرگز نہیں کہا، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں امام و مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اس میں صرف یہ مضمون ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اس کو مقتدی کے متعلق کہنا صحیح نہیں وہ غیر مقتدی کے حق میں ہے اور حدیث ابوموسیٰ صاف طور سے مقتدی کے حق میں ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ کے راوی سفیان بن عیینہ اور زہری نے بھی اسکو غیر مقتدی کے متعلق سمجھا ہے۔

اب اس کے بعد اہل حدیث کی تاویلات ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں اذا قرأ فانصتوا کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور سورت پڑھنے سے خاموش رہو۔ کوئی ان سے پوچھے کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کہاں ذکر ہے جو یہ قید بڑھائی جارہی ہے، حدیث میں تو مطلقاً خاموش رہنے کا ذکر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث عبادہ کی وجہ سے یہ قید بڑھائی جارہی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث عبادہ سے اذا قرأ فانصتوا کو مقید کرنا ضروری ہے؟ تطبیق اور توفیق کی یہ صورت بھی تو ہو سکتی ہے کہ حدیث عبادہ کو اس حدیث کی وجہ سے منفرد پر محمول کیا جائے جیسا سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے کیا ہے اور یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔ اب صاحب تکمیل اسکی وجہ

بتلائیں کہ جو وجہ تطبیق وہ بیان کرتے ہیں وہی صحیح ہے اور جو وجہ ہم نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کو جو منکر تقلید ہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے ظاہر مطلب کو کسی کی تقلید سے بدلدیں اور اگر ان کو بیہقی وغیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل و سفیان بن عیینہ و زہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلا تاویل مفہوم ہو رہا ہے۔

رہا یہ کہ اس حدیث اذا قرأ فانصتوا کے دوسرے راوی حضرت ابوہریرہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرأ بھا فی نفسك یا فارسی، کہ حالت اقتداء میں سورۂ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو، اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل دل میں پڑھو کیونکہ موطا مالک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے۔ فانتهوا الناس عن القراءة فیما جہر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گزر چکا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قراءت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام قوله اقرأ بها المراد من القراءة فی النفس والاخطار بالبال من دون ان یتلفظ بها ای احضر معانیها فی نفسك وتدبرها حین یقرأها الامام کذا نقله الزرقانی فی معناه عن عیسیٰ وابن نافع اھ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورۂ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان سے تلفظ نہ کرو بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے اور سوچتے رہو جبکہ امام سورۂ فاتحہ پڑھے: زرقانی نے اسی طرح اسکا مطلب عیسیٰ اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اور ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں، وقال الطحاوی رحمه الله وكان من الحجة عليهم فی ذلك ان حدیثی ابی هریرة وعائشة اللذین رووهما عن النبی صلی الله علیه وسلم كل صلوٰة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج لیس فی ذلك دلیل علی انه اراد بذلك الصلوٰة التی تكون وراء الامام فقد یجوز ان یكون عنی بذلك الصلوٰة التی لا امام فیها للمصلی واخرج من ذلك انه ماموم بقوله من كان له امام فقراءة الامام له قراءة فجعل المأموم فی حكم من لم یقرأ القراءة

امامه فذلک ان الماموم یقرأ خارجًا من قوله کل من صلی صلوة لم یقرأ فیها بفاتحة الکتاب فصلوته خداج اھ (ص ۲ ج ۲)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہو جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم سے آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اس کی قرأت مقتدی کے لئے قرأت ہے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں مقتدی کو امام کی قرأت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ جو نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

اب صاحب تکمیل الانصاف سے بتلائیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قرأت کرے مقتدی خاموش رہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی کی روایت میں ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فانصتوا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۂ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شرمانا چاہیے یہ منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں بیان کیا ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔ "جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تم آمین کہو" کسی محدث نے فقولوا آمین کو مختصر الفاظ میں فانصتوا کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیل کر کے فانصتوا کر دیا ایسی لچر باتوں سے صاحب تکمیل اپنا دل خوش کر لیں مگر سمجھنے والے ان کی بے بسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو ولا الضالین کے بعد جہر سے آمین کہنا بھی ممنوع ہوگا کیونکہ حدیث میں ولا الضالین کے بعد خاموش رہنے کا امر ہے فما هو جوابکم فهو جوابنا۔ اور اگر کوئی مقتدی نماز میں ایسے وقت شریک ہوا کہ امام سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہے اس کو بحالت قیام سورۂ فاتحہ پڑھنا امام کے پیچھے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس حدیث میں امام کے ولا الضالین پڑھنے کے بعد مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اس

کے متعلق صاحب تکمیل کا کیا فتوی ہے؟

پانچویں دلیل پر تنقید:

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ "جس کا کوئی امام ہو امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے"۔ صاحب تکمیل نے علامہ سندی حنفی کا سہارا ڈھونڈا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (حدیث عبادہ) کے خلاف ہے، اللہ اللہ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندی حنفی کی تقلید کرتے ہیں یا للعجب! اگر آپ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو۔ اب سنئے اس حدیث کو حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

جابر بن عبداللہ و عبداللہ بن عمر و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین، حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام محمد نے موطا میں امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ "جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرات اس کے لئے بھی قرات ہے"۔

اس پر دارقطنی کا یہ فرمانا کہ "اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابو خالد دالانی، سفیان بن عیینہ وغیرہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے (صحابی کا نام حذف کر دیا) اور وہی درست ہے" ہم پر حجت نہیں کیونکہ مسند احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے واسطہ سے مرفوعاً موصولاً روایت کیا گیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان لیا جائے تو ابو حنیفہ ہزاروں محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں۔ الثقہ کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بنا پر واجب القبول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا درجہ علم حدیث میں:

یحییٰ بن معین کے زمانہ تک امام ابو حنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی بسلسلہ خلق

قرآن کا فتنہ رونما ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیونکہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی عقیدۃً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں۔ ولما سئل ابن معین عنہ قال ثقۃ مامون ما سمعت احدا ضعفہ ھذا شعبۃ بن الحجاج یکتب الیہ ان یحدث و شعبۃ شعبۃ

"جب یحییٰ بن معین سے امام صاحب کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مامون ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج ان کو حدیث بیان کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبہ شعبہ ہی ہیں۔"

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبداللہ بن المبارک، اور ان کا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں میں ہے اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید، عبدالرزاق، وکیع بن الجراح۔ اور یہ تو امام صاحب کی فقہ پر فتوی دیا کرتے تھے۔ نیز ائمہ ثلاثہ امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی بہت مدح و ثنا کی ہے (عینی شرح بخاری صفحہ ج ۱)

"تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے لوگوں سے امام صاحب کی تضعیف و تنقیص منقول ہے یہ سب فتنۂ خلق قرآن کے بعد جماعت حشویہ کی گھڑت ہے کیونکہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین، مجروحین، کذابین کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد اس کی تاریخ میں ملحق کی گئی ہیں۔ خطیب نے ثقات کے ذریعہ سے بجز مناقب و فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کو تفصیل کا شوق ہو میرا مستقل مضمون "خطیب بغدادی اور منکرین حدیث" مطبوعہ ماہنامہ الصدیق ملتان بابت سنہ ۱۹۵۷ء ۵۰ء مطالعہ کریں۔

رہے دوسرے طرق جو حضرت عبداللہ بن عمرو، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان کے بعض راویوں پر اگرچہ دارقطنی نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کبھی صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل تسلیم نہیں۔ اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بلکل صحیح بلکہ صحیح

سے بھی اوپر ہے کیونکہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے موطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔ پھر امام دارقطنی نے جو اس کو مرسلاً صحیح کہا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعی کے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا کیونکہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب نے قبول کیا ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة عام ہے اور حدیث عبادہ میں الا بام القرآن سے سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے۔ پھر دوسری حدیث میں الا المقبرة والحمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوٰة لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج۔ جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج (ناقص) ہے۔ عام ہے جس میں سے حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قراءت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض زبردستی اور عصبیت ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ لفظ قراءت کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوٰة کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے۔ پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ میں جملہ استثنائیہ الا بام القرآن کو امام یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان له امام الخ میں تاویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان له امام صحیح حدیث ہے۔ نیز حدیث مسلم اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث عبادہ اور حدیث ابو ہریرہ کے لئے مخصص قرار دینا درست ہے۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی (اور بیہقی نے) حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا

عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، یہ کون میرے پیچھے قراءت کر رہا تھا؟ تین بار دریافت فرمایا۔ ایک شخص نے کہا میں نے قراءت کی تھی۔ فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کو امام کی قراءت کافی ہے الخ

تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مغالطہ کے طور پر صاحب تحقیق اپنی بنا رہے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قراءت کی تھی اگر جہر سے قراءت کی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی۔ صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قراءت کی تھی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت نہ کرنا چاہئے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورت نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قراءت گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے۔ ایک دو ناواقف ایسا کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قراءت سے روک دیتے تھے۔ اگر سب صحابہ قراءت کرتے ہوتے تو بقیہ مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے پھر قراءت کرنے والے نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے سورۂ فاتحہ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھی تھی۔ اس نے بھی صرف سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کی قراءت کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا۔ پھر اگر قراءت فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قراءت سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابر کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قراءت فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملہ استثنائیہ کا حال ابھی گزر چکا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے۔

چھٹی دلیل پر تنقید:

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی

گئی ہے اذا صلی احدکم خلف الامام فلیصمت فان قراءتہ لہ صلوٰۃ "جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے وہ خاموش رہے کیونکہ اس کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے اور اسکی نماز اس کی نماز ہے" اس حدیث کو اولاً تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبد اللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہیں پھر اسمیں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قراءت عام ہے جس سے بوجہ حدیث عبادہ کے سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ۔ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے۔

پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قراءتہ لہ قراءۃ سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے اس کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوٰتہ لہ صلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہو گا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتداء کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع و سجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تکمیل کے نزدیک صلوٰۃ نام ہی سورۂ فاتحہ کا ہے۔ جیسا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی کی تفسیر میں ص۱۲ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۂ فاتحہ ہی کا نام صلوٰۃ ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہوگا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اور اسکی سورۂ فاتحہ مقتدی کی سورۂ فاتحہ ہے اس کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قراءت کے بعد خاص سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قراءت سے مراد ما سوائے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہ کو دفع کر دیا گیا، یہ تو الزامی جواب تھا دیکھیں صاحب تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ وصلوٰتہ لہ صلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام ضامن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحۃً وفساداً متضمن صلوٰۃ مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز

صحیح ہوں اس کی بھی صحیح ہوگی، اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی چنانچہ ابوداود کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قال وحدثنا اصحابنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعجبنی ان تکون صلوۃ المسلمین او المؤمنین واحدۃ "حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو" جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے۔ الگ الگ بہت سی نمازیں قرار نہیں دیں اور عرفاً و عادۃً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا جاتا ہے اور اسی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے، سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے، ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قراءت اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قراءت کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قراءت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ امام کی قراءت کے لئے تو استماع و انصات کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع و سجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا۔ "جب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔"

اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دربار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالاتا ہے مگر گفتگو رئیس وفد کرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکریہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالاتا ہے یہی صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اول سب تکبیر کہیں یعنی آداب شاہی بجالائیں اسکے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آداب تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع و سجدہ میں شکریہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے۔

منصفین اہلحدیث سے اپیل

اگر اہل حدیث انصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد واذا سجد فاسجدوا "امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو، جب رکوع کرے رکوع کرو، جب سمع

لمن حمدہ کہے اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو، جب سجدہ کرے سجدہ کرو"۔ اس کی کسی روایت
میں بھی یہ نہیں ہے "واذا قرأ فاقرؤا" کہ جب امام قرأت کرے تم بھی قرأت کرو۔ اگر مقتدی
کے ذمہ امام کی قرأت کے ساتھ قرأت فرض یا واجب ہوتی تو اسکا بیان اس حدیث
میں ضروری تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جا رہے ہیں۔ اس
حدیث میں اگر ہے تو "اذا قرأ فانصتوا" ہے کہ جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو۔ ملاحظہ
ہو صحیح مسلم اور ابو داؤد۔ پس جس کو قرأت فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعویٰ ہے وہ
اس حدیث کے کسی طریق میں "اذا قرأ فاقرؤا" دکھلائے کیونکہ اسی حدیث میں امام اور
مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے۔ حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیونکہ اس
میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری
وغیرہ نے خود کہا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اسی کو امام احمد نے بیان فرمایا ہے

ساتویں دلیل پر تنقید:

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے "لا قراءة
مع الامام فی شیء من الصلوات" کہ امام کے ساتھ کسی نماز میں بھی قرأت نہیں ہے (امام
طحاوی کے الفاظ یہ ہیں "لا تقرأ مع الامام فی شیء من الصلوات"۔ ورجالہ ثقات (امام
کے ساتھ کسی نماز میں قرأت نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی بے تکی
تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یہ اثر ماسوائے فاتحہ پر محمول ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ
فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر موجود ہے اگر کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی
کی تقلید کس دن سے واجب ہو گئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہو گیا اور نہ مانیں
تو شیر و چشم کھاتے ہیں؟ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا
لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہل حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات
کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بن جاتے ہیں اور اس کے ماننے پر ایسا زور دیتے ہیں گویا
آسمان سے وحی نازل ہو گئی ہے کہ اثر زید بن ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی
نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت و حمایت میں کچھ لکھ دیا ہے۔ میں
پوچھتا ہوں کہ زید بن ثابت کے اثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر اسی طرح
کی تاویلوں سے کام لیا جائے گا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکے گی ہر شخص کو اختیار ہو گا

کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کردے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآنی اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کو پیش کردے پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کی تاویل اور امام نووی اور بیہقی کا قول تو حجت ہو اور دوسرے کی تاویل اور امام احمد وسفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہلحدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے ادھر ادھر سے اس میں قیدیں نہ بڑھائیے اس راستے سے آپ چلیں گے تو انشاء اللہ حنفیہ کے مسلک کی قوت کھلی آنکھوں نظر آجائے گی۔

آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قراءت فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض و واجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لیکر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جنکا آپ کو کوئی حق نہیں، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اسی کا نام ہے۔

امام احمد اور علامہ ابن تیمیہ کے قول کا اعادہ:

اخیر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں۔ امام احمد فرماتے ہیں "ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قراءت جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ، تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک، اہل عراق میں امام سفیان ثوری، اہل شام میں امام اوزاعی، اہل مصر میں امام لیث بن سعد، انمیں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اسکا امام قراءت کر رہا ہو وہ قراءت نہ کرتا ہو تو اسکی نماز باطل ہے اھ" موفق بن قدامہ نے امام احمد کا یہ قول نقل کر کے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے مغنی ج ۱،

علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قراءت خلف الامام کی ممانعت بڑے بڑے اسی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی اور عبادلہ ثلثہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس) بھی ہیں محدثین کو ان صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قراءت خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے اکثر کے اتفاق کو اجماع کہہ دیا گیا کیونکہ ہمارے نزدیک اسکو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبداللہ ابن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم نے

اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام کے بارے میں بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، جنکے نام یہ ہیں: ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن طالب، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال مع حوالہ کتب و اسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "تنوع العبادات" میں فرمایا ہے کہ سلف نے عام طور پر قرأت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جبکہ امام قرأت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورہ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے تھے (تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرأت کرنے والے بہت کم تھے اور ان سے کتاب اللہ نے بھی منع کیا ہے اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اور جمہور سلف و خلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قرأت خلف الامام کی صورت میں نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے بعض علماء جہری نماز میں بھی مقتدی پر قرأت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قرأت نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں خلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قرأت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور کتاب اللہ بھی اور سنت صحیحہ بھی، اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرأت کو واجب کرتے ہیں انکی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور حدیث ابوموسیٰ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو) امام احمد اور اسحٰق اور امام مسلم وغیرہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے (لا تفعلوا الا بام القرآن) کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے مگر سورۂ فاتحہ۔ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور اسکا ضعیف ہونا چند وجوہ سے ثابت ہو چکا ہے دراصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

حنفیہ کا اہل حدیث پر احسان :

الحمدللہ کہ آج بروز چہارشنبہ ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۰ھ رسالہ تکمیل البرہان کا ترجمہ تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ قرأت خلف الامام میں امام ابوحنیفہ

کا مسلک کتاب اللہ، و سنتِ صحیحہ اور اجماع جمہور سلف و خلف سے مؤید ہے، اور جو اہلحدیث مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قراءت فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والوں کی نماز درست ہی ہو جائے تو غنیمت ہے۔ کیونکہ قرآن میں اور سنتِ صحیحہ میں مقتدی کو قراءتِ قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم کر قراءت سے منع کیا گیا ہے اور اہلحدیث کے اصول پر نہی کی مخالفت سے عمل باطل ہو جاتا ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا، پس ان کو امام ابو حنیفہ کا احسان مند ہونا چاہیئے کہ وہ قراءت خلف الامام کی وجہ سے ان کی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہلحدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت سے جس کا نزول بالاجماع قراءت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قراءت کرے خاموش رہو اہلحدیث کی نمازیں باطل ہو جانی چاہئیں جیسے صوم یوم النحر کو اس بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شارع کی نہی موجب بطلان عمل ہے۔

اُمید ہے کہ اہل فہم اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عصبیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت و ادب کا پاس کرنے کی توفیق دے اور اس رسالہ کو قبول عام و خاص بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحابہ اجمعین، والحمد للہ الذی بنعمتہ وبعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ

باب الامامة والجماعة

جماعتِ فجر کے وقت سنتیں پڑھنا:

سوال: فجر کی جماعت قائم ہو تو سنتِ فجر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھیں تو طلوعِ شمس سے قبل پڑھے یا کہ بعد؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر تشہد میں جماعت سے شرکت کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، مگر مسجد سے باہر پڑھے یا حائل سے پڑھے مثلاً ستون وغیرہ کے پیچھے، صف سے اتصال کرکے یا صف کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا اگر خارج المسجد، مدارس وغیرہ کے حائل سے پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو ترک کردے، ایسے ہی اگر تشہد میں شرکت کی امید نہ ہو تو ترک کردے، اور طلوعِ شمس کے بعد پڑھے، بعد الطلوع پڑھ لینا افضل ہے، ضروری نہیں، بہت سے فقہاء کا قول ہے کہ اگر رکعتِ ثانیہ میں شرکت کی امید نہ ہو تو سنت نہ پڑھے عہ، مگر شامیہ سے قولِ اول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ والتفصیل فی الشامیة باب ادراک الفریضة

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ذی قعدہ سنہ ۷۲ھ

نوافل یا سنتیں پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہوجانا:

سوال: کوئی شخص نفل یا سنت پڑھ رہا ہو اسی حالت میں جماعت قائم ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد نوافل و سنن میں شروع ہونا اس شرط سے جائز ہے کہ رکعتِ اولیٰ فوت ہونے کا خوف نہ ہو، الا سنن الفجر، اگر قیامِ جماعت سے پہلے

عہ یعنی ایسی حالت میں سنت شروع نہ کرے، اگر شروع کردی تو قطع کرنا جائز نہیں ۱۲ منہ

عہ باب الوتر والنوافل میں بتفصیل دلائل آرہا ہے ۱۲ منہ

نوافل یا سنن شروع کرچکا ہے تو ایک قول پر تقیید بسجدہ سے قبل یہ نماز قطع کرکے جماعت کے ساتھ شامل ہوجائے، مگر صحیح یہ ہے کہ تقیید بسجدہ کی ہو یا نہیں بہرحال دوگانہ پورا کرکے شامل ہو، اگر ظہر کی چار سنتیں پڑھ رہا ہو تو ایک قول پر چار رکعتیں کامل کرے، مگر صحیح یہ ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو، البتہ اگر رکعت ثالثہ میں کھڑا ہوگیا ہے تو ایک قول پر تقیید بسجدہ سے قبل تشہد کی طرف رجوع کرکے سلام پھیر دے، مگر راجح یہ ہے کہ چار رکعات پوری کرلے، ثالثہ کو خواہ مقید بسجدہ نہ کیا ہو، سنن جمعہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہوجائے تو دو رکعت پر سلام پھیر دے اگر خطبہ سے قبل تیسری رکعت شروع کرچکا ہو تو چار پوری کرے، مگر خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت شروع کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ ۸۲ھ

فرض پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہوگئی:

سوال: ایک شخص فرض پڑھ رہا تھا اس حالت میں جماعت قائم ہوگئی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

اگر رکعت اولیٰ کے سجدہ سے قبل امام نے تکبیر تحریمہ کہہ دی تو نماز قطع کرکے امام کی اقتداء کرے۔

رکعت اولیٰ کا سجدہ کرلیا ہو تو فجر و مغرب میں قطع کرکے اقتداء کرے اور بقیہ نمازوں میں شفع پورا کرکے اقتداء کرے۔

ثانیہ کا سجدہ کرلیا ہو تو قطع نہ کرے بلکہ فجر و مغرب میں پوری نماز پڑھ لے اور اقتداء نہ کرے، بقیہ نمازوں میں شفع ثانی پورا کرکے اقتداء کرے۔

ثالثہ کا سجدہ کرلیا ہو تو نماز پوری کرکے متنفلاً اقتداء کرے الا فی العصر۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: حاصل هذه المسألة شرع في فرض فاقيم قبل ان يسجد للاولى قطع واقتدى فان سجد لها فان في رباعي اتم شفعا واقتدى ما لم يسجد للثالثة فان سجد اتم واقتدى متنفلا الا في العصر وان في غير رباعي قطع واقتدى ما لم يسجد للثانية فان سجد لها اتم ولم يقتد اھ وقال ايضا تحت (قوله لا اقامة المؤذن)

ذکرانہ قال المراد بالاقامۃ الشروع فی الفریضۃ فی مصلاہ لا اقامۃ المؤذن اھ (شامیۃ ج۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ذی قعدہ سنہ ۸۲ھ

قضا نماز پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو گئی:

سوال: قضا نماز پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

قضا نماز شروع کرنے سے قبل ہی جماعت قائم ہو جائے تو بھی صاحب ترتیب پہلے قضا نماز پڑھ لے اس کے بعد ہو سکے تو جماعت میں شامل ہو جائے، اور غیر صاحب ترتیب قضا نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شامل ہو جائے، اور اگر قضا نماز شروع کرنے کے بعد جماعت قائم ہو تو قطع نہ کرے (سواء کان صاحب الترتیب اولا) ھکذا فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ ذی قعدہ سنہ ۸۲ھ

لنگڑا چلنے پر قادر ہو تو اس پر جماعت واجب ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کا گھر دو مسجدوں کے درمیان ہے، امام کی قرأت ان کے گھر میں سنائی دیتی ہے، یہ مولوی صاحب دونوں پاؤں سے لنگڑے ہیں، البتہ تجارت وغیرہ معاملات بخوبی کرتے ہیں اور چلتے پھرتے رہتے ہیں، کراچی وغیرہ تک بھی جاتے رہتے ہیں، اگر مسجد میں جماعت سے شامل نہیں ہوتے، کیا ان کے لئے یہ عذر ترک جماعت کے لئے کافی ہے؟ اگر کافی نہیں تو ترک جماعت کس قدر جرم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

جبکہ مولوی صاحب بخوبی چلتے پھرتے رہتے ہیں تو ان کے لئے ترک جماعت جائز نہیں، جماعت ایسے لنگڑے سے معاف ہے جو چلنے پر قادر نہ ہو (الاعرج الذی لا یستطیع المشی، شامیہ) تارک جماعت کے لئے سخت وعید ہے، اور تارکہا بلا عذر یعزر وترد شہادتہ (شامیۃ)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال سنہ ۸۱ھ

نابینا کی امامت:

سوال: نابینا کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

نابینا کی اقتداء مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر نابینا سب سے افضل ہے اور مسائل سے زیادہ واقف ہے تو کوئی کراہت نہیں بلکہ اس کو امام بنانا افضل ہے، قید کراھة امامة الاعمی فی المحیط وغیرہ بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولیٰ (شامیہ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی قعدہ ۸۱ھ

ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت:

سوال:- ڈاڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، کیونکہ اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے اور حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کا اظہار و اعلان ہے، اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فیصلہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں علانیہ کھائے پیئے وہ واجب القتل ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل امتی معافی الا المجاهرین "میری پوری امت لائق عفو ہے مگر علانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں۔"

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے گناہ کسی خاص وقت میں ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، سوتا ہو تو بھی گناہ ساتھ ہے، حتی کہ نماز وغیرہ عبادت میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے، قوم لوط کے اسباب عذاب میں ڈاڑھی کٹانا بھی ہے (درمنثور)

غرضیکہ ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے والا فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنا دیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے، اس کا وبال و عذاب مسجد کے منتظمین پر ہوگا، صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة (رد المحتار) وفی الشامیة افاد ان الصلوٰۃ خلفهما اولیٰ من الانفراد لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع (شامیة ج ۱) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر و فاجر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی قعدہ ۸۱ھ

سوال مثل بالا:

سوال: زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانے اور منڈانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے رہنا چاہئے، جو کہ شامیہ اور فتح القدیر کا مذہب ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز بالکل صحیح ہی نہیں ہوتی، احناف کے ہاں نماز صحیح تو ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہے، کراہت تنزیہیہ و تحریمیہ کے بارہ میں اگرچہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کچھ اختلاف کیا ہے، مگر راجح قول کراہت تحریمیہ کا ہے، نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط لازم ہے، محرم اور مبیح میں تعارض کے وقت پہلو محرم کی ترجیح متعین ہے، خصوصاً جبکہ بعض ائمہ کے ہاں نماز درست ہی نہیں ہوتی، اور فرض ہی ادا نہیں ہوتا تو اختلاف سے احتراز اور اہم ترین فرض کی ادا علی وجہ الکمال بلکہ فرض سے یقینی طور پر بریٔ الذمہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فاسق کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اسی لئے موجودہ وقت کے محققین علماء حنفیہ کراہت تحریمیہ پر متفق ہیں، قال فی الشامیۃ واما الفاسق فقد عللوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لا یہتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا ولا یخفی انہ اذا کان اعلم غیرہ لا تزول العلۃ فانہ لا یؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارۃ فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذا لم تجز الصلوٰۃ خلفہ اصلا عند مالک ولذا حاول الشارح فی عبارۃ المصنف حمل الاستثناء علی غیر الفاسق، واللہ اعلم (رد المحتار ج ۱) فتح القدیر اور شامیہ میں کراہت تنزیہیہ کا قول ہرگز نہیں، زید کا یہ قول محض افتراء اور بہتان ہے، یا زید در مختار کے متن اور شرح میں امتیاز نہیں کر سکتا، جہالت کی وجہ سے متن اور شرح کو خلط کر کے غلط نتیجہ نکال رہا ہے، متن میں صرف یکرہ کا لفظ ہے، تنزیہا کا لفظ شارح نے زیادہ کیا ہے، مگر متن کی عبارت الا ان یکون سے شارح کا فاسق کو مستثنیٰ کرنا بین دلیل ہے، کہ شارح کی طرف سے تنزیہا کا لفظ بھی غیر فاسق سے متعلق ہے، شامیہ کی مذکورہ عبارت یعنی ولذا حاول الشارح الخ اس کی وضاحت کر رہی ہے، غرضیکہ تنویر الابصار میں یکرہ کا لفظ مطلق ہے جس سے متبادر کراہت تحریمیہ ہی ہے کما صرح

نبہ الفقہاء، اور درمختار کی عبارت سے کراہت تحریمیہ مفہوم ہے، اور ردالمحتار میں کراہت تحریمیہ کی تصریح ہے، فتح القدیر اور عالمگیریہ وغیرہ میں بھی یکرہ کا لفظ مطلق ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ کی تصریح ہے کہ کراہت کے اطلاق کے وقت کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے،

لیکن فاسق اگر امام بن گیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جدا نماز پڑھنے سے افضل ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر، وفی شرح التنویر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ وفی الشامیۃ افاد ان الصلوٰۃ خلفہما اولی من الانفراد ولکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع الخ، علماء امت حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے، مگر اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنانا جائز نہیں، اگر مسجد کی منتظمہ نے فاسق کو امام بنا دیا اور دوسری جگہ کوئی صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ فاسق ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ لے، اس کو امام بنانے کا عذاب منتظمہ پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ربیع الآخر ۸۳ھ

ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کرلی تو بھی ڈاڑھی پوری ہونے تک اس کی امامت مکروہ ہے:

سوال:- ایک آدمی ڈاڑھی منڈاتا ہے اب اس نے سچے دل سے توبہ کرلی ہے اور اس نے ڈاڑھی چھوڑنے کا عزم کرلیا ہے، کیا اس حالت میں جبکہ وہ توبہ کرچکا ہے مگر ڈاڑھی نہیں ہے اور اور نہ جلدی ڈاڑھی اگانا اس کے بس کی بات ہے، آیا اس کے امام بننے میں کراہت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

توبہ کے باوجود ایسے شخص کی امامت دو وجہ سے مکروہ ہے، ایک یہ کہ اس پر تا حال اثر صلاح نمایاں نہیں ہوا، یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ آئندہ معاصی کبیرہ سے احتراز کا اہتمام کرے گا یا نہیں؟ دوسری وجہ یہ کہ جن لوگوں کو توبہ کا علم نہیں ان کو مغالطہ ہوگا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ فاسق نماز پڑھا رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱ رمضان المبارک ۸۲ھ

صلوٰۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں:

سوال:- کیا صلوٰۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ ہے؟ شامیہ میں ہے: کل صلوٰۃ ادیت مع الکراہۃ تجب اعادتہا،

اس سے معلوم ہوا کہ اعادہ واجب ہے، بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

اس صورت میں اعادہ نہیں، مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے کسی سے اعادہ ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "صلوا خلف کل بر وفاجر" میں بھی اعادہ کا ذکر نہیں، نہ ہی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس میں اعادہ کا حکم دیا ہے، باقی رہا قاعدہ "کل صلوٰۃ اُدیت مع الکراھۃ تجب اعادتھا" سے تعارض، سو اس کے مندرجہ ذیل جوابات ہوسکتے ہیں:۔

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترک واجب جماعت کے باوجود صلوٰۃ المنفرد کے عدم وجوب اعادہ کی توجیہ یوں فرمائی ہے: الا ان یدعی تخصیصھا بان مرادھم بالواجب والسنۃ التی تعاد بترکہ ماکان من ماھیۃ الصلوٰۃ واجزائھا (رد المحتار شامیۃ باب واجبات الصلوٰۃ) مذکورہ اعتراض کے جواب میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ صلوٰۃ خلف الفاسق میں ماہیت صلوٰۃ اور اجزاء صلوٰۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں، اس لئے واجب الاعادہ نہیں، مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ سترہ بحالت مدافعۃ الاخبثین یا بحالت حمل صورت واجب الاعادہ ہے، حالانکہ اس میں بھی ماہیت صلوٰۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں پایا گیا، چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے آخر بحث میں یہی اشکال ظاہر فرمایا ہے۔

② اعادہ اس صورت میں لازم ہے جب کہ اعادہ میں کوئی کراہت نہ ہو، صلوٰۃ خلف الفاسق کے اعادہ میں جماعت کی اولویت سے انفراد کی غیر اولویت کی طرف رجوع کی کراہت ہے، اس لئے صلوٰۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں، اس جواب میں یہ اشکال ہے کہ اگر اعادہ بالجماعۃ ممکن ہو تو یہ واجب ہونا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

③ یہ جزئیہ حدیث "صلوا خلف کل بر وفاجر" اور اجماع امت کی بنا پر مستثنیٰ ہے، اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فاسق کی اقتداء نہ کرنے میں انتشار وفتنہ کا خطرہ ہے، اور اقتداء کے بعد اعادہ میں اگرچہ خطرہ نسبۃً کم ہے مگر جرح ہے کیونکہ یہ امر کثیر الوقوع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الآخر سنہ ۱۳۸۳ھ

امام مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں تو مقیم مقتدی کی نماز نہ ہوگی:

سوال:۔ امام مسافر اگر چار رکعتیں کامل کرے تو مقتدی جو مسافر نہیں ان کی نماز اس کے پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

امام کی آخری دو رکعتیں نفل ہیں اور مقتدی کی فرض، اقتداء المفترض خلف المتنفل کے لزوم کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی، البتہ اگر مقتدی آخری دو رکعتیں اپنے طور پر پڑھیں، امام کی اقتداء ملحوظ نہ رکھیں تو ان کی نماز صحیح ہو جائے گی، لما فی شرح التنویر ولو نوی الاقامۃ لا لتحقیقہا بل لیتم صلوۃ المقیمین لم یصر مقیما وفی الشامیۃ (قولہ لم یصر مقیما) فلو اتم المقیمون صلوتہم معہ فسدت لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل ظہیریۃ ای اذا قصدوا متابعتہ اما لو نووا مفارقتہ ووافقوہ صورۃ فلا فساد افادہ الخیر الرملی (شامیۃ جلد ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲؍ذی الحجہ ۸۲ھ

امام راتب احق بالامامۃ ہے:

سوال: مسجد میں ایک امام مقرر ہے، اتفاقاً اگر اس سے زیادہ اعلم کوئی شخص آجائے تو امامت کا حقدار کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

امام راتب احق ہے لما فی شرح التنویر واعلم ان صاحب البیت ومثلہ امام المسجد الراتب اولی بالامامۃ من غیرہ مطلقاً وفی الشامیۃ (قولہ مطلقاً) ای وان کان غیرہ من الحاضرین من ہو اعلم واقرأ منہ (ردالمحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰؍ذی الحجہ ۸۲ھ

غیر معذور کی اقتداء معذور سے جائز نہیں:

سوال: غیر معذور کی نماز معذور کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التنویر فی موانع الاقتداء ولا طاہر بمعذور (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱؍ذی الحجہ ۸۵ھ

رکوع وسجود پر قادر کی اقتداء عاجز سے جائز نہیں:

سوال: رکوع اور سجدے پر قادر کی نماز اشارے سے پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التنویر فی موانع الاقتداء وقادر علی رکوع وسجود بعاجز عنهما (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذی الحجہ ۸۵ھ

متوضی کی اقتداء متیمم سے جائز ہے:

سوال:- متوضی اقتداء متیمم کی کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

کرسکتا ہے، قال فی التنویر وصح اقتداء متوضئ لا ماء معه بمتیمم (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذی الحجہ ۸۵ھ

مسح کرنے والے کی امامت جائز ہے:

سوال:- عذر کی وجہ سے کسی عضو پر مسح کرنے والے کے پیچھے اعضاء کو دھونے والا نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

پڑھ سکتا ہے، قال فی التنویر وصح اقتداء متوضئ لا ماء معه بمتیمم وغاسل بماسح (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذی الحجہ ۸۵ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے:

سوال:- قائم کی اقتداء قاعد کی عند الحنفیہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

درست ہے، قال فی التنویر وصح الاقتداء (الی قوله) وقائم بقاعد (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذی الحجہ ۸۵ھ

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے:

سوال:- امام اگر تکبیرات انتقال و تکبیر تحریمہ بہت آہستہ کہے تو نماز میں کچھ خلل ہوگا یا نہیں؟

اور جہر کی کیا حد ہے؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

امام کے لئے جہر بالتکبیر مسنون ہے، اس لئے اس کے ترک سے سجدۂ سہو تو جائز نہیں البتہ ترک سنت کا گناہ ہوگا، اور جہر کی حد یہ ہے کہ پوری صف اول تک آواز پہنچے، قال فی شرح التنویر فی سنن الصلوٰۃ وجہر الامام بالتکبیر بقدر حاجتہ للاعلام بالدخول والانتقال وکذا بالتسمیع والسلام وفی الشامیۃ واشار بقولہ والانتقال الی ان المراد بالتکبیر ہنا ما یشمل تکبیر الاحرام وغیرہ وبہ صرح فی الضیاء (رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۳) وایضا فی فصل بالقراءۃ من الشامیۃ قال فی الخلاصۃ والخانیۃ عن الجامع الصغیر ان الامام اذا قرأ فی صلوٰۃ المخافتۃ بحیث سمع رجل او رجلان لایکون جہرا والجہر ان یسمع الکل اھ ای کل الصف الاول لاکل المصلین بدلیل ما فی القہستانی عن المسعودیۃ ان جہر الامام اسماع الصف الاول اھ (الی قولہ) فقد ظہر بہذا ان ادنی المخافتۃ اسماع نفسہ او من بقربہ من رجل او رجلین مثلا واعلاہا مجرد تصحیح الحروف کما ہو مذہب الکرخی ولا تعتبر ہنا فی الاصح وادنی الجہر اسماع غیرہ ممن لیس بقربہ کاہل الصف الاول واعلاہ لاحد لہ فافہم واغتنم ہذا التحریر فی ہذا المقام فقد اضطرب فیہ کثیر من الافہام (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ صفر سنہ ۹۶ھ

تعداد رکعات میں مقتدیوں کے اختلاف کا حکم:

سوال:- ظہر کی نماز میں مقتدیوں نے اختلاف کیا، بعض کہتے ہیں چار ہوئیں، اور بعض کہتے ہیں کہ تین، امام کس قول پر عمل کرے؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

قال فی الہندیۃ فی آخر الفصل السابع من الباب الخامس من کتاب الصلوٰۃ۔

① لو وقع الاختلاف بین الامام والقوم فقال القوم صلیت اربعا ان کان الامام علی الیقین لا یعید الصلوٰۃ بقولہم وان لم یکن علی یقین یعید الصلوٰۃ بقولہم،

(۲) ولو اختلف القوم فقال بعضهم صلی ثلاثا وقال بعضهم صلی اربعا والامام مع احد الفریقین یؤخذ بقول الامام وان کان معه واحد کذا فی الخلاصة،

(۳) وان لم یکن مع الامام واحد واعاد الامام الصلوة واعاد القوم معه مقتدین به صح اقتداؤهم به کذا فی المحیط،

(۴) ولو استیقن واحد من القوم انه صلی ثلاثا واستیقن واحد انه صلی اربعا والامام والقوم فی شک لیس علی الامام والقوم شیء کذا فی الخلاصة ولا یستحب للامام الاعادة وعلی المستیقن بالنقصان الاعادة،

(۵) ولو کان الامام استیقن انه صلی ثلاثا وواحد استیقن بالتمام کان علیه ان یعید بالقوم ولا اعادة علی الذی تیقن بالتمام کذا فی المحیط.

(۶) ولو استیقن واحد من القوم بالنقصان وشک الامام والقوم فان کان ذلک فی الوقت اعادوها احتیاطا وان لم یعیدوا فلا شیء علیهم الا اذا استیقن عدلان بالنقصان واخبرا بذلک کذا فی الخلاصة (عالمگیریة ج۱ ص۱۲۸)

(۷) وایضا فیها فی آخر الباب الثانی عشر عن الظهیریة قال محمد بن الحسن رحمه الله تعالی فاعید بقول واحد عدل ان کان عدلا کذا فی التاتارخانیة،

(عالمگیریة ج۱ ص۱۶۸)

والروایات المذکورة کلها مسطورة ایضا فی رد المحتار قبیل باب صلوة المریض ج۱ ص

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:۔

(۱) بہتر یہی ہے کہ بہرکیف قول واحد عادل سے اعادہ کیا جائے (للروایة السابعة)

(۲) اگر بعض کو اتمام یا نقصان کا یقین ہو اور بعض کو شک ہو تو متیقن بہر حال اپنے یقین پر عمل کرے، اگرچہ منفرد ہو (للروایة الخامسة والرابعة والشق الاول من الاولی) اور متردد پر عدلین کے قول سے اعادہ واجب ہے (للروایة السادسة والشق الآخر من الاولی) متیقن واحد کے قول سے اعادہ نہیں (للروایة السادسة) البتہ اگر امام متیقن بالنقصان ہو تو اس کے قول سے مترددین پر اعادہ ہے اگرچہ عدل واحد اس کے خلاف کا جازم ہو (للروایة الخامسة) عدلین کے مقابلہ میں صرف امام کا قول حجت نہیں (کما ہو مفہوم الروایة الثانیة)

(۳) اگر متعدد اشخاص جازم بالنقصان ہیں اور متعدد جازم بالاتمام اور باقی متردد تو متردد

پڑھنا کا قول واجب العمل ہوگا، اگرچہ امام کے ساتھ تعلق ختم ہو چکا ہے اور دوسری جانب جماعت کثیرہ (للروایۃ الثانیۃ) اگر امام خود سجدہ دے تو اذا تعارض تساقطا کے تحت مقتدی پر اعادہ نہ ہوگا، فقہی جب تعدد کے بعد قلت و کثرت کا اعتبار نہیں لانہ لا اعتبار لکثرۃ الحجۃ بل لقوتھا:

(۳) اگر امام کو اتمام کا یقین تھا سہواً اس نے حسب اطلاع دو تو مقتدی پر اعادہ نہیں نقصان کی تلافی صحیح ہے (للروایۃ الثالثۃ) وجہ یہ ہے کہ امام کے خیال میں اگرچہ اعادہ واجب نہیں مگر مقتدیوں کے خیال میں واجب ہے ایسا جماعتیں نقصان تمام کی صلاۃ میں بھی فرض سمجھتے ہیں، لہذا اقتداء درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ محرم سنہ

ہل تجب الاعادۃ علی من سہا خلف الامام:

سوال :- ما قولکم رحمکم اللہ فیما اذا سہا المقتدی خلف الامام هل یعید الصلوٰۃ بطریق جبر النقصان ام لا؟ بینوا بالدلائل الشافیۃ والعبارات الواضحۃ.

الجواب منہ الصدق والصواب

قال فی الشرح (قولہ سجد وحدہ کان مقتدیا) ای فی نفس ما یؤدیہ مع الامام حکما وان کان سجودہ بعد فراغ الامام الخ (تتمۃ التقریرات ج ۱ ص ۲۴۲) وقال فی الشامیۃ تحت (قولہ لا بسہوہ اصلا) لا قبل السلام للزوم مخالفۃ الامام ولا بعدہ لخروجہ من الصلوٰۃ بسلام الامام الی قولہ بل الاولی التمسک بما روی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علی من خلف الامام سہو (تنبیہ) قال فی البحر ثم مقتضی کلامھم انہ یعید لثبوت الکراھۃ مع تعذر الجابر (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۹)

اقول مفاد عبارۃ الشامیۃ ان مدار وجوب الاعادۃ علی ثبوت الکراھۃ مع تعذر الجابر وما ذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تعلیل التعذر اورد علیہ اشکالا من البحر ثم تنبہ انہ قال بل الاولی التمسک بما روی الخ فکانہ ما رضی بالتعلیل المذکور والتعلیل ابن ھمام رحمہ اللہ تعالیٰ واعترض علیہ ایضا الفاضل الچلپی فی حاشیتہ علی العنایۃ فلما لم یثبت تعذر الجابر وان الامر التمسک بالنص النافی للسہو فہم منہ عدم وجوب الاعادۃ والحدیث

ایضاً یدل علی عدم الاعادة لانه لما ارتفع السهو عن المأموم ومقتضاه الشروع فلا وجه لایجاب الاعادة علیه علی ان صاحب النهر ما اتی بروایة من ائمة المذهب وما ذکرنا من المشائخ بل اخذ شیئاً من فحوی کلامهم رهو کما تری، لان سکوتهم عن وجوب الاعادة یدل علی عدمه، فان السکوت فی معرض البیان بیان، ولذا ذکره ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ معزیاً الی النهر بحثاً فقط ولم یفت به کما هو دأب المحققین فانهم قد یذکرون شیئاً علی طریق البحث المحض ولا یفتون به،

والحاصل ان الاعادة لیست بواجبة ومعنی ان احتاط واعاد فقد احسن

فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۰ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ

لنجے کی امامت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ زید کا بایاں ہاتھ بازو سے کٹا ہوا ہو، قرآن مجید کا قاری ہے، سنت کے مطابق اُن کی ڈاڑھی بھی ہے، اور شادی شدہ ہے اور علم فقہ میں بھی ان کو واقفیت ہے، کیا اُن کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟ ضرورت کا وقت ہو یا نہ ہو نماز پڑھا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ اس قسم کے معذور سے طبعاً نفرت ہوتی ہے، نیز اس کے لئے طہارت کاملہ ممکن نہیں، اس لئے دوسرے صحیح امام کی موجودگی میں اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اگر اس سے زیادہ مستحق امامت کوئی شخص موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، قال فی شرح التنویر تکرہ خلف امرد وسفیه ومفلوج وابرص شاع برصه، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وکذا اعرج یقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغیره اولیٰ تاترخانیة وکذا اجذم بیرجندی ومجبوب وحاقن ومن له ید واحدة فتاوی الصوفیة عن التحفة والظاهر ان العلة النفرة ولذا قید الابرص بالشیوع لیکون ظاهراً ولعدم امکان اکمال الطهارة ایضاً فی المفلوج والاقطع والمجبوب، وفی العلائیة هذا ان وجد غیرهم والا فلا کراهة بحر بحثاً وفی الشامیة رقوله ان وجد غیرهم) ای من هو احق بالامامة منهم رقوله بحر بحثاً) قد علمت انه موافق للمنقول عن الاختیار وغیره

(رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ انظر وجہ عدم امکان اکمال الطہارۃ فی المجبوب ولعلہ عدم تاتی الاستبراء فی الاستنجاء فربما کانت طہارۃ ناقصۃ (التحریر المختار ص ۷۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ صفر ۸۶ھ

امام کے سلام اول کے بعد اقتداء صحیح نہیں:

سوال:- کیا فرماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہکر اقتداء کی تو اس کی اقتداء تو صحیح نہیں ہوگی لیکن اپنی نماز کیسے پڑھے؟ کیا پہلی تکبیر تحریمہ کافی ہے یا از سر نو کہی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی کی تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے قبل اگر امام نے ایک طرف لفظ السلام کہہ دیا اگرچہ ابھی علیکم نہ کہا ہو تو اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔ تکبیر تحریمہ دوبارہ کہکر نماز پڑھے۔ اگر دوبارہ تکبیر نہ کہے گا تو نماز نہ ہوگی، قال فی العلائیۃ وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ (فی الشامیۃ (قولہ وتنقضی قدوۃ بالاول) ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلا فی صلوتہ لان ھذا اسلام (رد المحتار ص ۴۲۶ ج ۱) وفی التنویر اذا فسد الاقتداء لا یصح شروعہ فی صلوۃ نفسہ علی المذہب (رد المحتار ص ۴۲۶ ج ۱))

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول ۸۶ھ

مقتدی کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال:- ایک شخص تکبیر تحریمہ کہکر امام کے ساتھ اس حالت میں شریک ہوا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے، مقتدی بیٹھنے نہیں پایا کہ امام نے سلام پھیر لیا کیا اس کی اقتداء صحیح ہوتی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اقتداء صحیح ہوگئی، قال فی شرح التنویر وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ (رد المحتار ص ۴۲۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(اس سے زیادہ واضح دلیل تتمہ میں ہے) ۲ رجب ۸۶ھ

غیر مسجد میں بدون عذر اقامت جماعت بدعت ہے:

سوال:- مولانا محترم دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، نماز با جماعت و حاضری مسجد کے متعلق، ایک عرصہ سے میری صحت کمزور ہو چکی ہے، اکثر و بیشتر کسی نہ کسی عارضہ میں مبتلا رہتا ہوں، جس کی وجہ سے ضعف و نسیان بہت زیادہ ہو گیا ہے، گرمی اور سردی کا بھی تحمل نہیں، اور اکثر دور تک چلنے سے تکان بھی ہو جاتا ہے، مسجد میرے مکان سے تقریباً دو یا ڈیڑھ فرلانگ ضرور ہے، جب تک قوت تھی مسجد چلا جاتا تھا، اب مذکورہ بالا عذر سے قاصر رہتا ہوں، اور گھر ہی پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اگر ایک شخص بھی مل جاتا ہے تو جماعت کر لیتا ہوں یا ان لوگوں کو اگر مل گئے تو شریک کر لیتا ہوں جو مسجد کے عادی نہیں اور اوقات نماز کے بھی پابند نہیں، یا محلے کے لوگ از خود آجاتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو پابندی سے نہیں آتے، بلکہ محض اتفاق سے یا وقت کی تنگی کی وجہ سے آجاتے ہیں، اگر ان کو میرے ساتھ جماعت نہیں ملتی تو از خود نماز فرادیٰ پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔

یا بس اسٹاپ نزدیک ہونے کی وجہ سے کوئی مسافر نماز کے وقت آکر شریک ہو جاتا ہے، یہ بات اکثر عصر، مغرب و عشاء میں ہوتی ہے۔

معمولاً روزانہ عصر اور مغرب کے درمیان کچھ دین کی باتوں کے لئے چند احباب جمع ہو جاتے ہیں، عصر کی نماز اور مغرب کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں۔

جمعہ کے روز اسی عصر و مغرب کے درمیان کچھ اجتماع کثیر ہو جاتا ہے، عصر و مغرب کی نماز جماعت سے ہوتی ہے، یہ لوگ جو جمع ہوتے ہیں اکثر دفاتر میں کام کرنے والے یا تاجر ہوتے ہیں، اور دور کے محلوں سے آتے ہیں، جو خود مذکورہ اوقات نماز کے پابند ہوتے ہیں اور نہ مسجد جانے کے عادی ہیں، اور ہمارے محلہ کے بھی نہیں ہوتے، الا ماشاء اللہ۔

میں نے بارہا اعلان کر دیا کہ یہاں آنے والے احباب عصر کی نماز مسجد میں پڑھ کر آیا کریں اور مغرب کی نماز کے لئے پانچ منٹ پہلے اٹھ کر چلے جایا کریں، چنانچہ اہل محلہ اور چند ایسے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، باقی جو رہ جاتے ہیں ان کی جماعت ہو جاتی ہے، باقی رہ جانے والوں میں کچھ چند احباب بھی ضعف اور کسی دوسرے عذر کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔

امور مذکورہ بالا میں ہر جزء کے متعلق شرعی جواز و عدم جواز سے مطلع فرمائیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ کسی کو امامت کا حکم دے کر خود ایسے لوگوں کی
طرف تشریف لے جائیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، اور ان کو ان کے گھروں میں بند کرکے
گھروں کو جلا ڈالیں، اگر غیر مسجد میں اقامت جماعت معروف ہوتی تو گویا ان متخلفین کے لئے یہ عذر
قبول نہ ہوتا کہ انھوں نے گھر میں جماعت کر لی ہے،

غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسوۂ امت کے تعامل و عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی ثابت
ہوتا ہے کہ مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں،
یہ تو عام کلیہ تھا، آگے خصوصیت سوال سے متعلق چند امور تحریر کئے جاتے ہیں:-

(۱) مجلس میں شریک ہونے والے لوگوں کو صلوٰۃ فی المسجد کی صرف ترغیب دینا یا اس
کی فضیلت بتادینا کافی نہیں، بلکہ مسئلہ کی پوری حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے، کہ غیر معذور کے
لئے مسجد میں جانا ضروری اور غیر مسجد میں نماز پڑھنا بدعت و مکروہ تحریمی ہے، بلکہ اپنے خاص
لوگوں کو جن پر جبر کرنے کا شریعت نے نہ صرف اختیار دیا ہے بلکہ امر فرمایا ہے، جبراً حضور مسجد میں
شمول کا حکم دیا جائے،

(۲) معذورین کی جماعت کھلے مقام پر ہونے کی بجائے کہیں مخفی جگہ پر ہونا چاہئے، کھلے مقام
پر معذورین کی جماعت سے مندرجہ ذیل قباحتیں پیدا ہوتی ہیں:-

(۱) اس میں بہت سے غیر معذور بھی سستی یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے شریک
ہو جاتے ہیں، جو ان کے لیے جائز نہیں، ان کے اس گناہ کا سبب یہ معذورین کی جماعت بنتی ہے،

(۲) لوگ اس فعل عادی کو جواز جماعت فی غیر المسجد بلا عذر پر دلیل اور سند
بنا لیتے ہیں، خصوصاً جب کہ ایک مقتدیٰ کا فعل ہے، عوام کو سند اور حجت چاہئے، اس تفصیل
کو کوئی نہیں سوچتا کہ یہ فعل عذر سے ہو رہا ہے یا بلا عذر، بس عادی اور دائمی فعل کی وجہ
سے جتنے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ناجائز کام کریں گے ان کے گناہ کا سبب یہ فعل بنا، اور عوام
کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب پیدا کرنا خود گناہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ / رجب سنہ [illegible]ھ

جواب دار العلوم ٹنڈو اللہ یار:-

حامداً ومصلیاً ومسلماً، حسب تصریح فقہاء بعض عذر سے سقوط وجوب حضور جماعت
ہیں، جن میں سے مرض اور سخت سردی اور سخت گرمی یعنی جس سے مضرت کے لاحق کا اندیشہ ہو، ۱۸

اور شیخ فانی اذا صار بحیث لا یستطیع المشی یعنی ایسا بڑھاپا کہ چل نہ سکتا ہو، اس کے علاوہ اور بھی مختلف قسم کے اعذار ہیں، جو بیس تک پہنچ جاتے ہیں جن کی تفصیل علامہ شامی نے ج ۱ ص ۱۳۰۴ پر ذکر کی ہے، اور مراقی الفلاح میں ص ۱۵۷ پر موجود ہے، تمام اعذار کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اعذار مذکورہ میں سے بعض عذر تو ایسے ہیں جو علالت دائمی ہو جاتے ہیں، جیسے شیخ فانی اس درجہ کی ہو جائے کہ چلنا دشوار ہو جائے، تو اس کے لئے یہی حکم ہے کہ گھر پر نماز پڑھتا رہے، اور جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو جماعت میں شریک کر لیا کرے جو جماعت میں نہیں جا سکتے تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہے، اور دوسرے اعذار مثل سردی گرمی اور مرض کے ان کی حالت یکساں نہیں رہا، ان میں کمی زیادتی اور وجود و عدم کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے، لہٰذا جب یہ اعذار نہ رہیں یا اتنے کم ہو جائیں کہ مسجد جانے سے کوئی ضرر نہ ہو تب مسجد جانا واجب ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جس زمانہ یا جن اوقات میں کوئی ضرر ہو حضور مسجد کے ترک میں مضائقہ نہیں، مگر طبیعت میں بشاشت ہوتے اور ضرر کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد جانے کا حکم ہے، نیز کسی وقت بغیر کاوش کے سواری کا انتظام ہو تو مسجد ہی جانا چاہئے، حضور مسجد کے ترک کو کلیۃً اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ بعض اوقات طبیعت کی بشاشت یا سواری کے انتظام کی وجہ سے چلنے میں دشواری نہیں ہوتی، نیز دوسرے لوگ عملاً اس چیز کو سمجھ لیں کہ اصل حکم حضور مسجد ہی کا ہے، اور مسجد میں نہ آنا عذر کی وجہ سے ہے،

نیز لوگوں کو غلط فہمی سے نکالنے کے لئے بعض امور اختیار کئے جائیں، ایک یہ کہ اس جگہ پر جو نماز کے لئے بنا رکھی ہے یہ اعلان لگا دیا جائے کہ جو لوگ مسجد جا سکتے ہیں ان پر مسجد جانا لازم ہے، نماز و ثواب مسجد ہی میں ہے، معذورین مستثنیٰ ہیں،

دوسرے یہ کہ جس دن مجمع زیادہ ہوا کرے زبانی اعلان بھی کر دیا جایا کرے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے سب مسجد نماز کے لئے چلیں، کیونکہ کوئی نہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے جس کو پہلے اعلان کا پتہ نہیں ہوتا نیز جو آپ کے زیر اثر ہوں ان کو مسجد جانے کا حکم فرمایا جائے، اور اتنے وقت پہلے اعلان کیا جائے کہ مسجد میں وقت پر پہنچ جائیں تکبیر اولیٰ مل جائے،

اور گھر پر بحالت عذر جو جماعت کی جائے اس میں صاحب عذر کے شریک ہونے میں مضائقہ نہیں اور غیر معذورین کو مسجد جانے کی تلقین کی جائے، لیکن کسی خاص مجبوری یا سستی کی وجہ سے پھر بھی شریک ہوں اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، اور محلہ والے اور غیر محلہ والے حکم میں برابر ہیں کہ

معذورین کے لئے رخصت ہے، اور غیر معذورین سے حضور مطلوب ہے، اور اہل دفاتر کا پابند جماعت نہ ہونا اسقاط حضور جماعت نہیں، اور اس کے جواب دہ وہ خود ہوں گے اور تنہا نماز پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ اسی جماعت میں شریک ہو جائیں، اس میں مسئولہ صورتوں کے جواب ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح — کتبہ محمود رحیم غفرلہ

ظفر احمد عثمانی عفا عنہ — ۲۵ رجب ۸۲ھ — دار العلوم ٹنڈو الہیار ضلع حیدرآباد

امام کی نماز میں کراہت سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی:

سوال: امام کی نماز مکروہ ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے، اس لئے امام کی نماز میں کراہت واقع ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۴ ذی قعدہ ۸۶ھ

امام کو جس حالت میں پائے شریک ہو جائے:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ جماعت ظہر ہو رہی تھی، زید وضو کر کے فارغ ہوا تو امام سجدہ میں تھا، تو کیا زید کو تکبیر تحریمہ کہہ کر سجدہ میں ہی ملنا واجب ہے یا قیام کا انتظار کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا چاہئے، یہ صرف سجدہ ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ امام جس حالت میں بھی ہو اسی میں شامل ہو جائے، بلا وجہ تاخیر گناہ ہے، عن علی ومعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام. رواہ الترمذی. وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوہ شیئا الحدیث رواہ ابو داؤد. وفی العلائیۃ ولو ادرکہ راکعا او ساجدا ان اکبر رأیہ انہ یدرکہ اتی بہ ای بالثناء. وفی الشامیۃ (قولہ او ساجدا) ای السجدۃ الاولی کما فی المنیۃ واشار بالتقیید راکعا او ساجدا الی انہ لو ادرکہ فی احدی القعدتین فالاولی ان لا یأتی لتحصیل فضیلۃ زیادۃ المشارکۃ فی القعود وکذا لو ادرکہ فی السجدۃ الثانیۃ وتمامہ فی شرح المنیۃ (رد المحتار جلد ا صفحہ ۳۵۶)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۶ ذی قعدہ ۸۶ھ

خنثیٰ کی امامت صحیح نہیں:

سوال:- ہیجڑے کی امامت درست ہے یا نہیں اور نماز مقتدیوں کی ہوگی یا نہیں جبکہ یہ ہیجڑا متبع شریعت ہو اور نمازی و دیندار ہو اور داڑھی بھی شریعت کے موافق ہو۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس خنثیٰ میں مرد کی علامات زیادہ ہیں تو اس کی امامت صحیح ہے، اور اگر زنانہ علامات زیادہ ہوں یا دونوں علامات برابر ہوں تو اس کی امامت صحیح نہیں، بلکہ اپنے جنس کا بھی امام نہیں بن سکتا، البتہ اس سے عورتوں کی اقتداء درست ہے، قال فی الدر ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وخنثی وصبی مطلقا ولو فی جنازة ونفل علی الاصح وفی الشامیة (قوله ولا یصح اقتداء الخ) والخنثی البالغ تصح امامته للانثی مطلقا لا للرجل ولا لمثله لاحتمال انوثته وذکورة المقتدی ولا یصح اقتداؤه بالرجل لا بمثله ولا بانثی مطلقا لاحتمال ذکورته الخ (رد المحتار ص ۳۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ا رذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

خنثیٰ کا مقام بچوں کی صف کے پیچھے ہے:

سوال:- ہیجڑے کی امامت جائز نہیں تو اس کا صف اول میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خنثیٰ میں مردانہ علامات زیادہ ہوں تو صف اول میں کھڑا ہو سکتا ہے، اور اگر زنانہ علامات زیادہ ہوں تو عورتوں کی صف میں کھڑا ہوگا، اگر دونوں علامات برابر ہوں تو اس کا مقام بچوں اور عورتوں کی صف کے درمیان ہے، یعنی بچوں کے پیچھے اور عورتوں سے آگے، قال فی الدر ویقف بین صف الرجال والنساء اه وفی الشامیة اذ لو وقف مع الرجال احتمل انه انثی او مع النساء احتمل انه رجل (رد المحتار ص ۵۳۲ ج ۱) وفی التنویر ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء (رد المحتار ص ۵۳۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ا رذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کا حکم:

سوال:- اگر مقتدی نماز کی کسی حرکت میں امام سے سبقت کر جائے یعنی رکوع یا سجود وغیرہما کسی ایک حرکت میں امام سے پہل کر جائے تو نماز جاتی رہے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام رکوع یا سجود میں مقتدی کو پہنچ گیا تو نماز ہو جائے گی لیکن امام سے سبقت کرنا مکروہ ہے اور اگر لوٹ کر امام کو قیام میں پاسکتا ہو تو قیام کی طرف عود واجب ہے، قال فی الشامیۃ الخامس ان یاتی بھما قبلہ ویدرکہ الامام فیھما وھو جائز لکنہ یکرہ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۶) وفی الخلاصۃ لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وکذا عکسہ) وھو ان یرفع المأموم رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم الامام التسبیحات (قولہ فیعود) ای المقتدی لوجوب متابعتہ لامامہ فی اکمال الرکوع وکراھۃ مسابقتہ لہ فلو لم یعد ارتکب کراھۃ التحریم (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ صفر ۸۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: شامیہ میں تحریر ہے کہ اگر کسی نے رکوع اور سجدہ دونوں امام سے پہلے کرلئے تو ایک رکعت قضاء کرے، اور اگر صرف رکوع امام سے پہلے کیا تو چاروں رکعتیں قضاء کرے، حالانکہ پہلی صورت میں جو وجہ تحریر کی گئی ہے اس صورت میں بھی بعینہ وہی وجہ موجود ہے، اس لئے اس میں بھی ایک ہی رکعت کی قضاء لازم ہونا چاہئے، شامیہ میں یہ مقام ملاحظہ فرماکر دونوں میں مابہ الفرق تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں دو رکعتیں قضاء کرے، قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فیما ذکرہ من توجیہ الزامہ برکعۃ نظر وذلک انہ فی الاولیٰ لم یعتبر رکوعھا ولا سجودھا لکونھما قبل الامام ویعتبر قیامھا لکونہا معہ، فکانہ لم یأت بھما فیلتحقان من الثانیۃ بھا ویلغو قیام الثانیۃ لکونہ حصل قبل اتمام الاولیٰ فبقی علیہ الثانیۃ ثم قیامہ فی الثالثۃ معتبر لانہ مع الامام والرکوع والسجود لا یعتبران لانھما قبلہ فیلتحقان من الرابعۃ الیھا ویلغو قیام الرابعۃ لحصولہ قبل تمام الثانیۃ

لہ لعلہ من سھو الناسخ والصحیح الثالثۃ ۱۲ رشید احمد

فبقی علیہ الرابعۃ ایضا فیلزمہ رکعتان نظیر ما قیل فی الوجہ الثالث ایضا او الرابعۃ لزمہ رکعتان لو سجد قبلہ فقط لزمتہ فیما لو سجد ورکع قبلہ بالاولیٰ وما ذکرہ من التوجیہ ھو المذکور فی الخانیۃ ثم توجیہ الوجہ الرابع محل نظر وتأمل وذلک انہ حیث لم یرکع ویسجد الاولیٰ ینبغی ان یلتحق من الثانیۃ بھا ویبطل قیام الثانیۃ لوقوعہ عقب قیام الاولیٰ فتلزمہ الثانیۃ ثم اذا قام الی الثالثۃ مع الامام کان قیامہ معتبرا ویلغو رکوعھا وسجودھا ثم اذا اتی بالرابعۃ التحق رکوعھا وسجودھا بالثالثۃ ویبطل قیامھا وحینئذ یلزمہ الثانیۃ والرابعۃ حسبما قیل فی الوجہ الثالث (التحریر المختار ص ۷۷ ج ۱)

پھر اس حالت میں ہے کہ چاروں رکعات میں امام سے تقدم کیا ہو اگر صرف پہلی رکعت میں تقدم کیا تو دونوں صورتوں میں ایک رکعت قضا رہے گا نیز فراغ امام کے بعد قضا کا حکم جب کہ بروقت غلطی پر تنبہ نہ ہو ورنہ اسی وقت ہر رکن کو ترتیب سے پہلے ادا کرے پھر باقی نماز میں امام کا اتباع کرے، اگر عمداً اس کے خلاف کیا تو بھی نماز ہو جائے گی مگر گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ذی قعدہ ۸۵ھ

مقتدی قعدۂ اولیٰ میں کھڑا ہو گیا:

سوال:۔ اگر امام قعدۂ اولیٰ میں بیٹھ جائے اور مقتدی اچانک کھڑا ہو جائے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی پر قعدہ کی طرف لوٹنا واجب ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفی الفتح والبحر وغیرھما من باب سجود السہو ان المؤتم لو قام ساھیا فی القعدۃ الاولیٰ یعود ویقعد لان القعود فرض علیہ بحکم المتابعۃ (الی قولہ) اقول الذی یظھر انھم ارادوا بالفرض الواجب (رد المحتار ص ۳۲۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ صفر ۸۶ھ

عرصہ دراز تک امامت کے بعد اقرار کفر:

سوال:۔ ایک شخص مدت مدید تک امامت کرتا رہا اب وہ خود اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ بے وضو نماز پڑھاتا رہا ہے، کیا مقتدیوں پر اس مدت مدید کی نمازوں کا اعادہ

واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کے کفر پر سوائے اقرار کے اور کوئی دلیل نہیں تو اس کو وقتِ اقرار سے مرتد قرار دیا جائیگا، گزشتہ نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی نمازیں درست ہیں، قال فی شرح التنویر ولو زعم انہ کافر لم یقبل منہ لان الصلوۃ دلیل الاسلام واجبر علیہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لان الصلوۃ دلیل الاسلام) ای دلیل علی انہ کان مسلما وانہ کذب بقولہ انہ صلی بہم وھو کافر وکان ذلک الکلام منہ ردۃ فیجبر علی الاسلام (رد المحتار ص ۳۵۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ

عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ امام کافر ہے:

سوال:- ایک شخص عرصہ دراز تک امامت کرتا رہا، اب قرائن سے پتہ چلا کہ وہ کافر ہے، مگر خود وہ شخص کافر ہونے کا اقرار نہیں کرتا بلکہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے، مگر لوگوں کو اس کے قول پر اعتماد نہیں، بلکہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ خود اپنے آپ کو جو مسلمان ظاہر کرتا ہے وہ نفاق کی وجہ سے ہے، تو کیا جتنی نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شواہد و قرائن سے اس کے کفر کا ظن غالب ہو جائے تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ فرض ہے، قال فی شرح التنویر واذا ظہر حدث امامہ وکذا کل مفسد فی رأی مقتد بطلت فیلزم اعادتہا، وفی الشامیۃ (قولہ وکذا کل مفسد فی رأی مقتد) اشار الی ان الحدث لیس بقید فلو قال المصنف کما فی النہر ولو ظہر ان بامامہ ما یمنع صحۃ الصلوۃ لکان اولی لیشمل ما لو اخل بشرط او رکن والی ان العبرۃ برأی المقتدی حتی لو علم من امامہ ما یعتقد انہ مانع والامام خلافہ اعادہا۔ (قولہ بطلت) ای تبین انہا لم تنعقد ان کان الحدث سابقا الخ (قولہ فیلزم اعادتہا) المراد بالاعادۃ الاتیان بالفرض بقرینۃ قولہ بطلت لا المصطلح علیہا وھی الاتیان بمثل المؤدی لخلل غیر الفساد (رد المحتار ص ۵۵۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ

بچوں کو بالغین کی صف میں کھڑا کرنا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: نابالغ لڑکے بالغین کے ساتھ نماز میں ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں اور کیا وہ نابالغ لڑکے جو سمجھدار ہوں یعنی اوقات نماز، تعداد رکعات، کیفیت ادائے نماز وغیرہ جانتے ہوں تو ان کا الگ حکم ہے یا کہ سب کے لئے ایک ہی حکم ہے، نیز صف اول، ثانی اور ثالث میں بھی کوئی فرق ہے یا سب صفوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوف ہی میں کھڑا کرنا چاہئے، کیونکہ زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں، قال العلامة الرافعي رحمه الله تعالی: (قوله ذکروا في البحر بحثا) قال الرحمتي ربما يتعين في زماننا ادخال الصبيان في صفوف الرجال لان المعهود منهم اذا اجتمع صبيان فاكثر تبطل صلوة بعضهم ببعض وربما تعدى ضررهم الى افساد صلوة الرجال. انتهى (التحرير المختار ص۷۲)۔

چونکہ یہ قول مطلق ہے، لہذا صف اول، ثانی اور ثالث میں کوئی فرق نہیں، یہ حکم ان بچوں سے متعلق ہے جو نماز اور وضوء وغیرہ کی تمیز رکھتے ہوں، زیادہ چھوٹے بچوں کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا مکروہ ہے، بلکہ مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، فقط واللہ تعالی اعلم۔

۲۴ ربیع الاول [illegible]

مقتدی کے لقمہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد پڑھنے قدر ما تجوز به الصلوة کے قراءت میں بھول جائے اور رکوع بھی نہیں کرتا اور انتقال الی آیة اخری بھی نہیں کرتا بلکہ بار بار اسی کو دہراتا ہی رہا اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بھی نہیں آیا، اب مقتدی نے بھی بار بار لقمہ دیا، کیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ امام کو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مقتدی کو بھی لقمہ دینے

میں جلدی کرنا مکروہ ہے، کما فی الدر بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بکل حال اھ وفی الحاشیۃ ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا، انتقل الی آیۃ اخریٰ ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح نہر، وبعد اسطر (تتمہ) یکرہ ان یفتح من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل ینتقل الی آیۃ اخریٰ لا یلزم من وصلہا ما یفسد الصلوٰۃ او الی سورۃ اخریٰ او یرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم بہ الزیلعی وغیرہ وفی روایۃ قدر المستحب کما رجحہ الکمال بانہ الظاہر من الدلیل واقرہ فی البحر والنہر ونازعہ فی شرح المنیۃ ورجح قدر الواجب لشدۃ تاکدہ (رد المحتار ص ۴۲۲ ج ۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ

مقتدی کے تشہد یا درود سے فراغت سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال: امام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی کا تشہد پورا نہیں ہوا، تو کیا مقتدی تشہد پورا کر کے سلام پھیرے یا امام کے ساتھ؟ اور اگر مقتدی نے تشہد اور درود پڑھ کے سلام پھیرا تو اس مقتدی کی نماز میں کراہت تو نہیں آئے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدی پر تشہد پورا کرنا اور درود چھوڑ کر امام کا اتباع کرنا واجب ہے، تشہد سے فارغ ہو کر سلام پھیرنے ورد درود نہ پڑھے، تشہد کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح درود میں مشغول ہو کر سلام میں تاخیر کرنا، رکوع و سجود کی تسبیحات پوری کرنے کے لئے امام سے پیچھے رہنا مکروہ تحریمی ہے۔ قال فی شرح التنویر واعلم انہ مما یبتنی علی لزوم المتابعۃ فی الارکان انہ لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود ولا یصیر ذلک زیادۃ رکوع بخلاف سلامہ او قیامہ لثالثۃ قبل اتمام المؤتم التشہد فانہ لا یتابعہ بل یتمہ لوجوبہ ولو لم یتم جاز ولو سلم والمؤتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنۃ والناس عنہ غافلون وفی الشامیۃ (قولہ ولو لم یتمہ جاز) ای صح مع کراہۃ التحریم کما افادہ ح (قولہ فی ادعیۃ التشہد) یشمل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبہ صرح فی شرح المنیۃ (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ

شافعی اور اہلحدیث کی امامت:

سوال: حنفی مسلک والے کی نماز اہل حدیث یا شافعی امام کے پیچھے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ امام نماز کے ارکان و شرائط میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء بلاکراہت جائز ہے، اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کی اقتداء مکروہ ہے، آجکل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے، اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لئے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، مگر بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، قال فی العلائیة من نحو ان تیقن المراعاة لم یکره او عدمها لم یصح وان شک کره (رد المحتار ص ۵۲۶ ج ۱) یہ تفصیل اس وقت ہے کہ یہ لا مذہب صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے، اور سب سلف کرتا ہے تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

ملازم کے لئے ترک جماعت جائز نہیں:

سوال: زید مزدور ہے، باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جاتا ہے تو افسر لوگ کہتے ہیں کہ کام کے وقت نماز پڑھنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اس سے مالک کو نقصان ہوتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

افسر کے کہنے سے جماعت چھوڑنا جائز نہیں، ایسا افسر سخت گنہگار ہے، جہاں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہو اس ملازمت کو چھوڑنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ صفر سنہ ۹۲ھ

مریض ریاح کے لئے ترک جماعت جائز ہے:

سوال: ایک شخص ریاحی تکلیف کا مریض ہے، اس کا یہ غالب گمان ہے کہ اگر جماعت سے نماز ادا کرنے گیا تو جماعت ہی میں ریح خارج ہو جائے گی، تو ایسی صورت میں جماعت اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اگر وہ گھر پر نماز ادا کرے تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس حالت میں ترکِ جماعت کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ اکیلا پڑھنے سے بھی جماعت کا ثواب ملے گا، قال فی الشامیۃ معزیا الی نور الایضاح واذا انقطع عن الجماعۃ لعذر من اعذارھا وکانت نیتہ حضورھا لولا العذر یحصل لہ ثوابھا اھ والظاھر ان المراد بہ العذر المانع کالمرض والشیخوخۃ والفلج بخلاف نحو المطر والطین والبرد والعمی تأمل (ردالمحتار ص ۵۱۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الآخرۃ ۸۲ھ

جماعت مسجد میں عورتوں کی شرکت مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- عورتوں کو جمعہ یا عیدین با جماعت یا پنجوقتی نماز با جماعت مسجد کے اندر مرد امام کے پیچھے مسجد کے اوپر یا نیچے پردے کے اندر یا مدرسہ میں جو مسجد سے ملحق ہو اس میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، قال فی شرح التنویر ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان۔ (ردالمحتار ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ رجب ۸۸ھ

پیشاب پاخانہ یا بھوک کی شدت کی وجہ سے ترکِ جماعت:

سوال:- نماز کی جماعت کھڑی ہو اور بھوک کی بھی شدت ہو کھانا بھی بالکل تیار ہو، یا پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو کسے مقدم کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صورتِ مسئولہ میں کھانا اور پیشاب و پاخانہ کی حاجت کو مقدم کیا جائے، قال فی الدر فلا تجب علی مریض (الی قولہ) ومدافعۃ احد الاخبثین وارادۃ سفر وقیامہ بمریض وحضور طعام تتوقہ نفسہ ذکرہ الحدادی الخ (ردالمحتار ص ۵۲۰ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذیقعدہ ۹۱ھ

صرف نامحرم عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے:

سوال:۔ زید صرف عورتوں کی امامت کرتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن پھر بھی فساد زمان کی وجہ سے احتیاط ضروری ہے، قال فی الدر ویکرہ حضورہن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان (الی) کما تکرہ امامۃ الرجل لہن فی بیت لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم منہ کاختہ او زوجتہ او امتہ اما اذا کان معہن واحد ممن ذکر او امہن فی المسجد لا یکرہ، بحر (رد المحتار ص ۵۲۹ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱ر محرم [illegible]

اذان کے بعد مسجد میں اکیلے نماز پڑھ کر چلے جانا:

سوال:۔ کسی کام کی جلدی مثلاً سفر یا اور کسی ضروری کام کی وجہ سے اذان کے بعد مسجد کے اندر اپنی نماز پڑھ کر چلے آنا اور جماعت ترک کرنا جبکہ جماعت میں دیر ہو، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتد بہ حرج ہو تو ترک جماعت جائز ہے، قال فی التنویر فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج (رد المحتار ص ۳۷۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ر ذیقعدہ [illegible]

مسجد دور ہونے کی وجہ سے ترک جماعت:

سوال:۔ زید کا گھر مسجد سے دور ہے، تیز چلنے والے کے لئے پندرہ منٹ کا سفر ہے، پنجگانہ نماز باجماعت پڑھنے سے بہت سے ضروری کام رہ جاتے ہیں، اور سردی بھی بہت سخت ہو تو اس صورت میں زید پنجگانہ نماز باجماعت پڑھنے میں کوتاہی کرے تو گنہگار تو نہ ہوگا، معذور یا لا معذور؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ پندرہ منٹ میں تیز چلنے والا شخص ایک میل طے کرتا ہے اور پانی ایک میل دور ہو تو وضو کے لئے وہاں تک جانا ضروری نہیں، تیمم کرنا درست ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ایک میل کے طے کرنے میں حرج ہے، اور حرج مسقط جماعت ہے، قال فی التنویر وشرحه وتجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج۔ (رد المحتار ص ۳۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدہ ۸۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- گھر سے مسجد کتنے فاصلہ پر ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہوگا، اگر سواری ہے تو کیا اس سے فرق پڑے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عام شہروں اور قصبات میں بالعموم محلہ کی جو مقدار ہوتی ہے اگر مسجد اس مقدار سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو وہاں جماعت کے لئے جانا واجب نہیں، سواری کا وجود وعدم برابر ہے، قال فی العلائیۃ فتسن او تجب ثمرته تظهر فی الاثم بترکها مرۃ علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج۔ وقال ابن عابدین رحمه اللہ تعالیٰ (قوله ولو فاتته ندب طلبها) فلا یجب علیه الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجدا للجماعۃ آخر فحسن وان صلی فی مسجد حیه منفردا فحسن، وذکر القدوری یجمع اهله ویصلی بهم یعنی وینال ثواب الجماعۃ کذا فی الفتح، واعترض الشرنبلالی بان هذا ینافی وجوب الجماعۃ واجاب ح بان الوجوب عند عدم الحرج وفی تتبعها فی الاماکن القاصیۃ حرج لا یخفی (رد المحتار ص ۴۰۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۱ھ

خصی کی امامت:

سوال:- جس شخص کو جبراً خصی کیا گیا ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خنثیٰ سے طبعاً قدرے انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اس سے زیادہ مستحق امامت موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، کما قالوا فی المجبوب،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ر جمادی الآخرہ سنہ ۸۸ھ

امام سنتیں ادا کرنے سے قبل نماز پڑھا سکتا ہے:

سوال:- ظہر کی جماعت کا وقت ہو گیا گھنٹہ کے اعتبار سے تو امام کو پہلے سنت ظہر ادا کرنا چاہئے یا جماعت کرائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پر وقت متعین کی رعایت رکھنا لازم ہے، اس لئے وقت جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے، اگر کبھی کسی عذر سے تاخیر ہو گئی تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو سنتیں ادا کرنے کا موقع دیں، اگر ایسا نہیں کیا گیا اور بدون سنتیں ادا کئے نماز پڑھا دی تو درست ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر ذی قعدہ سنہ ۸۸ھ

امام کا اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا:

سوال:- ایک مسجد تین منزلہ ہے، بیچ کی منزل میں امام کھڑا ہوتا ہے، تو نیچے کی منزل میں اور اوپر کی منزل میں مقتدی رہتے ہیں تو کیا نیچے کی منزل کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ طریقہ مذکورہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اقتداء صحیح ہو جائے گی مگر امام کو نچلی منزل میں کھڑا ہونا چاہئے، بالائی منزل پر بلا ضرورت کھڑا ہونا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متوارث تعامل کے خلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر رمضان المبارک سنہ ۸۸ھ

مسجد کی بالائی منزل میں جماعت کرنا:

سوال:- ایک مسجد دو منزلہ ہے، نچلی منزل میں حبس ہوتا ہے، اس لئے گرمیوں میں اگر بالائی منزل میں جماعت کرلی جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مسجد کے اوپر مستقل مسقف منزل نہ ہو تو ایسی حالت میں بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا اور حبس وغیرہ کی وجہ سے چھت پر منفرداً نماز پڑھنا یا جماعت کرنا مکروہ ہے، البتہ مسجد کے اندر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ مقتدیوں کا مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ قال فی الھندیۃ فی الباب الخامس من کتاب الکراھیۃ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۲۲ ج ۵)

صورت مسئولہ اس سے کچھ مختلف ہے اس لئے کہ اس میں مسجد کی بالائی منزل مسقف ہے، اور منزل کی نیت سے بنائی گئی ہے، لہذا اس میں ویسی کراہت تو نہیں مگر نفس کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ نچلی منزل کو چھوڑ کر بالائی منزل میں جماعت کرنا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متوارث تعامل کے خلاف ہے، نیز نچلی منزل کا جماعت سے خالی رہنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے، البتہ بعذر حبس وغیرہ بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ رمضان المبارک ۸۸ھ

رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ:

سوال: ایک شخص ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہوتا ہے کہ جب امام رکوع کی حالت میں ہے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا وہ دل ہی دل میں نماز کی نیت کرلے کیونکہ زبان سے کہنا تو صرف مستحب ہے، تکبیر تحریمہ کہہ لے، دوسری مرتبہ تکبیر کہہ کر فوراً رکوع میں چلا جائے، ذرا بھی توقف اور قیام نہ کرے۔ اور اس وقت امام رکوع میں ہی ہو لیکن مقتدی کی شرکت کے بعد فوراً کھڑا ہوجائے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ رکعت مقتدی کو مل گئی، تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنا تو ضروری نہیں؟ تکبیر تحریمہ کے بعد بقدر ایک یا تین مرتبہ تسبیح کے قیام کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ رکوع میں امام کے ساتھ مطلق شریک ہوجانا کافی ہے یا اتنی دیر تک امام کے ساتھ رکوع میں رہنا ضروری ہے جس میں ایک یا تین مرتبہ رکوع کی تسبیح پڑھی جاسکے؟ غرض یہ تحریر فرمایا جائے کہ ایسی حالت میں مقتدی کو کن امور کے انجام دینے سے وہ رکعت مل جائے گی اور کن امور کے بغیر رکعت نہیں ملے گی، اور کن امور کا انجام دینا ضروری نہیں ہے؟ اس مسئلہ کے نہ جاننے سے اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں، اس لئے استفسار کی ضرورت پیش آئی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صورت مذکورہ میں رکعت مل جانے کی صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالت قیام میں تکبیر تحریمہ کہہ کر پھر فوراً دوسری تکبیر کہے بغیر رکوع میں چلا جائے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ نہ باندھے، رکوع میں امام کے ساتھ ذراسی شرکت بھی کافی ہے حتیٰ کہ اگر مقتدی اس حالت میں رکوع کے لئے جھکا کہ امام رکوع سے اٹھ رہا ہے مگر امام ابھی اتنا سیدھا نہیں ہوا کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہونچ سکیں، اس حال میں مقتدی اتنا جھک گیا کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ سکتے ہوں تو اس کو یہ رکعت مل گئی، اس کے لئے بقدر تسبیح واحدہ رکوع میں ٹھہرنا واجب ہے، اس کے بعد بقیہ تسبیحات چھوڑ کر اتباع امام واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مزید تحقیق تتمہ میں) ۱۴ ذی قعدہ ۸۸ھ

رشوت خور کی امامت:

سوال:- ایک شخص سرکاری افسر ہے، رشوت بھی لیتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رشوت لینے والا فاسق ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب ۹۰ھ

ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت:

سوال:- ایسے امام کی اقتداء کرنا جو کہ ٹیلیویژن دیکھتا ہو جائز ہے؟ نیز ٹیلیویژن دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹیلیویژن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، مگر نماز ہو جائے گی لوٹانا ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۲ صفر ۹۰ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ہاں شرعی پردہ نہ ہو:

سوال:- اگر امام صاحب کی بیوی پردہ نہ کرے تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جس شخص کے ہاں شرعی پردہ کا اہتمام نہ ہو وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، اس کی

امامت مکروہ تحریمی ہے، البتہ جسے بیوی کو پردہ کروانے پر قدرت نہ ہو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ربیع الآخر ۸۸ھ

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے قبل امام اٹھ گیا،

سوال:۔ مقتدی اپنا تشہد پورا کرکے اٹھے یا امام کی اطاعت کرے؟ جبکہ امام تشہد پڑھنے سے قبل کھڑا ہوجائے، مقتدی شروع نماز میں شریک ہو، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی تشہد پورا کرکے اٹھے، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ ومتابعۃ الامام) وتحقیقہ ان متابعۃ الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبۃ فان عارضہا واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشہد فانہ یتمہ ثم یقوم لان الاتیان بہ لا یفوت المتابعۃ بالکلیۃ وانما یؤخرہا والمتابعۃ مع قطعہ تفوتہ بالکلیۃ فکان تأخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولیٰ من ترک احدہما بالکلیۃ الخ (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ رجب ۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال:۔ زید مقتدی نے قعدۂ اولیٰ کا تشہد پورا نہ کیا کہ امام کھڑا ہوگیا، اتنے میں مقتدی نے تشہد پورا کیا، امام رکوع کرکے کھڑا ہوگیا، تو زید کو امام کا رکوع نہ ملا، تو زید نماز کس طرح پوری کرے اور نماز زید کی صحیح کیسے ہوگی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی صورت میں مقتدی تشہد اور دوسرے واجبات وفرائض امام کے پیچھے پیچھے ادا کرتا جائے نماز درست ہوجائے گی: قال فی الشامیۃ فان عارضہا واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشہد فانہ یتمہ، ثم یقوم، (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ جمادی الاولیٰ ۹۳ھ

بدعتی کی امامت:

۱۹ سوال:۔ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسا شخص امامت کے قابل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل کے فرقۂ مبتدعہ کے عقائد حدِ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی بدعتی شرکیہ عقائد رکھتا ہو بلکہ موحد ہو صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ جیسی بدعات میں مبتلا ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، قال فی الشامیۃ: نعم الفاسق کالمبتدع ذکروا امامتہ بکل حال (رد المحتار ص ۳۲۴ ج ۱) وقال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ما ذکر ان کراهۃ تقدیم الفاسق کراهۃ تحریم ویکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف ما یعتقدہ اهل السنۃ والجماعۃ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراهۃ اذا لم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اهل السنۃ اما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلا الخ (غنیۃ ص ۴۸۰)۔

کوئی صحیح العقیدہ امام مل جائے تو بدعتی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھے ورنہ اسی کے پیچھے پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، بدعتی کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز اگرچہ مکروہ تحریمی ہے مگر واجب الاعادہ نہیں، یہ ایسے بدعتی کا حکم ہے جو مشرک نہ ہو، شرکیہ عقائد رکھنے والے کا حکم اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ربیع الآخر سنہ ۹۰ھ

اصفرار سے قبل جماعت قائم نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ لے:

سوال:- عصر کی نماز یہاں ایک مسجد میں دیر سے ہوتی ہے، مغرب اور عصر کے درمیان کبھی گھنٹہ رہتا ہے کبھی آدھ گھنٹہ اور کبھی اس سے بھی کم تو اگر کوئی شخص اس وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصفرارِ شمس تک تاخیر جائز ہے، اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اصفرارِ شمس سے پہلے اگر جماعت قائم نہ ہو تو نماز تنہا پڑھ لی جائے، مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ کراچی میں اصفرارِ شمس غروب سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے ہوتا ہے، وقت مکروہ کی تفصیل احسن الفتاویٰ جلد دوم میں ملاحظہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶ رجب سنہ ۹۰ھ

مقتدی نے قصداً تشہد نہ پڑھا:

سوال:- قصداً امام کے پیچھے التحیات درود شریف نہ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درود شریف سنت ہے اور تشہد واجب ہے، منفرد یا امام عمداً ترک واجب کرے تو نماز واجب الاعادہ ہے، اور سہواً ترک ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، مگر مقتدی کے سہواً ترک واجب پر نہ سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ نماز کا اعادہ، اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ترک واجب کا کوئی جابر نہیں، لہٰذا عمداً ترک واجب موجب اعادہ نہ ہوگا، علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترک واجب متابعۃ الامام کے مباحث میں کہیں بھی اعادہ کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حالانکہ اس کے بعض مواقع میں ارکان میں تکرار اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا عمد موجب اعادہ نہیں، معہذا اعادہ میں احتیاط ہے، سہو مقتدی کے موجب اعادہ نہ ہونے میں بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحث تحریر فرمائی ہے تو عمد میں بطریق اولیٰ بحث ہوگی، لہٰذا اعادہ بہتر ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ

مودودی عقائد رکھنے والے کی امامت:

سوال:- جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے قرآن سننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اگر فرائض میں صحیح العقیدہ امام میسر نہ ہو تو اس کے پیچھے پڑھ لے، مگر تراویح بہرکیف اس کی اقتداء میں نہ پڑھیں، صحیح امام نہ ملے تو تنہا پڑھ لیں، مودودی عقائد کی تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ "مودودی صاحب اور تخریب اسلام" مندرجہ احسن الفتاوی جلد اول ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رمضان ۱۳۹۱ھ

قضا پڑھے بغیر جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا:

سوال:- ایک شخص صاحب ترتیب ہے، اس نے سہواً جماعت کے ساتھ نماز شروع کر دی، نماز کے درمیان میں اس شخص کو یاد آیا کہ وہ صاحب ترتیب ہے، اب اس کے لئے

کیا حکم ہے ؟ اس شخص کی نماز اس جماعت کے ساتھ ہوگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے ساتھ شرکت سے قبل قضاء نماز یاد ہو تو جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ پہلے قضاء پڑھے، اگر مسجد میں ہو تو قضاء کے گناہ کو مخفی رکھنے کے لئے لازم ہے کہ بجز مغرب کے سوا دوسرے اوقات کی جماعت میں بنیت نفل شریک ہو جائے، بعد میں پہلے قضاء اور پھر ادا پڑھے، اور اگر سہواً جماعت میں شامل ہو گیا تو امام کے ساتھ یہ نماز پوری کرے، یہ نماز نفل ہو گئی، اس کے بعد قضاء نماز پڑھے، پھر اس کے بعد امام کے ساتھ پڑھی ہوئی وقتی نماز دوبارہ پڑھے، قال فی الشامیۃ (قولہ للخبر المشہور من نام عن صلوٰۃ) تمام الحدیث او نسیہا فلم یذکرہا الا وھو یصلی مع الامام فلیصل التی ھو فیہا ثم لیقض التی تذکرھا ثم لیعد التی صلی مع الامام۔ (رد المحتار ص ۱۰۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ صفر سنہ ۹۰ھ

بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لئے ترک جماعت :

سوال :- اذان ہو گئی اور بیوی کہتی ہے کہ نماز سے پہلے میری خواہش پوری کرو، اگر اس کی خواہش پوری کی جائے جماعت ترک ہوتی ہے، اس صورت میں کیا کرے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مرد کو بھی اس حد تک میلان ہو گیا کہ نماز میں پوری توجہ نہ رہے گی تو ترک جماعت جائز ہے، فارغ ہو کر اطمینان سے نماز پڑھے اور مرد کو اس حد تک خواہش نہیں تو صرف عورت کے کہنے پر ترک جماعت جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی الحجہ سنہ ۹۱ھ

امام کا وسط محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے :

سوال :- امام کو نماز کے لئے محراب کا نصف حصہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں کھڑا ہو کر نماز پڑھانا کیسا ہے ؟ اور اگر محراب کے اندر ہی منبر بنا ہو جیسا کہ اکثر مساجد میں ہوتا ہے تو اس صورت میں امام کو کس جگہ کھڑا ہونا چاہئے، مسئلہ واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

محراب سے مقصود یہ ہے کہ امام صف کے ٹھیک بیچ میں کھڑا ہو، اور یہ سنت ہے، سو اگر محرا

ٹھیک طور پر صف کے درمیان میں ہو تو محراب کے عین درمیان کو چھوڑ کر دائیں یا بائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے، خواہ منبر محراب کے اندر ہو یا نہ ہو، بہرحال محراب کے درمیان کھڑا ہونا چاہئے، اکثر مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام منبر کو چھوڑ کر بقیہ محراب کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، یہ مکروہ ہے، اس کی اصلاح لازم ہے، اور اس مسئلہ کی اشاعت ضروری ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ تعمیر مساجد میں اس اصلاح کی اشد ضرورت ہے کہ منبر کی جگہ دائیں جانب چھوڑ کر مسجد کے ٹھیک درمیان میں اس طرح محراب بنائیں کہ محراب کا عین وسط جہاں امام کھڑا ہوگا وہاں سے مسجد کی دونوں طرف فاصلہ برابر ہو،

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی المعراج ویدل ہذا علی ان السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ (رد المحتار ص ۴۲۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ محرم سنہ ۹۳ھ

امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیرا اس کے بعد امام نے سلام پھیرا تو کیا مقتدی مذکور کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہوگئی، مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر ایسی سخت مجبوری سے سلام پھیرا جو نماز میں باعث تشویش بن رہی ہو تو نماز کا لوٹانا واجب نہیں، لانہ ترک واجب متابعة الامام لواجب آخر وهو اصلاح الصلوٰة والتحرز عن کراهة اداء الصلوٰة مع التشویش۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمداً واجب متابعة الامام کے ترک کی وجہ سے یہ نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟ اس سے متعلق کوئی صریح حکم نہیں ملا، البتہ مقتدی کے سہواً ترک واجب پر سجدہ سہو کے عدم وجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ بصورت عمد نماز کا اعادہ واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال: اگر جماعت کی نماز میں کوئی مقتدی امام سے پہلے سہواً سلام پھیر دے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر وہ کوئی مفسد صلوٰۃ بات کئے بغیر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اتباع امام واجب ہے، اس لئے امام سے تقدیم عمداً بلا عذر مکروہ تحریمی ہے، البتہ سہواً یا بعذر

خوف حدث وغیرہ تقدیم میں کراہت نہیں، قال فی شرح التنویر ولو اتمہ قبل امامہ فتکلم جاز وکرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای لو اتم المؤتم التشہد بان اسرع فیہ وفرغ منہ قبل اتمام امامہ فاتی بما یخرجہ من الصلوٰۃ کسلام او کلام او قیام جاز ای صحت صلوٰتہ لحصولہ بعد تمام الارکان (الی قولہ) وانما کرہ للمؤتم ذلک لترکہ متابعۃ الامام بلا عذر فلو بہ کخوف حدث او خروج وقت جمعۃ او مرور مار بین یدیہ فلا کراہۃ کما سیاتی قبیل باب الاستخلاف (رد المحتار ص[illegible]) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ

سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت:

سوال: جو حافظ صاحب داڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے، لہٰذا ایسے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صالح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھ لیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان ۱۳۹۲ھ

امام کے تقرر میں اہل صلاح کی کثرت رائے معتبر ہے:

سوال: اگر کسی مسجد کے کثر مقتدی اور اہل محلہ و ممبران کمیٹی ایک پیش امام صاحب کو ان کی خدمات سے سبکدوش کرکے کسی دوسرے امام کو ان کی جگہ مقرر کریں، کیونکہ اہل محلہ کو ان سے عقیدت ہو تو ایسی صورت میں اکثریت کی رائے کا احترام ضروری ہوگا یا اقلیت کی ہٹ دھرمی کو تسلیم کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دونوں امام علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں برابر ہیں تو قوم میں سے اہل صلاح کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے، قال فی الدر فان استووا یقرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم ولو قدموا غیر الاولی اساؤا بلا اثم (رد المحتار ص۵۲۲ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ

ولد الزنا کی امامت :

سوال :- ولد الزنا کی امامت اور اسے کسی دینی منصب پر قائم کرنے کا کیا حکم ہو؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ولد الزنا والد کے نہ ہونے کی وجہ سے صحیح تربیت یافتہ نہیں ہوتا، نیز اس سے طبعاً انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر اس میں یہ علت کراہت زائل ہو جائے بلکہ وہ عالم اور متقی ہو تو کراہت باقی نہ رہے گی، جبکہ دوسروں کی بنسبت اس کی امامت افضل ہے، یہی حکم دوسرے دینی مناصب کا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وولد الزنا) اذ لیس له اب یربیه ویؤدبه ویعلمه فیغلب علیه الجهل بحر او لنفرة الناس عنه (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) ونقل عن البحر والاختیار ولو عدمت ای علة الکراهة بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدة والاعمی من البصیر فالحکم بالضد (رد المحتار ص ۵۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

امام کے پیچھے مؤذن کی جگہ متعین کرنا جائز نہیں :

سوال :- مؤذن کی جگہ متعین کرنا امام کے پیچھے درست ہے کہ نہیں؟ امام کے پیچھے مؤذن کی جائے نماز بچھی رہتی ہے، اس جگہ کوئی دوسرا نمازی کھڑا نہیں ہو سکتا، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں کسی کے لئے بھی جگہ متعین کرنا جائز نہیں، مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہتا ہے تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے، ورنہ جہاں بھی جگہ ملے وہیں اقامت کہدے، اقامت کے لئے صف اول یا امام سے قرب کی کوئی قید نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ رجب سنہ ۹۲ھ

امام رکوع و سجدہ مختصر کرے :

سوال :- امام اور منفرد کو رکوع اور سجدہ میں کتنی تسبیحات پڑھنا چاہئے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو اجازت ہے خواہ تین تسبیحات پڑھے یا پانچ یا سات یا اور زیادہ حسب طاقت پڑھے، البتہ امام زیادہ تسبیحات نہ کہے بلکہ اس کا لحاظ رکھے کہ مقتدی اطمینان کے ساتھ تین تسبیح پوری کرلیں۔

قال ابن الشامية وصرحوا بانه يكره ان ينقص عن الثلاث وان الزيادة مستحبة بعد ان يختم على وتر خمس او سبع او تسع ما لم يكن اماما فلا يطول (رد المحتار ص ۴۹۳ ج ۱) وذكر ايضا فيها تحت مطلب في اطالة الركوع للجائي وفي القنية ويكره للامام ان يعجلهم عن اكمال السنة ونقل في الحلية عن عبد الله بن المبارك واسحق وابراهيم والثوري انه يستحب للامام ان يسبح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث (رد المحتار ص ۴۹۶ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۰ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۳ھ

پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی امامت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مسجد کے صدر پاجامہ اس طرح کا پہنتے ہیں کہ ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ان صدر کو یہ معلوم ہو جائے کہ امامت کرنا ہے بس ضرور موجود رہ کر کئی کئی نمازوں میں غائب، براہ کرم شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹخنے سے نیچے پاجامہ لٹکانا ناجائز ہے، اس پر بہت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا ينظر الله يوم القيامة الى من جر ازاره بطرا متفق عليه وعنه رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اسفل من الكعبين من الازار ففي النار رواه البخاري (مشکوۃ ص ۳۷۳ ج ۲) قوم لوط علیہ السلام پر جن برائیوں کی وجہ سے عذاب آیا ان میں ٹخنے سے تہمد لٹکانا بھی ہے (درمنثور) اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۹۳ھ

امام پر مقتدیوں کی بے احتیاطی کا اثر پڑتا ہے:

سوال: امام سے نماز میں اکثر غلطی ہوتی رہتی ہے، کیا اس کی وجوہ میں سے یہ وجہ بھی ہے کہ مقتدی کی غلطی سے ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی طہارت وغیرہ کی احتیاط نہ کرے تو امام پر اس کا اثر پڑنا حدیث سے ثابت ہے، عن شبيب بن ابي روح عن رجل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلوة الصبح فقرأ الروم فالتبس عليه فلما صلى قال ما بال اقوام يصلون معنا لا يحسنون الطهور وانما يلبس علينا القرآن اولئك رواه

النسائی (مشکوٰۃ ص ۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۹۳ھ

انعامی بونڈ رکھنے والے کی امامت:

سوال: ایک شخص امامت کے لائق ہے جو پرائز بونڈ رکھے اور اس پر انعام کی رقم وصول کرے اور انعام سودی رقم سے تقسیم ہوتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

انعامی بونڈ سود اور قمار کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے انعامی بونڈ رکھنے والا فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ شوال سنہ ۹۳ھ

وضو ٹوٹنے کی وجہ سے صف سے نکلا تو یہ خلا کیسے پُر کیا جائے؟:

سوال: اگر کوئی شخص پہلی صف میں سے وضو ٹوٹنے کی وجہ سے لوگوں کو چیرتا ہوا نکل جائے اس صورت میں پچھلی صف والا بذاتِ خود اس کی جگہ جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پچھلی صف والے پر واجب ہے کہ از خود آگے بڑھ کر اس خلا کو پُر کرے، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بعد میں آنے والا شخص صف کے سامنے سے گزر کر یہاں کھڑا ہو، اگر صف کے سامنے سے گزرنے کی جگہ نہ ہو تو صف کو چیر کر یہاں آئے اور خلا پُر کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان المبارک سنہ ۹۳ھ

صف کا خلا پُر کرنے کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے:

سوال: اگر وضو ٹوٹ جائے تو نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وضو کر کے اسی جگہ آکر ملے یا پیچھے کھڑا ہو جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کی اصلاح کے لئے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے، لہٰذا جاتے وقت سامنے سے گزر جائے اور واپسی تک اگر وہ جگہ خالی ہے تو سامنے سے گزر کر اس جگہ کو پُر کرے، بلکہ سامنے سے چلنے کی جگہ نہ ہو تو صف کو چیر کر بھی جا سکتا ہے، قال فی العلائیة: ولو کان فرجة فللداخل أن یمر علی رقبة من لم یسدها لأنه أسقط حرمة نفسه. وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: قال فی القنیة: قام فی آخر الصف فی المسجد بینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل أن یمر بین یدیه

ليصل الصوت لانه استعد حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه ودل عليه ما ذكر في الفردوس برواية ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من نظر الى فرجة في صف فليسدها بنفسه فان لم يفعل فمر مار فليتخط على رقبته فانه لا حرمة له الى قوله واذا كان له ذلك فله ان يمر بين يديه بالاولى فافهم (رد المحتار ص ۴۸۸ ج ۱)

فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۳ ذی القعدہ سنہ ۹۲ھ

مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی:

سوال: مسجد میں دوران جماعت دوسری منزل کے نمازی امام سے کچھ آگے بڑھ گئے، کیا ان کی نماز درست ہوگئی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اگر ایڑی برابر ہو تو نماز ہو جائے گی اگرچہ مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے ہوں، البتہ اگر مقتدی اور امام کے پاؤں میں اتنا زیادہ تفاوت ہو کہ دونوں کی ایڑیاں برابر ہونے کے باوجود مقتدی کے پاؤں کا اکثر حصہ امام کے پاؤں سے آگے بڑھ گیا تو نماز نہ ہوگی، قال العلائی رحمه الله تعالى في شروط الامامة وعدم تقدمه عليه بعقبه، قال ابن عابدين رحمه الله تعالى فلو ساواه جاز وان تقدمت اصابع المقتدي لكبر قدمه على قدم الامام ما لم يتقدم اكثر القدم كما سيأتي (رد المحتار ص ۳۵۲ ج ۱) وذكر التفصيل في بيان مقام المقتدي، فقط والله تعالى اعلم

۷ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ

نابالغ مقتدی سے جماعت کا ثواب مل جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ بالغ امام کے پیچھے بارہ تیرہ سال کے بچے نے اقتداء کی تو کیا جماعت ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب پورا ملے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے پیچھے اگر ایک نابالغ نے بھی اقتداء کی تو اس کو نماز با جماعت کہا جائے گا اور جماعت کا پورا ثواب ملے گا، بشرطیکہ وہ بچہ عاقل ہو، قال في العلائية واقلها اثنان واحد مع الامام ولو مميزا، قال ابن عابدين رحمه الله تعالى لحديث اثنان فما فوقهما جماعة اخرجه السيوطي في

الجامع الصغیر ورمز لمحمد قال فی البحر لانها مأخوذة من الاجتماع وهما اقل ما یتحقق به وهذا فی غیر جمعة ام ای فان اقلها فیها ثلاثة سوی الامام ومثلها العیدان الخ (قوله ولو ممیزا) ای ولو کان الواحد المقتدی صبیا ممیزا قال فی السراج لو حلف لا یصلی جماعة وام صبیا یعقل حنث اھ ولا عبرة بغیر عاقل بحر قال ط ویؤخذ منه انه یحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمفترض لان الصبی متنفل الخ (رد المحتار ص ۳۷۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ / محرم سنہ ۹۵ھ

صرف عورت یا بچہ مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو؟

سوال:۔ زید اپنے گھر میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے اگر مقتدی صرف ایک نابالغ لڑکا یا صرف ایک عورت ہو یا بچہ اور عورت دونوں اقتداء کریں تو کہاں کھڑے ہوں؟ عورت محرم اور غیر محرم میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بچہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت امام کے پیچھے، عورت محرم ہو یا غیر محرم دونوں کا یہی حکم ہے، قال فی العلائیة (ویقف الواحد) ولو صبیا اما الواحدة فتتأخر (محاذیا) ای مساویا (لیمین امامه) علی المذهب، وفی الشامیة خلافا لما عن محمد من انه یضع اصابعه عند عقب الامام، بحر (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ / ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والے کی امامت:

سوال:۔ جو شخص نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملاتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والا فاسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ / ربیع الاول سنہ ۹۸ھ

مقتدی ایک مرد اور ایک بچہ ہو تو صف بندی کیسے کریں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ مسجد میں بوقت جماعت امام کے علاوہ

ایک مرد اور ایک نابالغ لڑکا موجود ہے ان کو صف بندی کس طرح کرنی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد اور نابالغ بچہ دونوں مل کر کھڑے ہوں، قال فی شرح التنویر ثم الصبیان ظاهره تعددهم فلو واحدا دخل الصف وفی الشامیة ذکره فی البحر بحثا قال وکذا لو کان المقتدی رجلا وصبیا یصفهما خلفه لحدیث انس رضی الله تعالیٰ عنه فصففت انا والیتیم وراءه والعجوز من ورائنا (رد المحتار ص ۵۳۲ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان سنہ ۹۱ھ

شروع میں صرف ایک مقتدی تھا حالت سجدہ میں اور آگئے:

سوال: مسجد میں امام صرف ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، آخری رکعت کے سجدہ کے دوران اور کئی مقتدی پہنچ گئے، کیا ان لوگوں کو اسی حالت میں امام کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر نماز میں شرکت کرنی چاہئے یا امام کا سجدے سے اٹھنے کا انتظار کریں تاکہ امام آگے ہو جائے، اور پھر یہ پہلے سے موجود مقتدی کے ساتھ مل کر صف بنائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے پیچھے صف بنا کر حالت سجدہ ہی میں شریک ہو جائیں، سجدہ سے اٹھنے کے بعد پہلا مقتدی بھی پیچھے ہٹ جائے، قال فی التنویر ویقف الواحد محاذیا لیمین امامه الیٰ ان قال؛ والزائد خلفه وفی الشامیة وفیه اشارة الی ان الزائد لو جاء بعد الشروع یقوم خلف الامام ویتأخر المقتدی الاول (رد المحتار ص ۵۳۰ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۳ رمضان سنہ ۹۱ھ

امام پر تعیین وقت کا اہتمام لازم ہے:

سوال: عموماً مساجد میں جب امام مسجد گھڑی کے صحیح وقت پر نہیں پہنچتا تو نمازی معترض ہوتے ہیں، اور ان کو دو چار منٹ انتظار کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے، حالانکہ انتظار صلوٰۃ کی حدیث اور یہ کہ اذان کے بعد نماز کے پورے وقت میں کسی وقت بھی جماعت کی اجازت ہے، اور وقت کا تعین محض سہولت کے لئے ہے، تاکہ مصلی اس وقت پر جمع ہو جائیں، اور ان کے خیالات کا تجزیہ نہیں ہے؛

سوال یہ ہے کہ:

① امام کا انتظار کیا جانا چاہئے یا نہیں؟ اور کتنا انتظار کیا جا سکتا ہے؟

② کیا امام پر گھڑی کے وقت کی ایسی پابندی کہ دو چار منٹ کی تاخیر نہ ہو از روئے شرع ضروری ہے؟

③ جو امام اکثر دو چار منٹ دیر سے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھاتا ہو اس کو کس بات کی احتیاط ضروری ہے؟

④ جو نمازی تاخیر پر مسجد میں شور وغل مچاتے ہیں اور چرچا کرتے ہیں ان کو کیا حکم ہے؟

⑤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور قرون اولیٰ میں کس طرح عمل رہا ہے؟

⑥ فقہاء کرام اس مسئلہ میں کیا تفصیل بتاتے ہیں؟

الجواب باسم ملهم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور قرون اولیٰ میں نیز حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں نہ دنیوی مشاغل زیادہ تھے اور نہ ہی گھڑیاں تھیں، اس لئے جماعت کا اصول یہ رہا کہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان ہوئی اور اس کے بعد جب نمازیوں کا اجتماع ہو گیا جماعت قائم ہو گئی،

اس زمانہ میں ایک طرف دنیوی مشاغل میں مصروفیت بدرجۂ انتہاء اور دوسری جانب دین میں غفلت و بے اعتنائی کے پیش نظر گھڑیوں کی سہولت سے استفادہ ناگزیر ہو گیا ہے، لہٰذا آجکل کے حالات کے پیش نظر گھڑی سے وقت کی تعیین اور امام کے لئے وقت معین کی پابندی ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں لوگوں کے اجتماع کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اب چونکہ گھڑی کے معین وقت پر ہی نمازی جمع ہوتے ہیں لہٰذا یہ امر بھی اس کو مقتضی ہے کہ معین وقت سے تاخیر نہ کی جائے، علاوہ ازیں قرون اولیٰ کے ائمہ تنخواہ نہیں لیتے تھے، اور اس زمانہ کا امام تنخواہ دار ملازم ہے اس لئے بھی اس پر متعین وقت کی پابندی لازم ہے، البتہ نمازیوں پر امور ذیل کا خیال رکھنا ضروری ہے:

① اگر کبھی بتقاضائے بشریت امام کو چار پانچ منٹ تاخیر ہو جائے تو بے صبری اور چیخ و پکار کی بجائے صبر و تحمل سے کام لیں، اور اس تاخیر کو کسی عذر پر محمول کر کے امام پر زبان درازی اور طعن سے احتراز کریں،

② اگر امام ہمیشہ تاخیر سے آنے کا عادی ہو تو اسے ملاطفت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے،

③ اگر تفہیم کے باوجود امام کی روش نہیں بدلتی تو منتظمہ اسے معزول کر سکتی ہے، مگر اس صورت میں بھی امام سے متعلق بدزبانی اور اس کی غیبت ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ر شوال ۹۵ھ

وارثوں کو حصہ نہ دینے والے کی امامت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی زید فوت ہوگیا، اور اس کی اولاد میں سے تین لڑکے ایک لڑکی ہے، زید مذکور پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا تھا لیکن جائیداد اولاد کے نام منتقل نہیں ہوئی، پاکستان بننے میں جب شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنا منظور ہوا تو زید متوفی کی جائیداد اس کی اولاد پر تقسیم ہونے کے وقت بڑے لڑکے خالد نے کہا کہ ہماری ہمشیرہ ہندہ وراثت کی حقدار نہیں، چونکہ ہمارا باپ پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا اس وقت قانوناً لڑکی ورثہ لینے کی حقدار نہ تھی تو اس صورت پر ہندہ کے بغیر جائیداد منتقل ہو گئی، اب معلوم یہ ہے کہ اگر عدالت میں دعوی کرے تو شرعاً ہندہ اپنا حصہ لے سکتی ہے یا نہ؟ اور خالد جس نے ہمشیرہ کو حصہ سے محروم کر دیا اس کو شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہندہ اپنا حصہ بہر کیف وصول کر سکتی ہے، خالد حکم شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے فاسق اور ظالم ہے، لہٰذا اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۹۶ھ

جو امام حروف کے صحیح مخارج پر قادر نہ ہو:

سوال: ایک شخص خوش خوان نہیں اور کئی حروف سمجھ میں نہیں آتے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسے امامت سے معزول کر دیا جائے، وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے چونکہ نئے دانت لگوائے ہیں اس لئے نا دول کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے، باقی رہا اشکال حروف سمجھ میں نہ آنے کا تو اس کا کہنا ہے کہ میں تمام حروف کو سمجھتا ہوں، کیا اس کی امامت درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ امام حروف قرآن کو ان کے مخارج سے صحیح طرح سے ادا کرتا ہو اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی سمجھ بھی سکیں تو یہ امام احق بالامامت ہے، اسی کو برقرار رکھنا چاہئے، اور اگر حروف کو صحیح طریقہ سے مخارج سے ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو خواہ یہ عدم قدرت نئے دانتوں کی وجہ سے ہو یا اور کوئی سبب ہو اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی صاف اور واضح طور پر نہ سمجھ سکیں تو اس کی امامت درست نہیں، قال فی شرح التنویر ولا غیر الالثغ بہ ای

بالألثغ على الأصح كما في البحر عن المجتبى وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي فلا يؤم إلا مثله ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار (رد المحتار)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۹۶ھ

بینک کے ملازم کی امامت:

سوال: رفاقت کے ملازم احمد حسن کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہے، نیز بینک ملازم حفاظ و قرار ڈاڑھی خور کی اقتداء میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ڈاڑھی خور بینک میں ملازمت کی وجہ سے سود خور بھی ہے، ان دونوں گناہوں میں سے ہر ایک موجب فسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ صفر سنہ ۹۶ھ

حنبلی امام نے قصر کیا تو مقتدی کی نماز واجب الاعادہ ہے:

سوال: جماعت میں ایک عربی حنبلی نماز پڑھا رہا تھا، ہم مسافر تھے وہ بھی مسافر تھا ایک دن پہلے کہا تھا میں پوری نماز پڑھاؤں گا کیونکہ ہمارے مسلک میں قصر کا جواز ہے جیسا کہ روزہ، چنانچہ آج میں مزید پوری نماز پڑھاؤں گا، پھر جماعت میں انہوں نے پوری نماز پڑھائی، آیا ہماری نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز تھا، قعود واجب، اس کے ترک سے مقتدی گنہگار ہوئے، لہٰذا توبہ لازم ہے اور اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ذمہ قضا نماز ہو:

سوال: زید صاحب ترتیب ہے اور ایک مسجد میں امام ہے، اتفاق سے اس کی ایک نماز قضا ہو گئی، دوسری نماز کی جماعت کا وقت ہو گیا، مگر یہ اس سے پہلے قضا نماز نہیں پڑھ سکا اس لئے زید نے اس وقت وقتی نماز پڑھا دی، اور مزید چار نمازیں گزرنے کے بعد قضا نماز پڑھی، اس صورت میں مقتدیوں کی نماز میں تو کوئی فساد نہیں آیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ امام کو پہلے قضا نماز پڑھنے کا موقع دیں، یا امام کو لازم ہے کہ وہ امامت نہ کرے، بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھائے، اور یہ قضا نماز پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہو، معہذا جب زید نے نماز پڑھادی تو اس کی نماز کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی موقوف ہوگی، اگر فوت شدہ نماز کی قضاء سے قبل ایسی پانچ نمازوں کا وقت گزر گیا کہ ان کی ادائیگی کے وقت قضا نماز بھی یاد تھی تو سب کی نمازیں درست ہوگئیں، قال فی التنویر وتذکر فائتة علیه او علی امامه وهو صاحب ترتیب، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی ای تذکر المصلی فائتة علیه ان کان منفردا او اماما او علی امامه ان کان مقتدیا وقوله وهو ای من علیه الفائتة مطلقا ط وفی السراج ثم فساد الصلوة لا یتعلق قطعا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی بل یبقی موقوفة ان صلی بعدها خمس صلوات وهو یذکر الفائتة تنقلب جائزة،

(ردالمحتار ص ۵۶۱ ج ۱)

اس عبارت میں تذکر امام کی صورت میں مقتدیوں کی نماز کا کوئی الگ حکم نہیں بیان کیا گیا، جس سے ثابت ہوا کہ امام کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی بالآخر صحیح ہو جائے گی، قانون تبعیت کا مقتضی بھی یہی ہے،

مگر امام کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، اس لئے کہ اگر اس اثنا میں امام یا مقتدیوں میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

۱۲ر شوال ۸۹ھ

امام کے ذمہ وتر کی قضاء ہو

سوال: زید ایک مسجد میں امام ہے، آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے زید کے وتر قضا ہوگئے، ایسے وقت بیدار ہوا کہ جماعت فجر کا وقت قریب تھا، اس لئے وتر کی قضا پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھادی، دوسرے روز بوقت اشراق وتر کی قضا پڑھی، تو مقتدیوں کی نمازیں صحیح ہوگئیں یا نہیں؟ اگر دوسرے روز فجر سے قبل وتر کی قضا پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی طرح مقتدیوں کی نمازیں بھی موقوف تھیں، قضاء وتر سے قبل چھ نمازوں کا وقت گزر جانے سے سب کی نماز صحیح ہوگئی، بشرطیکہ ان نمازوں کی ادائیگی کے وقت قضا نماز یاد ہو، اگر

دوسرے روز طلوعِ آفتاب سے قبل وتر کی قضا پڑھ لیتا تو امام اور مقتدی سب کی درمیانی سب نمازیں باطل ہو جاتیں۔

تنبیہ:۔ امام کو ایسا کرنا جائز نہیں، اگر اس دوران میں امام یا کسی مقتدی کا انتقال ہوگیا تو قضاء ہوجانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوم العاشوراء [illegible]

مقتدی نے امام کی تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوئی:

سوال:۔ زید نے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ شروع کی مگر ختم امام کی تکبیر سے پہلے کردی تو زید کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ تکبیر تحریمہ پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریمہ پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کرلی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہوگیا، لہٰذا اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی، اگر اسی تحریمہ سے منفرداً نماز پڑھے گا تو وہ بھی نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر ولو بصیرورتہ شارعا بالمبتدأ فقط کاللہ وبالخبر فقط ہو المختار فلو قال اللہ مع الامام واکبر قبلہ او ادرک الامام راکعا فقال اللہ قائما واکبر راکعا لم یصح فی الاصح (رد المحتار [illegible])

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی القعدہ ۹۰ھ

کسی فرد کے لئے جماعت میں تاخیر جائز نہیں:

سوال:۔ اکثر جہال متولیان امام عالم پر حکومت کرتے ہیں، مثلاً نماز کے اوقات مقررہ کے وقت پر جب امام نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو متولی کہتا ہے کہ امام صاحب ذرا ٹھہریئے فلاں نہیں آیا، کیا یہ انتظار جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نمازیوں کے اجتماع کے بعد کسی فرد کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ کوئی شخص شریر ہو اور اس سے خطرہ ہو تو اس کے شر سے بچنے کے لئے تاخیر کی جاسکتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اذان البزازیۃ لو انتظر الاقامۃ لیدرک الناس الجماعۃ یجوز ولواحد بعد الاجتماع لا الا اذا کان

۴۰

واعوذ شیر ام (رد المحتار ص ۳۶۲ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ر صفر ۸۳ھ

فصل مانع اقتداء

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ احاطہ عیدگاہ کے اندر اور احاطہ عیدگاہ کے باہر صفوں میں کتنا فاصلہ مانع اقتداء نہیں، احاطہ عیدگاہ کے باہر ہر چہار طرف سڑکیں ہیں، لوگ سڑکوں کو چھوڑ کر کہیں ۱۵ فٹ تا نہایت ۲۰ فٹ تک کے فاصلہ پر صف بندی کرتے ہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوئی؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو صحیح صف بندی کا طریقہ کیا ہے؟ احاطہ کے اندر اور احاطہ کے باہر صحیح طریقہ تفصیل سے ارسال کیجئے، تاکہ چھپوا کر عام لوگوں کی معلومات کے لئے تقسیم کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احاطہ عیدگاہ کے اندر صفوں کے درمیان فاصلہ صحتِ اقتداء سے مانع نہیں خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، مگر بلا ضرورت درمیان میں خلاء چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، معہذا نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ عیدگاہ میں کوئی نالہ ہو تو وہ اقتداء سے مانع ہوگا جس کی تفصیل عیدگاہ سے باہر صف بندی کے بیان میں آرہی ہے۔

احاطہ عیدگاہ سے باہر صحتِ اقتداء کے لئے یہ شرط ہے کہ موضع سجود سے بقدر دو صف (تقریباً ۵ء۳ میٹر) جگہ خالی نہ ہو اور اتنا بڑا عام راستہ درمیان میں نہ ہو جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گزر سکتا ہو اور خالی اونٹ کی گزرگاہ کے برابر چوڑا کوئی نالہ بھی نہ ہو، اگر درمیان میں دو صف کی جگہ خالی رہی یا نالہ یا سڑک واقع ہوئی اور اسے پُر نہ کیا گیا تو اس سے پیچھے کھڑے ہونے والی صفوں کی اقتداء صحیح نہ ہوگی، لہٰذا ان کی نماز عید درست نہ ہوگی، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی موانع الاقتداء (او طریق تجری فیہ عجلۃ) آلۃ یجرھا الثور (او نہر تجری فیہ السفن ولو زورقا ولو فی المسجد او خلاء) ای فضاء (فی الصحراء او فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس یسع صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف، وفی الشامیۃ (قولہ او طریق) ای نافذ ابو السعود عن شیخہ ط قلت ویفہم ذلک من التعبیر عنہ فی عدۃ کتب بالطریق العام وفی التاتارخانیۃ الطریق فی مسجد الرباط والخان لا یمنع لانہ لیس بطریق عام (قولہ تجری فیہ عجلۃ) ای تمر بہ عبر فی بعض النسخ والعجلۃ بفتحتین وفی الدر مع

الذی تجری فیہ العجلة والاوقار (قوله وقر) بالقاف قال فی المغرب واکثر استعماله فی حمل البغل او الحمار کالوسق فی حمل البعیر (قوله وزورقا) بتقدیم الزای السفینة الصغیرة کما فی القاموس وفی الملتقط اذا کان کضیق الطریق یمنع وان بحیث لا یکون طریق مثله لا یمنع سواء کان فیه ماء او لا وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی النهر الذی یمشی فی بطنه جمل وفیه ماء یمنع، وان کان یابسا واتصلت به الصفوف جاز اھ اسمٰعیل (قوله ولو فی المسجد) صرح به فی الظهیریة والخانیة وغیرهما (قوله او فی مسجد کبیر جدا) الخ قال فی الامداد والفاصل فی مصلی العید لا یمنع وان کثر واختلف فی المتخذ لصلوة الجنازة وفی النوازل جعله کالمسجد والمسجد وان کبر لا یمنع الفاصل الا فی الجامع القدیم بخوارزم فان ربعه کان علی اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشریف اعنی ما یشتمل علی المساجد الثلاثة الاقصی والصخرة والبیض کذا فی البزازیة ومثله فی شرح المنیة (رد المحتار ص ۵۲۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذی الحجہ ۹۹ھ

سوال مثل بالا :

سوال :۔ مسجد کے صحن میں حوض ہے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر امام کی اقتداء کریں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مسجد میں یا مسجد سے باہر صفوں کے درمیان کتنی جگہ خالی ہو تو اقتداء درست نہیں؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حوض ۱۰×۱۰ ہاتھ = ۲۲۵ مربع فٹ = ۲۰،۹ مربع میٹر یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے کھڑا ہونے والے کی اقتداء صحیح نہیں، البتہ اگر حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑا ہونے والے تک صفوف متصل ہوں تو اس کی اقتداء درست ہے۔

مسجد، عیدگاہ، جنازہ گاہ، ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۳۳۴،۴۵ مربع میٹر سے چھوٹا کمرہ، دار یا اس سے چھوٹا صحن، ان سب مقامات میں صفوں کے درمیان خواہ کتنا ہی فصل ہو اقتداء صحیح ہے، مگر بلا ضرورت خلاء چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، معہذا نماز ہو جائے گی۔ البتہ اگر درمیان میں ۲۰،۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ ہو کہ جس کے پیٹ میں اونٹ چل سکے تو اس کے پیچھے اقتداء صحیح نہیں، مگر یہ کہ کسی جانب سے یہاں تک صفوف متصل ہوں تو اقتداء صحیح ہو جائے گی۔

کھلے میدان، ۱۵،۲۲۳ مربع میٹر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں صحت اقتداء کے لئے یہ شرط ہے کہ درمیان میں مندرجہ ذیل موانع نہ ہوں:

① اتنا چوڑا عام راستہ کہ اس میں بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گزر سکے، البتہ اگر یہ شارع عام نہ ہو بلکہ کسی جانب سے بند ہو تو یہ صحت اقتداء سے مانع نہیں۔

② ۲،۰۱ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ کہ اس کے طول میں اونٹ گزر سکے۔

③ بقدر دو صف (تقریباً ۸ فٹ = ۲،۴۴ میٹر) خلاء۔

یہ تینوں موانع اس صورت میں ہیں کہ کسی جانب سے بھی صفوف میں اتصال نہ پایا جائے، اگر کسی جانب سے ان موانع کے پیچھے تک صفوف متصل ہوں گی تو اقتداء صحیح ہو جائے گی، قال في شرح التنوير ويمنع من الاقتداء طريق تجري فيه عجلة آلة يجرها الثور أو نهر تجري فيه السفن ولو زورقا ولو في المسجد أو خلاء أي فضاء في الصحراء أو في مسجد كبير جدا كمسجد القدس يسع صفين فأكثر إلا إذا اتصلت الصفوف. وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله أو طريق) أي نافذ أبو السعود عن شيخه قلت ويفهم ذلك من التعبير في عدة كتب بالطريق العام وفي التتارخانية الطريق في مسجد الرباط والخان لا يمنع لأنه ليس بطريق عام (قوله تجري فيه عجلة) أي تمر به عجلة في بعض النسخ والعجلة بفتحتين وفي الدرر هو الذي تجري فيه العجلة والأوقار وهو جمع وقر بالكسر قال في المغرب أكثر استعماله في حمل البغل أو الحمار كالوسق في حمل البعير (قوله أو نهر تجري فيه السفن) أي يمكن ذلك ومثله يقال في قوله تجري فيه عجلة. وأما البركة أو الحوض فإن كان بحال لو وقعت النجاسة في جانب تنجس الجانب الآخر يمنع وإلا لا كذا ذكره الصفار إسماعيل عن المحيط وحاصله أن الحوض الكبير المذكور في كتاب الطهارة يمنع أي ما لم تتصل الصفوف حوله كما يأتي (قوله ولو زورقا) بفتح فسكون الزاي السفينة الصغيرة كما في القاموس وفي الملتقط إذا كان كأضيق الطريق يمنع وإن بحيث لا يكون طريق مثله لا يمنع سواء كان فيه ماء أو لا. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى النهر الذي يمشي في بطنه جمل وفيه ماء يمنع وإن كان يابسا واتصلت به الصفوف جاز. إسماعيل (قوله ولو في المسجد) صرح به في الدرر والخانية وغيرهما (قوله أو في مسجد كبير جدا الخ) قال في الإمداد والفاصل في مصلى العيد لا يمنع وإن كثر واختلف في المتخذ لصلاة الجنازة

وفي النوازل جعله كالمسجد والمسجد وإن كبر لا يمنع الفاصل إلا في الجامع القديم بخوارزم فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة الأقصى والصخرة والبيضاء كذا في البزازية ومثله في شرح المنية وأما قوله في النهر لا يمنع من الاقتداء الفاصل وإن كان في المسجد وقيل يمنع اهـ فأفاد أن المعتمد عدم المنع لكنه محمول على غير المسجد الكبير جدًا كجامع خوارزم والقدس بدليل ما ذكرناه وكون الراجح عدم المنع مطلقًا يتوقف على نقل صريح فافهم (تتمة) في القهستاني البيت كالصحراء والأصح أنه كالمسجد ولهذا يجوز الاقتداء فيه بلا اتصال الصفوف كما في المنية اهـ ولم يذكر حكم الدار والظاهر تقييده بالصحراء والمسجد الكبير جدًا أن الدار كالبيت تأمل، ثم رأيت في حاشية المدني عن جواهر الفتاوى أن قاضيخان سئل عن ذلك فقال اختلفوا فيه فقدره بعضهم بستين ذراعًا وبعضهم قال إن كانت أربعين ذراعًا فهي كبيرة وإلا فصغيرة هذا هو المختار اهـ (رد المحتار ص ۵۳۳ ج ۱) وفي التاتارخانية معزيًا إلى الجواهر الفتاوى سئل قاضيخان رحمه الله تعالى عن الدار الكبيرة لها حكم المسجد أم حكم الصحراء وفي حكم الكبيرة والصغيرة واختلافه؟ قال اختلفوا فيه بعضهم قالوا إن كان ستين ذراعًا في ستين ذراعًا بذراع المساحة فهي كبيرة وإلا فصغيرة وبعضهم قالوا إن كان أربعين ذراعًا في أربعين ذراعًا فهي كبيرة وإلا فصغيرة هذا هو المختار، هكذا أفتاه (التاتارخانية فيرمتا الخزانة ص ۱۹۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳ جمادی الآخرة [illegible]ھ

شرائط استخلاف:

سوال:- اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صحت استخلاف کی تین شرطیں ہیں:-

① صحت بناء کی وہ سب شرائط جن کی تفصیل اوپر کے مسئلہ میں بیان کی گئی ہے، ترتیب میں یہ مسئلہ باب مفسدات الصلوٰۃ میں بعنوان "شرائط صحت بناء" آیا ہے، البتہ خلیفہ متعین ہوجانے کے بعد بقیہ شرائط صرف امام کی بناء کے لئے ہیں، خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز کے لئے نہیں، اگر اس کے بعد امام نے کوئی فعل منافی کیا تو خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوجائے گی۔

③ اگر مسجد ۳۶۰ مربع فٹ = ۴۴۵۱ر۳۳ مربع میٹر سے چھوٹی ہو یا اس سے چھوٹے صحن میں جماعت ہو تو امام کے اس سے باہر نکلنے سے پہلے خلیفہ متعین ہو اور اگر کھلی فضا یا مذکورہ رقبہ سے برابر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں ہو تو جہت قبلہ میں سترہ سے اور سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے تجاوز سے قبل اور بقیہ تین اطراف میں صفوف سے تجاوز سے قبل خلیفہ متعین ہو جائے۔

④ خلیفہ میں امامت کی صلاحیت ہو یعنی عورت یا نابالغ نہ ہو۔

خلیفہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کو امام ہی متعین کرے، بلکہ اگر مقتدیوں نے کسی کو آگے کر دیا یا کوئی شخص از خود خلیفہ بن گیا تو بھی جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ امام خود خلیفہ بنائے، مسبوق بھی خلیفہ بن سکتا ہے، اگر خلیفہ کو بقیہ رکعات کا علم نہ ہو تو امام انگلیوں کے اشارہ سے بتادے، قراءت باقی ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے، سورۂ فاتحہ باقی ہو تو جہاں چھوڑی اس سے آگے ایک دو کلمات بلند آواز سے پڑھ دے، رکوع کے لئے گھٹنوں پر، سجود کے لئے پیشانی پر، سجدۂ تلاوت کے لئے پیشانی اور زبان پر، سجدۂ سہو کے لئے سینہ پر ہاتھ رکھ کر خلیفہ کو بتائے، پھر وضوء سے فراغت تک اگر جماعت ختم نہ ہوئی تو خلیفہ کی اقتداء کرے، ورنہ تنہا نماز پوری کرے، صورتِ اقتداء میں متروک ارکان پہلے ادا کر کے امام کے ساتھ شامل ہو۔

اگر پانی مسجد کے اندر ہی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، امام وضوء کر کے واپس اپنے مقام پر آکر امامت کرے، اس وقت تک مقتدی انتظار کریں، مگر اس صورت میں بھی استخلاف جائز ہے۔ اگر امام خلیفہ کے ایک رکن ادا کرنے سے قبل وضوء کر کے آگیا تو خلیفہ پیچھے ہٹ جائے اور اصل امام ہی امامت کرے بشرطیکہ امام مسجد سے نہ نکلا ہو، اگر پانی مسجد سے باہر ہو تو افضل یہ ہے کہ کسی کو خلیفہ بنا کر خود استیناف کرے، البتہ وقت تنگ ہو تو استخلاف و بناء واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ شعبان ۸۸ھ

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا:

سوال:- امام کے محراب کے اندر کھڑا ہونے سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پاؤں محراب سے باہر رکھے، بلا عذر محراب میں پاؤں رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، وجہ کراہت میں دو قول ہیں:

① محراب میں کھڑا ہونے سے دونوں طرف کے مقتدیوں پر امام کی حالت مشتبہ رہتی ہے۔

اس بناء پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں، وھو مختار ابن الہمام وصاحب الحلیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ۔

(۲) اہل کتاب سے تشبہ، اس بناء پر جانبین میں مقتدیوں کے لئے کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باوجود بھی امام کا محراب میں قیام مکروہ تنزیہی ہے، وھو قول الاکثر، البتہ اگر تنگی وغیرہ کسی عذر سے ہو تو بالاتفاق کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروہات الصلوٰۃ وقیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم مطلقا وان لم یتشبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ (الی قولہ) وھذا کلہ عند عدم العذر کجمعۃ وعید فلو قاموا علی الرفوف والامام علی الارض او فی المحراب لضیق المکان لم یکرہ (وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ) صرح محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجامع الصغیر بالکراھۃ ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببہا فقیل کونہ یصیر ممتازا عنہم فی المکان لان المحراب فی معنی بیت آخر وذلک صنیع اھل الکتاب واقتصر علیہ فی الھدایۃ واختارہ الامام السرخسی وقال انہ الاوجہ وقیل اشتباہ حالہ علی من فی یمینہ ویسارہ فعلی الاول یکرہ مطلقا وعلی الثانی لا یکرہ عند عدم الاشتباہ وایّد الثانی فی الفتح بان امتیاز الامام فی المکان مطلوب وتقدمہ واجب وغایتہ اتفاق الملتین فی ذلک وارتضاہ فی الحلیۃ وایدہ لکن نازعہ فی البحر (الی قولہ) وفی حاشیۃ البحر للرملی الذی یظہر من کلامہم انہا کراھۃ تنزیہ فتامل اھ (رد المحتار ص ۴۰۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

کرفیو کی حالت میں مسجد جانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کرفیو کے اوقات میں مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے جانا چاہئے یا گھر میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر فوج نماز کے لئے مسجد جانے والوں کو منع نہ کرتی ہو تو مسجد میں جانا ضروری ہے ورنہ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، قانون کی خلاف ورزی اور عزت وجان کو خطرے میں ڈالنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ھ

امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال:- امام سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ربنا لک الحمد بھی کہے یا صرف مقتدی کہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کو تحمید کے متعلق دونوں قول ہیں، کہنا افضل ہے، قال فی شرح التنویر فی صفۃ الصلوٰۃ والتسمیع للامام والتحمید لغیرہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لغیرہ) ای لمؤتم ومنفرد لکن سیأتی ان المعتمد ان المنفرد یجمع بین التسمیع والتحمید وکذا الامام عندھما وھو روایۃ عن الامام جزم بھا الشرنبلالی فی متن متنہ (رد المحتار ص ۳۳۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ سنہ ۹۰ھ

امام کے لئے تأمین مسنون ہے:

سوال:- امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے، قال فی التنویر وامن الامام سرا کمأموم ومنفرد وفی الشامیۃ ھو سنۃ للحدیث الآتی المتفق علیہ کما فی شرح المنیۃ وغیرہ (رد المحتار ص ۴۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ سنہ ۹۰ھ

لفظ السلام امام سے پہلے ختم کرنا مکروہ ہے:

سوال:- کیا مقتدی امام کے لفظ السلام کہنے کے ساتھ ہی فوراً سلام پھیر دے یا کچھ دیر کے بعد؟ اکثر ائمہ مساجد سلام میں لفظ "اللہ" کو بہت زیادہ کھینچتے ہیں، کیا مقتدی بھی اسی طرح کرے یا دونوں طرف امام سے پہلے سلام کے کلمات ختم کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سلام اول میں لفظ السلام کہنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے اس لئے سلام اول کی میم امام سے پہلے کہنا مکروہ ہے، اس کے بعد کوئی وجہ کراہت معلوم نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ سنہ ۹۰ھ

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- بہشتی زیور میں پڑھا ہے کہ عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے، بعضے میں ترجمہ میں یہی آیا تھا کہ عورت امام نہیں بن سکتی، اس کی تحقیق ارشاد فرمائیں، کہ کیا عورت کس نماز میں امام بن سکتی ہے۔ وضاحت سے فرمائیں تاکہ مسئلہ سمجھ میں آجائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، مگر عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائیۃ ویکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوٰۃ الجنازۃ (الی قولہ) فان فعلن تقف الامام وسطھن فلو تقدمت اثمت وفی الشامیۃ (قولہ فلو تقدمت اثمت) افاد ان وقوفھا وسطھن واجب کما صرح بہ فی الفتح وان الصلوٰۃ صحیحۃ وانھا اذا توسطت لا تزول الکراھۃ وانما ارشدوا الی التوسط لانہ اقل کراھیۃ من التقدم کما فی السراج (رد المحتار ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ محرم [illegible]ھ

امام نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی بجائے خاموش رہا:

سوال:- میرا ایک دوست حنفی عقیدہ رکھتا ہے، مسجد میں شافعی امام ہیں، لوگ بھی زیادہ شافعی ہیں، صبح کی نماز میں امام کی غیر حاضری کی وجہ سے جماعت ان صاحب نے کرائی تو دوسری رکعت میں وہ ہمارے دوست شافعی امام کی دعا تو مانگتے نہیں، لیکن رکوع کے بعد مقتدیوں کے لئے کھڑے رہتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ اور ہماری نمازیں جو ان کے پیچھے پڑھی ہیں ہو گئی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ صاحب خاموش نہ کھڑے ہوتے بلکہ دعا پڑھتے تو نماز ہو جاتی، خاموش رہنے کی صورت میں ان کی نماز بھی اور مقتدیوں کی بھی واجب الاعادہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ محرم [illegible]ھ

مسافر پر مقیم امام کے اتباع میں چاروں رکعتیں فرض ہیں:

سوال:- مسافر مقیم امام کے پیچھے تو چاروں پڑھے گا، لیکن اب بھی دو رکعتیں فرض ہیں لیکن جب وہ چار کی نیت کرے گا کیونکہ مقتدی کی نیت امام کی نیت کے تابع ہوتی ہے تو کیا خود بخود اس کا سفری حکم ٹوٹ جائے گا یا رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسافر پر بھی چار رکعات فرض ہو جاتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ صفر سنہ ۹۰ھ

آنے والے کے لئے قراءت یا رکوع لمبا کرنا:

سوال:- اگر امام نمازی آنے کی وجہ سے قراءت یا رکوع لمبا کرے کہ نمازی شامل ہو جائے تو کیا گنہگار ہوگا؟ شامیہ میں ہے: فاذا صح ان التاخیر القلیل لاعانة اهل الخیر غیر مکروه الخ

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر امام نے کسی نمازی کو پہچان لیا اور اس کی خاطر قراءت یا رکوع کو لمبا کیا تو مکروہ تحریمی ہے البتہ بدون پہچانے اطالہ میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التنویر رحمه اللہ تعالیٰ: وکره تحریما اطالة رکوع او قراءة لادراک الجائی ای ان عرفه والا فلا بأس به ولو اراد التقرب الی اللہ تعالیٰ لم یکره اتفاقا لکنه نادر وتسمی مسألة الریاء فینبغی التحرز عنها (رد المحتار [illegible])

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ صفر سنہ ۹۰ھ

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کا وسط میں کھڑا ہونا:

سوال:- بوجہ ہجوم اگر صفوں کا توازن نہ ہو امام و مقتدی برابر کھڑے ہو جائیں یعنی چھوٹی مسجد کی توسیع ہوئی جس میں سابقہ مسجد صرف بائیں جانب آئی اور موجودہ مسجد کے عین محراب کے مقابل صرف امام اپنے دائیں بائیں دو آدمی کھڑے کر کے جماعت کرائے جو بوقت خارجی جگہ مسجد کی سیڑھیوں کا راستہ ہے، ایسی صورت میں جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، مگر جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذوالحجہ سنہ ۹۰ھ

ظہر، مغرب، عشاء کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا خلاف سنت ہے:

سوال:- یہاں بہت عالم رہتے ہیں جو ظہر، مغرب و عشاء فرض نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف

شروع کرکے دعا کرتے ہیں یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خلافِ سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ ذی قعدہ سنہ ۹۵ھ

دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے مسجد کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں:

سوال:۔ ہمارے کالج کی مسجد اس سال رمضان المبارک میں تعمیر مکمل ہونے کے بعد نماز کے لئے شروع ہوئی کوئی تین چار منٹ کے فاصلہ پر ہے، اس مسجد سے پہلے ہم اپنے ہاسٹل میں ایک کمرہ مخصوص کرکے جائے نماز کی نیت کرکے وہاں نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے، میں فجر کے لئے جو جو لڑکا نماز پڑھتا تھا اس کو نماز کے لئے باقاعدگی کے ساتھ اٹھایا کرتا تھا، جب مسجد بن گئی تو میں نے وہاں جانا شروع کردیا اور ہاسٹل میں لڑکوں کو اٹھانا چھوٹ گیا، نیز اس جائے نماز میں تقریباً ہر نماز پر اذان دیا کرتا تھا، تقریباً ۱۰ یا ۱۵ لڑکے ہمارے نماز پڑھا کرتے تھے، میرے مسجد میں جانے سے کچھ لڑکے نماز میں سستی کرنے لگے، اور کئی ایک نماز چھوڑ بیٹھے اور لڑکے مسجد میں نہیں جاتے تھے، ان کے بقول اتنی دور کون جائے، اور پھر یہ جائے نماز بھی یہاں سے مسجد منتقل کرنے کی اجازت نہیں، ظاہر ہے کہ جائے نماز میں مسجد کا ثواب حاصل نہیں ہوتا، اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آیا میں دوبارہ اسی جائے نماز میں اذان دینا، لڑکوں کو اٹھانا شروع کردوں اور مسجد کا ثواب چھوڑ دوں یا مسجد میں ہی پابندی سے نماز پڑھتا رہوں اور لڑکوں کی پرواہ نہ کروں؟ کیا یہاں جماعت اور مسجد والا ثواب ملے گا؟ یہ جائے نماز جب ہم پڑھائی ختم کرکے جائیں گے ختم ہوجائے گی، یہ چیز ذہن میں رکھ کر لڑکے مسجد میں جاکر پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ مسجد میں نماز پڑھا کریں، حسبِ قدرت دوسروں کو بھی مسجد میں جانے کی تلقین و تبلیغ کرتے رہیں، اور حسبِ معمول نماز کے لئے جگایا کریں، اس کے باوجود اگر کوئی نہیں جاتا تو اس کی فکر نہ کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ صفر سنہ ۹۹ھ

شافعی امام کی اقتداء میں رفع یدین نہ کرے:

سوال:۔ زید مذہباً حنفی ہے، وہ باجماعت نماز ایک ایسے امام کے پیچھے پڑھتا ہے جو شافعی یا حنبلی ہے، لہٰذا یہ مقتدی آمین بالجہر کہتا ہے اور رفع یدین کرتا ہے چونکہ یہ امام کی اتباع یا تقلید نہ ہوئی تو ایسی صورت میں زید کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور اسی طرح شافعی یا حنبلی حنفی امام

کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ امام کی اتباع کے خلاف رفع یدین اور آمین بالجہر کہے، اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان امور میں اتباع امام لازم نہیں، لہٰذا حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے درست ہے، احناف رفع یدین نہ کریں، قال العلائی رحمه الله تعالى ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مأثور وفي الشامية (قوله ولو زاد تابعه الخ) لانه تبع لامامه تجب عليه متابعته وترك رأيه برأي الامام لقوله عليه الصلوة والسلام انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه فما لم يظهر خطؤه بيقين كان اتباعه واجبا ولا يظهر الخطأ في المجتهدات فاما اذا خرج عن اقوال الصحابة فقد ظهر خطؤه بيقين فلا يلزمه اتباعه ولهذا لو اقتدى بمن يرفع يديه عند الركوع او بمن يقنت في الفجر او بمن يرى تكبيرات الجنازة خمسا لا يتابعه لظهور خطئه بيقين لان ذلك كله منسوخ بدائع (رد المحتار ص ۸۰۰ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔

۲۷ صفر سنہ ۹۹ھ

مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے قبل امام اٹھ گیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مقتدی نے امام کو رکوع یا سجدہ میں پایا، ابھی تک وہ تین تسبیحات یا کچھ بھی نہیں کہہ پایا کہ امام کھڑا ہو گیا تو اب مقتدی کو کیا کرنا چاہئے، تین تسبیحات پوری کرے یا امام کی متابعت کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تسبیح واحد کی مقدار رکوع اور سجدہ میں واجب ہے، اور بقدر تین تسبیح سنت ہے، لہٰذا بقدر وجوب یعنی ایک تسبیح واحد کی مقدار توقف کرنے کے بعد امام کی متابعت کرنا واجب ہے، قال في العلائية واعلم انه مما يبتنى على لزوم المتابعة في الاركان انه لو رفع الامام رأسه من الركوع والسجود قبل ان يتم المأموم التسبيحات الثلاث وجب متابعته، وقال ابن العابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله واعلم الخ) ويتم ثلاثا لانه سنة على الصحيح المشهور في المذهب لا فرض ولا واجب كما مر فلا يترك المتابعة الواجبة لاجل سنة (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔

۲۰ جمادی الاولی سنہ ۹۸ھ

امام قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر اٹھ گیا تو مقتدی پر اس کا اتباع لازم ہے:

سوال:۔ امام نے بھول کر قعدۂ اولیٰ چھوڑ دیا، اور سیدھا کھڑا ہو گیا، تو مقتدی تشہد پڑھ کر کھڑے ہوں یا تشہد چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں پر امام کا اتباع لازم ہے، تشہد چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں، قال الشامیؒ عن شرح المنية تجب متابعته للامام فی الواجبات فعلا وكذا تركا ان لزم من فعله مخالفة الامام فی الفعل كتركه القنوت او تكبيرات العيد او القعدة الاولى او سجود السهو او التلاوة فيتركه المؤتم ايضا (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ شعبان ۹۰ھ

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا تو مقتدی اس کا اتباع نہ کریں:

سوال:۔ آخری قعدہ کے بعد بھول کر امام کھڑا ہو گیا، لقمہ دینے پر بھی نہیں بیٹھا اور دو رکعتیں پوری کر کے سجدۂ سہو کر لیا، اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پر قعود کی طرف عود لازم ہے، مقتدی اس کا اتباع نہ کریں، بلکہ بیٹھ کر اس کے لوٹنے کا انتظار کریں، اگر سجدہ سے قبل قعود کی طرف لوٹ آیا تو اس کے ساتھ سجدۂ سہو کر کے سلام پھیریں ورنہ الگ سلام پھیر کر نماز ختم کر دیں، قال فی شرح التنوير وان قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائما صح ثم الاصح ان القوم ينتظرونه فان عاد تبعوه وان سجد للخامسة سلموا لانه تم فرضه اذ لم يبق عليه الا السلام (الی قوله) وسجد للسهو فی الصورتين لنقصان فرضه بتأخير السلام فی الاولى وتركه فی الثانية، وفی الشامية (قوله اذ لم يبق عليه الا السلام) اشار به الی ان معنى تمام فرضه عدم فساده والا فصلوته ناقصة كما يأتی فی قوله لنقصان فرضه بتأخير السلام اليه اشار فی البحر (رد المحتار ص [illegible]) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ شعبان ۹۰ھ

امام مسافر قعدۂ اولیٰ کے بعد کھڑا ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟:

سوال:۔ مسافر امام چار رکعت والی نماز کے قعدۂ اولیٰ کے بعد اگر کھڑا ہو جائے تو مقیم مقتدی کیا کریں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی امام کے لوٹنے کا انتظار کریں، اگر امام تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل واپس آگیا تو اس کے ساتھ سجدۂ سہو کریں اور اس کے سلام کے بعد باقی نماز ادا کریں، اور اگر امام نے تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا تو مقتدی اپنے طور پر کھڑے ہوکر اپنی نماز پوری کرلیں، امام کی اقتداء بقیہ نماز میں نہ کریں، اگر اقتداء کرلی تو ان کی نماز فاسد ہوجائے گی، قال فی شرح التنویر (ولو نوی الاقامة لا لتحققها بل لیتم صلوٰۃ المقیمین لم یصر مقیما) وفی الشامیة (قوله لم یصر مقیما) فلو اتم المقیمون صلوتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض بالمتنفل ظهیریة ای اذا قصدوا متابعته اما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد افاده الخیر الرملی (رد المحتار ص ۷۴۳ ج ۱) قلت واما انتظارهم عود الامام فظاهر کما نصوا علیه فی المسبوق اذا قام امامه بعد القعدة الاخیرة۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجب سنہ ۸۶ھ

لنگڑے کی امامت:

سوال:- لنگڑا شخص امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لنگڑے کی امامت جائز ہے مگر ایسے شخص سے عموماً طبعی انقباض ہوتا ہے اس لئے مکروہ تنزیہی ہے، اگر کسی کے علم و تقویٰ کی وجہ سے اس سے لوگوں کو انقباض نہ ہو تو کراہت تنزیہیہ بھی نہیں۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ومفلوج وابرص شاع برصه) وکذلک اعرج یقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغیره اولی تاترخانیة (الی قوله) والظاهر ان العلة النفرة (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ شوال سنہ ۹۹ھ

پتلون والے کی امامت:

سوال:- ایک شخص پتلون میں نماز پڑھاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پتلون چست ہو یا ٹخنے چھپے ہوئے ہوں تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱ ربیع الآخر سنہ ۹۳ھ

بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے کی امامت:

سوال: زید کہتا ہے کہ بے پردہ عورتوں کو بالغہ ہوں یا قریب البلوغ، بینا ہوں یا نابینا، نرسیں ہوں، لیڈی ڈاکٹر، ہوائی جہاز کی ہوسٹسیں، جلوت میں ہوں یا خلوت میں، اسکول یا کالج کے کمروں میں ہوں یا مسجد کے حجرہ میں، جماعت کی صورت میں ہوں یا گھر کے اندر اکیلی، نامحرم مرد عالم ہو، مفتی، پیر ہو یا مرید، جوان ہو یا بوڑھا، بینا ہو یا نابینا، نہیں پڑھا سکتا، جبکہ بکر اس کی اجازت دیتا ہے۔

بکر کا استدلال یہ ہے کہ جب تک ان بے پردہ عورتوں کو احکام شرعیہ سے واقف نہیں کرایا جائے گا اس وقت تک ان کا پردہ کرنا ممکن نہیں، اور اگر ان کو نظر انداز کرکے دینی تعلیم سے صرف اس لئے بے بہرہ رکھا جائے کہ یہ بے پردہ ہیں تو یہ صحیح نہیں، ورنہ یہ نرسیں، لیڈی ڈاکٹر، ایئر ہوسٹسیں وغیرہ جو اکثر پردہ نہیں کرتیں اس پردہ والی شرط سے دینی تعلیم سے محروم رہ جائیں گی، جب کہ عملاً اس کا تجربہ کیا گیا کہ ایسی عورتوں کو دینی تعلیم دی گئی تو انہی بے پردہ عورتوں میں سے بعض تہجد گزار بن گئیں۔

زید کا استدلال یہ ہے کہ شرعی حدود کو کسی بھی خود پیدا کردہ مجبوری کی وجہ سے نہیں توڑا جا سکتا، بے پردگی ایک خود پیدا کردہ اضطرار ہے، شرعاً ایسے اضطرار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اگر اس طرح عوام خود ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن سے ان کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جائے آگے چل کر ہر ایسی مجبوری کو اضطرار کا نام دیتے جائیں، اور شرعی حدود وسدود کو توڑتے جائیں تو وجود شرعی باقی نہیں رہے گا، حالانکہ پردہ کی غرض وغایت صنفی اختلاط کا ختم کرنا ہے، اگر یہ اختلاط برقرار رہا تو پردہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ اختلاط مرد وزن اسی لئے جائز نہیں رکھا گیا کہ اس سے ہر دو صنف کے سفلی جذبات کو ہوا ملتی ہے، اگر اختلاط اس لئے ناگزیر ہے کہ بصورت عدم اختلاط دینی تعلیم سے محرومی واقع ہوتی ہے تو پھر دنیوی مخلوط تعلیم میں کوئی قباحت نہیں رہتی، کیونکہ بعض لوگ مرد وزن کا اختلاط دنیوی تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور آپ دینی تعلیم کے لئے، حدود شرعیہ کے توڑنے میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اگرچہ اغراض مختلف ہیں، جہاں بے پردہ عورتوں میں احکام شرعیہ کی واقفیت کے بعد چند عورتیں تہجد گزار بن گئی ہیں وہاں بڑی عمر کے اساتذہ اور کم سن بچیوں سے زنا کے ارتکاب تک کی بھی نوبت پہنچی ہے، چند عورتوں کے تہجد گزار بن جانے کے ثواب کے مقابلہ میں ایک زنا ہو جانے کا نہایت سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے

نیز خیر القرون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، آج چودھویں صدی کے معاشرہ میں پردہ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

اگر زید کا استدلال درست ہے تو بر بنائے وضاحت مسئلہ امر یہ ہے کہ بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے آدمی کو امام مسجد و خطیب بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کا خیال و استدلال صحیح ہے، عورتوں کی دینی تعلیم عورتوں کی وساطت سے یا پس پردہ ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اردو میں مستند دینی کتابوں کے مطالعہ سے یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ بے پردہ عورتوں کو تعلیم دینے والا فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کو امام و خطیب بنانا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ شعبان سنہ ۱۴۰۲ھ

مقتدی کی قنوت ختم ہونے سے قبل امام رکوع میں چلا گیا:

سوال: اگر رمضان المبارک میں نماز وتر میں کوئی آدمی امام صاحب کے ساتھ دعاء قنوت پوری نہیں کر سکتا بلکہ امام صاحب پہلے ہی دعاء قنوت پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً کوئی دعاء یا معروف دعاء کا کچھ حصہ پڑھ لینے سے واجب ادا ہو گیا، دعاء معروف پوری پڑھنا مسنون ہے واجب نہیں، لہٰذا اس کی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلا گیا تو قنوت چھوڑ کر امام کا اتباع واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ شوال سنہ ۸۸ھ

تکبیر اولیٰ میں شرکت کی حد:

سوال: جماعت میں تکبیر تحریمہ میں شرکت کی جو فضیلت ہے وہ کس وقت تک ہے، اگر کوئی رکعت اولیٰ کے رکوع میں مل گیا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہو گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مختلف قول ہیں، اور اکثر فاتحہ کا قول راجح ہے، قال فی الشامیۃ وقیل بادراک الرکعۃ الاولیٰ وقیل بادراک الثناء وهو الصحيح اه وقيل بادراك الفاتحة وهو المختار خلاصة (رد المحتار ص ۳۶۲ ج ۱) قلت بعض ... من فضلها التصحيح ... الاحتياط ... فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ [illegible]

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبل من نواحي المدينة
يريد الصلوٰة فوجد الناس قد صلوا فمال الى منزله فجمع اهله فصلى بهم

الوصية الاخوانية
في
حكم الجماعة الثانية

مسجد میں دوسری
جماعت کا حکم

مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اور فقہاء عظام اس مسئلہ میں کہ اگر ایک مسجد میں جماعت کا تکرار کیا جائے اور نمازی بھی اسی محلہ کے ہوں، تکرار عذر سے ہو یا بلا عذر، اور یہ تکرار دائمی ہوتا ہو یا کبھی اتفاقاً تو یہ نماز صحیح غیر مکروہ ہے یا مکروہ؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی؟

بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تکرار جماعت کی صورتیں مختلف ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف ہے لہٰذا ہر صورت کا حکم علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) مسجد طریق ہو یعنی اس کے نمازی معین نہ ہوں۔

(۲) اس مسجد میں امام یا مؤذن معین نہ ہوں۔

(۳) مسجد محلہ میں غیر اہل محلہ نے جماعت کی ہو۔

(۴) مسجد محلہ میں اہل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو۔

ان صورتوں میں تکرار جماعت (اگرچہ تکرار اذان واقامت کے ساتھ ہو) بالاجماع جائز بلکہ افضل ہے۔

(۵) مسجد محلہ میں اہل محلہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی اذان سے ہو۔

(۶) صورت مذکورہ میں تکرار جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولیٰ پر ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو۔

یہ دونوں صورتیں باتفاق مکروہ تحریمی ہیں۔

(۷) مذکورہ صورت میں جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ پر نہ ہو یعنی عدول عن المحراب کیا گیا، امام وسط مسجد میں محراب یا محراب کی محاذاۃ میں نہ کھڑا ہوا ہو۔ اس حالت میں کراہت میں شیخین میں اختلاف ہے۔

قال في شرح التنوير: ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق او مسجد لا امام له ولا مؤذن، وقال في الشامية (قوله ويكره) اي تحريما لقول الكافي لا يجوز والمجمع لا يباح وشرح الجامع الصغير: انه بدعة كما في رسالة السندي (قوله بأذان وإقامة) عبارته في الخزائن: اجمع مما هنا ونصها: ويكره تكرار الجماعة في مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلى بهما فيه اولا غير اهله او اهله (۲) وخصها.

۲ — الوصیۃ الاخوانیۃ

لا یکرہ والا مکروہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیۃ اھ

وفی التاتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ (رد المحتار باب الاذان ج ۱)

شامیہ میں جو جزئیہ خزائن اور منبع سے منقول ہے اس میں مسجد محلہ میں تکرار جماعت بدون

اذان کی اباحت بالاجماع بیان کی گئی ہے مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ مسجد محلہ میں تکرار جماعت بلا اذان

کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) علی الہیئۃ الاولیٰ (۲) علیٰ غیر الہیئۃ الاولیٰ۔

صورت اولیٰ بالاتفاق مکروہ ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف کے ہاں جواز تکرار کیلئے عدول

عن المحراب ضروری ہے، کما صرّح علاوہ ازیں مسجد محلہ اور مسجد مدینہ میں کراہت تکرار پر فقہاء رحمہم اللہ

اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع تحریر کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں مسجدوں میں تکرار بدون اذان علی الہیئۃ الاولیٰ

ہوتا تھا۔ جیسے کہ شامیہ کی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ شامی کا ان مساجد کو مساجد شارع میں

داخل کرکے عدم جواز تکرار پر اشکال پیش فرمانا بھی بیّن دلیل ہے کہ مسجد محلہ میں ایسا تکرار ہرگز جائز نہیں

دوسری صورت میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں مکروہ ہے۔ چنانچہ شامیہ نے

ظہیریہ کی روایت نقل کرکے قول اجماع کو فاسد قرار دیا ہے بہرکیف ان دو صورتوں کو بالاجماع جائز کہنا

صحیح نہیں، بلکہ صورت اولیٰ بالاتفاق مکروہ ہے، صورت ثانیہ مختلف فیہا ہے۔

امام ابو یوسف کے قول "عدول عن المحراب" سے مراد حقیقی محراب نہیں، بلکہ محاذاۃ محراب

مراد ہے۔ اگرچہ مسجد کے صحن ہی میں ہو، کیونکہ صلوٰۃ اولیٰ کا محراب میں ہونا ضروری نہیں بلکہ

محراب کی محاذاۃ میں ہونا مسنون ہے۔ لہٰذا جو نماز محاذ محراب ہوگی وہ ہیئت اولیٰ پر ہوگی

ہیئت اولیٰ کے تغیر کے لئے ضروری ہے کہ عدول عن محاذاۃ المحراب ہو۔ قال فی الشامیۃ

(قولہ ویقف وسطا) قال فی المعراج وفی مبسوط بکر السنۃ ان یقوم فی المحراب

لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ (الیٰ ان قال) قال علیہ الصلوٰۃ

والسلام توسطوا الامام الخ وایضا فیہا (تنبیہ) یفہم من قولہ اولیٰ سارية کراھۃ قیام

الامام فی غیر المحراب (الیٰ قولہ) السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الا تری ان

المحاریب ما نصبت الا وسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام اھ (رد المحتار ج ۱)

وایضا فیہا (قولہ لان العبرۃ للقدم) یکرہ للامام ان یقف فی غیر المحراب الا لضرورۃ

(رد المحتار ج ۱)

الوصیۃ از خوانیہ ——————— م

مذکورہ جزئیات سے واضح ہوگیا کہ محراب سے مراد محاذاۃ محراب ہے، امام کے عین محراب میں قیام کی سنیت اور عین محراب سے عدول کی کراہت کا کوئی بھی قائل نہیں، بالاتفاق محاذاۃ محراب ہی مسنون ہے۔

غرضیکہ صور سبعہ میں سے پہلی صور اربعہ میں تکرار جماعت بالاجماع افضل ہے، اور خامسہ وسادسہ میں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ کراہت تحریمیہ کی تصریح شامیہ کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

صورت سابعہ یعنی تکرار جماعت مع عدول عن محاذاۃ المحراب کی حالت میں شیخین کا اختلاف ہے اور روایات اختلاف میں تطبیق یا ترجیح کی ضرورت ہے۔ شرح التنویر میں اصول ترجیح بایں الفاظ منقول ہیں۔ واختلف فیما اختلفوا فیہ والاصح کما فی السراجیۃ وغیرہا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی (الی قولہ) وصحح فی الحاوی القدسی قوۃ المدرک (شرح التنویر مطلب رسم المفتی) الخ سراجیہ کے قانون کے مطابق ظاہر ہے کہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قانون پر عمل کیا جائے تو بھی امام صاحب ہی کا قول مختار ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلائل عقلیہ نقلیہ سے قوت ظاہر ہے دلیل عقلی شامیہ میں ہے ولان فی الاطلاق ہکذا الخ اور دلائل نقلیہ یہ ہیں۔

① الحدیث المرفوع الذی مر فی عبارۃ الشامیۃ

② قول انس رضی اللہ تعالی عنہ الذی نقلہ العلامۃ الشامی وفیہ بیان تعامل الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم۔

③ عن ابی بکرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینۃ یرید الصلوۃ فوجدہم قد صلوا فمال الی منزلہ فجمع اہلہ فصلی بہم (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط قال الہیثمی رجالہ ثقات)

④ عن ابراہیم النخعی قال قال عمر رضی اللہ تعالی عنہ لا یصلی بعد صلوۃ مثلہا (ابن ابی شیبہ)

⑤ عن خرشۃ الحر ان عمر رضی اللہ تعالی عنہ کان یکرہ ان یصلی بعد صلوۃ الجمعۃ مثلہا (رواہ الطحاوی بسند صحیح)

مندرجہ ذیل دو روایتیں بظاہر امام صاحب رحمہ اللہ تعالی کے خلاف نظر آتی ہیں۔

① عن ابی سعید رضی اللہ تعالی عنہ قال جاء رجل الی المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ہذا فقام رجل فصلی معہ (رواہ الترمذی)

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلیقاً وابو یعلیٰ موصولاً انہ جاء انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ (بخاری)

ان آثار کا جواب تابع الآثار و حاشیہ طحاوی میں اس طرح مذکور ہے۔ وما ورد من قولہ علیہ السلام من یتصدق علی ہذا لا یدل علی جواز التکرار المتکلم فیہ بعد صلاۃ الامام؛ لانہ اقتداء المتنفل بالمفترض، وانما ثبت بہ اقتداء المتنفل بالمفترض ولا نحکم بکراھتہ بل ورد فی جوازہ حدیث آخر من قولہ علیہ السلام اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلوۃ قوم فصلیا معہم واجعلاھا نافلۃ سبحۃ کما ھو ظاھر. وما روی البخاری تعلیقاً عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمحمول علی مسجد الطریق او نحوہ مما لا امام فیہ انہ رضی اللہ عنہ اذن واقام وھو مکروہ عند العامۃ اھ (تابع الآثار)

قلت ویحمل علی مسجد الطریق ایضاً لئلا یخالف قولہ ما نقلہ الشامی عن حکایۃ تعامل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

غرضیکہ دلائل کے لحاظ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قوی تر ہے۔ علاوہ ازیں ترجیح قوم کے اصول پر بھی امام ہی کا قول راجح ہے، پس اصول ترجیح میں ہر حیثیت سے حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول مفتی بہ و مختار ہے۔

صورۃ التطبیق

امام ابو یوسف کراہۃ تحریمیہ کے نافی ہیں اور حضرت امام کراہۃ تنزیہیہ کے مثبت ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ ظہیریہ میں صورت خاصہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں کراہت کی نفی کی ہے ان میں کراہت تحریمیہ کی نفی ہے للمقابلۃ الظاہرۃ، نیز مطلق کراہت سے مراد تحریمیہ ہوتی ہے، کما ھو مصرح فی کتب المذہب، تو عدم النفی بھی اسی تحریمیہ کی نفی ثابت ہوئی، بعدہ کراہت تنزیہیہ کی نفی کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے، پہلی چار صورتوں میں افضلیت تکرار کی تصریح کراہت تنزیہیہ کے عدم پر دلیل ہے، کراہت کی نفی سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی، اور دلیل افضلیت سے کراہت تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور استحباب ثابت ہوگیا، اسکے برعکس صورت سادسہ میں کراہت تحریمیہ کا انتفاء ہے اور تنزیہیہ کی نفی پر کوئی دلیل نہیں بلکہ ظہیریہ سے منقول ظاہر روایت میں کراہت کا ثبوت ہے، لہٰذا کراہت تحریمیہ کا انتفاء اور تنزیہیہ کا ثبوت ظاہر ہے، تو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض

نہیں، اس صورت میں خواص اور شیخ سے منقول اجماع کی تغلیط کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ مطلق (بدون اذان) کو مقید (علی غیر الہیئۃ الاولیٰ) پر محمول کیا جائے گا اور "جاز اجماعاً" اور "یباح اجماعاً" سے مراد جواز واباحت مع الکراہۃ التنزیہیہ ہے، کراہت تحریمیہ کی نفی مقصود ہے جواز و اباحت کا اطلاق کراہت تنزیہیہ پر ہوتا رہتا ہے۔ قال فی الشامیۃ وقد یقال یطلق الجائز ویراد بہ ما یعم المکروہ ففی الحلیۃ عن اصول ابن الحاجب انہ قد یطلق و یراد بہ ما لا یمتنع شرعا وہو یشمل المباح والمکروہ والمندوب والواجب اھ لکن الظاہر ان المراد المکروہ تنزیہا لان المکروہ تحریما ممتنع شرعا لازما (رد المحتار ص ۱ج۱)

وفی شرح التنویر و یجوز بلا کراہۃ فان صلی صاحبہ دعبد ـ وفی الشامیۃ (قولہ بلا کراہۃ) ای تحریمیۃ لان التنزیہیۃ ثابتۃ لما فی البحر عن الخلاصۃ ان غیرہم اولیٰ منہم (رد المحتار ص ج ۱)

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ صورت سادسہ میں بھی کراہت تحریمیہ ہے۔ امام ابو یوسف کا خاص صورت سابعہ یعنی علی غیر الہیئۃ الاولیٰ میں کراہت تحریمیہ کی نفی کرنا اس پر بین دلیل ہے کہ صورت سادسہ یعنی بدون اذان علی الہیئۃ الاولیٰ بالاتفاق صورت خامسہ کی طرح مکروہ تحریمیہ ہے۔

بالفرض اگر اباحت کو نفی متبادر پر محمول کر کے امام ابو یوسف کے ہاں عدم کراہت تنزیہیہ کا قول تسلیم کر لیا جائے تو بھی تکرار کا مذہب اور مستحب ہونا نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ ہی امام ابو یوسف سے منقول ہے۔ لہٰذا نفی کراہت سے اثبات ثواب لازم نہ ہوگا۔ قال فی الشامیۃ فی بیان کراہۃ الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی ویمکن ان یقال الجماعۃ فیہ غیر مستحبۃ ثم ان کان احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحا غیر مکروہ (الی قولہ) فان نفی السنیۃ لا یستلزم الکراہۃ الخ (رد المحتار ص ج ۱)

غرضیکہ تکرار میں امام ابو یوسف کے ہاں کوئی ثواب نہیں اور امام کے نزدیک کراہت ہے اور ترک میں امام کے ہاں ثواب ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں کوئی نقصان نہیں حتی کہ حرمان عن الثواب بھی نہیں اس لحاظ سے بھی ترک تکرار ہی اولیٰ ہوا۔ کیونکہ تکرار میں فائدہ کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ کراہت کا احتمال ہے۔ اور ترک تکرار میں کوئی نقصان نہیں بلکہ ثواب کی امید ہے یہ کل تحقیق فی نفسہ ہے، ورنہ مفاسد خارجیہ کے پیش نظر تکرار کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اگر امام ابو یوسف کے سامنے یہ مفاسد پیش ہوتے تو ہرگز جواز کا قول نہ فرماتے، فہکذا اعتاد حکیم الامۃ قدس سرہ۔

انقلاب زمانہ: شریعت کا حکم یہ ہے کہ مساجد میں جماعت قائم کی جائے، بدون عذر

غیر مسجد میں جماعت کرنا بالخصوص اسکی عادت بنالینا مکروہ اور بدعت ہے قرون خیر میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی، چلنے سے عاجز مریض کے علاوہ صرف ایسے لوگ مسجد کی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جنکا نفاق معروف ومشہور ہوتا تھا، قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلوٰۃ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدیٰ وان من سنن الھدیٰ الصلوٰۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ (رواہ مسلم)

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسا فی بعض الصلوات فقال لقد ھممت ان آمر رجلا یصلی بالناس ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنھا فآمر بھم فیحرقوا علیھم بحزم الحطب بیوتھم، الحدیث (رواہ مسلم) البتہ کسی عذر سے مسجد کی جماعت فوت ہوجائے تو گھر میں جماعت کیجائے، جیساکہ مضمون بالا میں متعدد احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل سے ثابت ہوا،

مگر انقلاب زمانہ دیکھئے کہ بدون عذر گھروں پر جماعت کا عام دستور ہورہا ہے، علماء، صلحاء، مقتدا، ومرجع عوام وخواص بھی اس بدعت میں مبتلا ہیں، جنکا عمل دوسروں کے لئے بھی مشعل راہ ہے، اور دوسری جانب مساجد میں جماعت ثانیہ کا عام رواج ہوگیا ہے، جس میں مندرجہ ذیل قبائح ہیں،

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق سے مخالفت
(۲) جماعت کی تقلیل وتہاون،
(۳) جماعت اصلیہ کے ساتھ شرکت میں تکاسل اور اسکی عادت پڑجانے کا سبب،
(۴) جماعت سے تخلف کے گناہ کا اظہار،
(۵) افتراق کی صورت، اور اسکا سبب،

غرضیکہ دور بدعت کی ستم ظریفی ہے کہ حکم شرع کے بالکل برعکس مسجد کی جماعت گھروں میں ہونے لگی اور گھروں کی جماعت مسجد میں،

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اتباع سنت واجتناب بدعات کی توفیق عطا فرمائیں، فقط واللہ المستعان وبہ الحول والقوۃ الابہ،

رشید احمد
۳۰ ربیع الآخر [illegible]

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب

امام الکلام

فی

تبلیغ صوت الامام

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ متعلقہ آلۂ مکبر الصوت پر بعض علماء نے اعتراضات کئے تھے اُن پر غور اور اظہار رائے کے لئے حضرت مفتی صاحب نے بندہ سے فرمائش کی، اس کی تعمیل میں یہ رسالہ تحریر کیا گیا!

نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

اما بعد، رسالہ متعلقہ آلہ مکبر الصوت (مؤلفہ مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم) اور اس پر بعض علماء کی تنقیدات مؤلف مدظلہ نے بغرض تنقیح وتحقیق بندہ کے سپرد فرمائی ہیں جسکا منشا صرف حسن ظن ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کہاں میرے جیسا فقیہ العلم اور کہاں علماء کی تحریرات کی تنقیح اور ان میں محاکمہ، بہرکیف امتثالاً للامر علمی بے مائگی کے ساتھ کثرتِ اشغال کے باوجود جو کچھ ذہن نارسا میں آیا حوالۂ قرطاس کر رہا ہوں۔ فمنی الجھل ومنہ الاصابۃ۔ پہلے اصل رسالہ کی تنقیح کی جائے گی اسکے بعد اس پر دیگر علماء کی تنقیدات کا تجزیہ ہوگا واللہ المستعان۔

(تنقیح رسالہ)

قولہ، ان دونوں مثالوں (ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا اور روپے کے کھرے یا کھوٹے ہونے سے متعلق سوال کا جواب اشارہ سے دینا) میں خارج نماز شخص کا جواب اور اتباع موجود ہے (الی قولہ) خارج نماز کے جواب یا اتباع کا مفسد نماز قرار دینا اس کے عمل کثیر ہونے کی علت پر مبنی ہے الخ (ص۳)

اقول، جواب واتباع مترادف قرار دیکر دونوں پر ایک حکم لگایا گیا ہے، حالانکہ دونو کی حقیقت میں بھی فرق ہے اور دونوں کا حکم بھی جداگانہ ہے۔ اتباع خارج بہرکیف مفسد ہے خواہ اس میں عمل قلیل ہو یا کثیر، الا ان یکون امتثالا لامر الشارع فلا یفسد وان کان عملا کثیرا، اور جواب بالاشارہ کا مفسد ہونا موقوف ہے عمل کثیر ہونے پر۔ مذکورہ دونوں مثالوں میں اتباع نہیں بلکہ جواب ہے۔ اس لئے کہ اسکے مفسد ہونے کی علت عمل کثیر ہونا بیان کی گئی ہے اتباع خارج کا بہرکیف مفسد ہونا جزئیات ذیل سے ثابت ہے۔

(۱) لیس فیہا (ای الاجابۃ بالرأس والید) امتثال امر (تنبیہ ذوی الافہام ص ۱۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس میں امتثال امر اور اتباع خارج ہوتا تو مفسد ہوتا اگرچہ عمل قلیل ہے مگر چونکہ اس میں اتباع خارج نہیں صرف جواب بالاشارہ ہے جو عمل قلیل سے ہے اسلئے نماز فاسد نہ ہوگی۔

امام الکلام ——— ۲

(۳) اذا قیل لمصل تقدم فتقدم او دخل فرجۃ الصف احد فتجانب المصلی توسعۃ لہ فسدت صلوتہ (الی قولہ) اقول لو قیل بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشارع فلا تفسد وبین کونہ امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر الی امر الشارع فتفسد (طحطاوی علی شرح التنویر ص ۲۴۳ ج ۱) تقدم وتأخر اور خصوصاً توسعہ عمل قلیل ہے اس کے باوجود اگر امتثال امر شارع کی غرض سے نہ ہو بلکہ اتباع وامتثال خارج سے ہو تو اسے مفسد قرار دیا گیا ہے۔

قولہ "اس اتباع میں جہاں عمل کثیر نہ پایا جائے اور امر غیر شرع کا اتباع مقصود نہ ہو تو صرف اس وجہ سے کہ کسی خارج شخص کے کہنے یا اس کے اشارہ کرنے پر کوئی نقل وحرکت کی گئی اس کو مفسد نماز کہنا صحیح نہیں (ص ۱)

اقول، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اتباع خارج میں عمل قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اتباع خارج سے امتثال امر شرع مقصود ہے تو بہر حال مفسد نہیں، ولو کان عملاً کثیراً کدوران الصفوف عند سماع خبر تحویل القبلۃ وغیرہ من الجزئیات اور اگر امتثال امر شارع مقصود نہ ہو تو اتباع خارج بہر کیف مفسد ہے ولو کان عملاً قلیلاً کما مر۔

قولہ "الا کبر الصوت کی آواز پر تکبیر تحریمہ یا تکبیرات انتقالیہ ادا کرنے میں اعمال نماز کے سوا کوئی عمل تو ہے نہیں، نہ قلیل نہ کثیر (ص ۱)

اقول، اتباع خارج کا مفسد ہونا اس پر موقوف نہیں کہ اس میں اعمال نماز کے سوا کوئی دوسرا عمل پایا جائے بلکہ اعمال نماز میں بھی اتباع خارج مفسد ہے، وھو ظاہر جداً، پس فساد نماز کی بنا عمل کا خارج من اعمال الصلوۃ ہونا نہیں بلکہ امتثال امر غیر شارع فساد نماز کی بنا ہے۔ لہٰذا عبارت مذکورہ بلا فائدہ اور حشو محض ہے۔

قولہ، اور اس کی (آلہ کی) آواز کے اتباع میں اسکا دور دور بھی کوئی احتمال نہیں کہ اس آلہ کی خاطر سے یا اس کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ یہاں تو بجز اتباع امر اللہ کے اور کوئی احتمال ہی نہیں (الخ ص ۱)

اقول، یہ امر بعید از قیاس نہیں، مگر غزی، حموی اور شامی و دیگر فقہاء کے غشیان کی تغلیط بھی سہل نہیں، فلیحرر۔

عـہ سیأتی تحریرہ فی آخر ھذا التحریر ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

قولہ: مطلقاً کسی خارج شخص کا اتباع مفسدِ نماز نہیں ہوسکتا جب تک اس میں یا تو عمل کثیر نہ پایا جائے۔ یا امر غیر اللہ کا اتباع مقصود ہو (ص)

اقول: اوپر دوبار تحریر کیا جاچکا ہے کہ اتباعِ خارج کا مفسد ہونا صرف اس پر موقوف ہے کہ اسمیں امرِ شارع کا امتثال نہ ہو۔ عمل کی قلت وکثرت میں کوئی فرق نہیں۔ امتثالِ امرِ شارع مفسد نہیں ولو کان العمل کثیرًا اور امرِ غیر اللہ کا اتباع و امتثال مفسد ہے ولو کان قلیلًا۔

قولہ: خود علامہ شامی نے اپنے رسالہ تنبیہ ذوی الافہام میں جو خاص اسی مسئلہ مکبر یا مبلغ کے لئے لکھا ہے، اگرچہ خارج نماز کی آواز پر تکبیرِ تحریمہ کہنے کو حموی کے حوالہ سے مفسد لکھا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسی رسالہ میں یہ بھی لکھدیا ونقل عن ذلك الكتاب ان الاجابة بالرأس لا بأس بها ولم ار من صرح بخصوص مسألتنا سوى ما مر عن الحموي وهذا الفرع اشبه بها من غيره لان الاجابة فيها بالفعل لا (الی قولہ) اس سے معلوم ہوگیا کہ علامہ شامی کو بھی مکبر خارج نماز کی آواز کے اتباع کو مفسد نماز کہنے پر اطمینان نہیں، بلکہ اس کے خلاف کو ترجیح ہے (ص)

اقول: مضمون مذکور علامہ شامی نے صرف بحثاً ذکر فرمایا ہے۔ کما هو دأب المحققین فانهم يذكرون في اثناء تحقيقهم امورًا كثيرة بحثًا فقط ولا يفتون بها، اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علامہ شامی حموی اور غزی کی تحقیق پر مطمئن نہیں اور اسکے خلاف کو ترجیح دے رہے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو خود اپنے اسی رسالہ تنبیہ ذوی الافہام کے آخر میں حموی کیموافق فتوی نہ دیتے، ونصه فمن ذلك ان بعضهم يجهر بالتكبير عند احرام الامام من غير قصد الاحرام ليعلم الناس وربما يفعل ذلك وهو قائم او ملخص ثم يدخل بعد ذلك في صلوة الامام ولا شك حينئذ ان من لم يكن قريبًا من الامام يأخذ من ذلك المبلغ فلا يصح شروعه لانه لم يدخل في تكبيره في الصلوة فيكون اقتداؤه بمن لم يدخل في الصلوة وهو لا يصح كما مر۔ ومن ذلك ان بعضهم يكون اعمى وهو بعيد عن الامام فيفعل رجل الى جانب ذلك المبلغ الاعمى ويعلمه بانتقالات الامام والاعمى يرفع صوته ليعلم المأمومين كما شاهدت ذلك في مسجد دمشق وعلى ما مر يكون صلوة

المبلغ فاسدۃ لاخذہ من الخارج وکذلک صلوۃ من اخذ من ذلک المبلغ۔

(تنبیہ ذوی الافہام ص۱۲۰)

ان دونوں جزئیوں میں علامہ شامی غزی وحموی کی تحقیق پر فتویٰ دے رہے ہیں۔ پورے رسالہ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس سارے رسالے کا خلاصہ اور نتیجہ یہی حموی کی تحقیق ہے۔ رد المحتار میں بھی شامی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ شامی نے بطور بحث وھذا الفرع اشبہ بھا من نیرہ الخ سے جو اشکال ذکر کیا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ اجابت بالرأس والید میں امتثال واتباع نہیں بلکہ جواب ہے اور مسئلہ تبلیغ میں اتباع وامتثال ہے فافترقا، شامی نے دونوں مسئلوں میں وجہ شبہ "لان الاجابۃ فیہما بالفعل" سے بیان فرمائی ہے مگر ان کی نظر فرق مذکور کی طرف نہیں گئی۔

قولہ: اور اسی رسالہ میں دو صفحہ کے بعد یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ حموی کی تخریج ایک ایسے اصول پر مبنی ہے جو صحیح نہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا علمت ھذا ظہر لک ما فی کلام الحموی (الیٰ قولہ) علی ان تخریجہ علی غیر صحیح (تنبیہ ص۱۴۴) (ص۵)

اقول: اس میں مصنف مدظلہ کو التباس ہو گیا ہے اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ایک دوسرے مستقل مسئلہ سے متعلق ہے اور یہ امر رسالہ تنبیہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

قولہ: لیکن اس رسالہ میں پھر بھی علامہ شامی نے ہدایت یہی دی ہے کہ خارج نماز شخص کی آواز پر تکبیر تحریمہ وغیرہ کہنے سے احتراز کیا جائے اور یہی وہ فیصلہ ہے جو احقر نے اپنے رسالہ مکبر الصوت میں اختیار کیا ہے کہ جہاں خطرہ اور احتمال بھی فساد نماز کا ہو وہاں احتراز ہی کرنا چاہیے اس لئے نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال مناسب نہیں (ص۵)

اقول: شامی نے احتراز کی روایت کو بیان نہیں فرمایا بلکہ فساد نماز کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس رسالہ مکبر الصوت میں صحت صلوٰۃ کا فیصلہ دیا گیا ہے اور احتراز کو اولیٰ اور آلہ کے استعمال کو صرف نامناسب فرمایا گیا ہے۔

قولہ: (غیر امام کو لقمہ دینا) اس عنوان کے تحت مؤلف مدظلہ نے فتح علی غیر الامام کے مفسد نماز ہونے کے لئے تین قیود بیان فرمائی ہیں۔

(۱) امام کے استفتاح پر خارج نے لقمہ دیا ہو۔

(۲) خارج شخص بتلانے کی نیت سے لقمہ دے، محض اپنی تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

(۳) بتلانے والے کے پورا بتلانے کے ذریعے امام کو اپنی غلطی ظاہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے شروع کرتے ہی امام کو خود یاد آ گیا ہو۔ ان شروط کے اثبات کے لئے مؤلف مدظلہ نے جزئیات ذیل تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) وفی الدر المختار وفتحه علی غیر امامه الا اذا اراد التلاوة وکذا الاخذ الا اذا تذکر فتلا قبل تمام الفتح۔

(۲) قال الشامی (قوله الا اذا تذکر) قال فی القنیة فان اخذ فی التلاوة قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد، وفی المبسوط للسرخسی بعد قوله تفسد به صلوٰة المصلی لانه تعلیم وتعلم۔

(۳) (ثم قال) واما هذا اذا اراد ان یفتح علی غیر امامه فیستحب ان ینوی التلاوة دون التعلیم فلا یضره ذلک (مبسوط ج ۱ ص ۱۹۲)

(۴) قال فی البدائع لان فتحه بعد استفتاحه جواب وهو من کلام الناس فیوجب الفساد وان کان مرة واحدة هذا اذا فتح علی المصلی عن استفتاح واما اذا فتح علیه من غیر استفتاح لا تفسد صلوته بمرة واحدة وانما تفسد عند التکرار لانه عمل لیس من اعمال الصلوٰة (بدائع ج ۱ ص ۲۳۶)

(۵) وفی البحر واراد من الفتح علی غیر امامه تلقینه علی قصد التعلیم واما ان قصد قراءة القرآن فلا تفسد عند الکل۔

(۶) (وقال بعد ذلک) وفی القنیة ارتج علی الامام ففتح علیه من لیس فی صلوته وتذکر فان اخذ قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد لان تذکره یضاف الی الفتح (بحر ج ۲ ص ۷)

اقول: اصل کتب کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ ان جزئیات کے مفہوم میں مؤلف مدظلہ کو التباس ہو گیا ہے۔ چنانچہ جزئیہ ۲ و ۳ و ۶ کو مؤلف مدظلہ نے صلوٰۃ امام کے حکم سے متعلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان میں خود فاتح کی نماز کا حکم بیان ہو رہا ہے لہذا شروط مذکورہ میں سے شرط دوم ثابت نہ ہوئی۔ نیز جزئیہ ۶ خلاف مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو بحر ص ۶ و ص ۷ کبیری ص ۴۱۳، پس شرط اول بھی ثابت نہ ہو سکی اور جزئیہ ۲ و ۶ سے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الحلیة وفیه نظر لانه ان حصل بالتذکر

والفتح معًا لم یکن التذکر ناشئا عن الفتح ولا وجه لافساد الصلوٰة بتأخر شروعه فی القراءة عن تمام الفتح وان حصل التذکر بعد الفتح قبل اتمامه فالظاهر ان التذکر ناشئ عنه ووجبت اضافة التذکر الیه لتفصل بلا توقف للشروع فی القراءة علی اتمامه اهـ ملخصا قلت والذی ینبغی ان یقال ان حصل التذکر بسبب الفتح تفسد مطلقا ای سواء شرع فی التلاوة قبل تمام الفتح او بعده لوجود التعلم وان حصل تذکره من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقا

خلاصہ یہ کہ اگر تذکر ناشی من الفتح ہے تو بہرکیف نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ فاتح کے شروع کرتے ہی امام کو یاد آگیا ہو اور وہ فوراً قبل تمام الفتح ہی پڑھنے لگا ہو۔ پس شرط سوم بھی سالم نہ رہی۔

قولہ: اور اگر قرآن کریم یاد ہے مگر محض امداد کے لئے قرآن مجید کھول کر سامنے رکھ لیا ہے کہ ضرورت پڑے تو اس پر نظر کرنے سے آیت یاد آجائے گی۔ یہ صورت باجماع مفسد نماز نہیں ہے (ص)

اقول: اس دعوی کے اثبات کے لئے جتنی جزئیات پیش کی گئی ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حافظ قرآن کو کھول کر نماز پڑھے مگر اسے اٹھائے نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بوقت ضرورت قرآن سے تذکر کرے تو مفسد نہیں بلکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ بلا استفادہ تذکر کرکے قرآن کو دیکھ کر پڑھے تو مفسد نہیں، اگر صورت تذکر فرض کی جائے تو یہ شامیہ ص ۴۲۵ کے جزئیہ مذکورہ بالا ان حصل لہ تذکر بسبب الفتح الخ سے معارض ہوگی۔

قولہ: تذکر یعنی دوسرے کی بات سن کر کوئی چیز یاد آجانا اس کو عمل سے خارج اور غیر مفسد قرار دیا ہے (ص)

اقول: شامیہ ص ۴۲۵ کے جزئیہ سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ تذکر ناشی من الفتح مفسد ہے۔

قولہ: علامہ عینی اور حافظ ابن حجر اور امام طحاوی نے اس واقعہ (تحویل قبلہ) سے اس امر کا استنباط کیا ہے کہ نمازی کو خارج نماز شخص سے کسی قسم کا استفادہ کرنا مطلقاً موجب فساد نہیں (ص)

اقول: اس قدر اطلاق اور وسعت معلوم نہیں ہوتی، خصوصاً جبکہ حافظ ابن حجر اس واقعہ میں کچھ تاویلات کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

یہاں تک تو رسالہ مکبر الصوت کے دلائل سے متعلق بقدر ضرورت کلام ہوا، اب رسالہ

مذکورہ پر تنقیدات سے تعرض کیا جاتا ہے۔ نفس مسئلہ کی تحقیق آخر میں تحریر کی جائے گی۔

تبصرہ بر تنقید مفتی عطا محمد صاحب

رسالہ مکبر الصوت میں تنبیہ ذوی الافہام سے منقولہ جزئیہ "ولو ارتفع بعد رفع مخصوص مساکتنا سوی ما مرّ عن الحموی" کے بارے میں مفتی عطا محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عبارت مسئلہ تبلیغ سے متعلق نہیں، بلکہ اس سے مراد قریبی مذکور مسئلہ امتثال امر الغیر کی ایک مثال اذا قال له تقدم فتقدم الخ ہے۔ اھ

بندہ نے پورے غور سے اس مقام کو دیکھا اور ایک دوسرے قابل اعتماد اہل علم کو بھی دکھایا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ اصل رسالہ میں جو مفہوم اس جزئیہ کا لیا گیا ہے وہی صحیح ہے۔ مفتی عطا محمد صاحب کے بیان کردہ مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں جزئیہ مذکورہ میں "مساکتنا" کا لفظ بھی یہی وضاحت کر رہا ہے کہ اسکا محل وہی مسئلہ ہے جو رسالہ کا اصل موضوع ہے۔ اور جسکا اوپر عنوان قائم کیا گیا ہے یعنی مسئلہ تبلیغ۔ شامی کے اس قول سے متعلق ضروری تحقیق اوپر تحریر کی جا چکی ہے۔

تبصرہ بر تنقید قاضی شمس الدین صاحب

قولہ بر تقدیر تسلیم نبودن آواز مکبر الصوت آواز اصلی متکلم دریں تحریر نیز آنحضرت از مسئلہ صدای چرا گریز فرمودہ اند۔

اقول اس کا جواب مؤلف مدظلہ نے اپنے سابقہ رسالہ مطبوعہ میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ سجدہ میں ایک عبادت یعنی سجدۂ تلاوت کا ایجاب مستقل ہے جو حسب تصریح فقہاء آیت سجدہ کی تلاوت صحیحہ یا اس کے سننے پر موقوف ہے اور حسب تصریح بدائع صوت صدیٰ کو تو تلاوت ہی نہیں کہہ سکتے اور کسی نے مجنون کی زبان سے آیت سجدہ سن لی تو وہ اگرچہ تلاوت ہے مگر تلاوت صحیحہ نہیں، کیونکہ مجنون تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس سے آیت سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا (بدائع ج ۱ ص ۱۸۰)

بخلاف اس مسئلہ کے کہ مقتدی پر امام کا اتباع اور اس کے ساتھ رکوع و سجود میں منتقل ہونا پہلے سے لازم و واجب ہے۔ مکبر کی آواز اس کے واجب ہونے کا سبب یا علت نہیں، بلکہ مکبر کی آواز صرف انتقال امام کی خبر دینے والی ہے اور امام کی حرکات انتقالیہ پر اطلاع

جیسے لازم طور پر امام کی آواز سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی اگلی صف کی نقل و حرکت سے کبھی سایہ وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے اور کبھی مکبر کے باآواز بلند تکبیر کہنے سے اور کبھی آلہ مکبر الصوت سے بھی ہو جاتی ہے بہر حال اتباع امام ہی کا ہوتا ہے جو بسبب اقتدار پہلے سے اس کے ذمہ لازم تھا۔ آواز مکبر الصوت کے سننے یا نہ سننے پر اس کا مدار نہیں، اس لئے صوت صدی کا وجوب سجدہ میں اعتبار نہ کرنا اور چیز ہے اور اسکے ذریعہ انتقال امام پر استدلال کر کے نقل و حرکت کرنا دوسری چیز ہے۔

احقر کو اس تقریر پر اشکال ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ زیر بحث کے موقع و محل کا تعلم من الخارج بھی مفسد ہے کما سیاتی۔ حقیقت میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ وجوب سجدہ مبنی ہے صحت تلاوت پر جو نیت پر موقوف ہے اور تالی آلہ صدی کے استعمال کی نیت نہیں رکھتا پس آلہ صدی کے غیر مختار ہونے کی وجہ سے صوت صدی بحکم صوت تالی تو ہوگی مگر بلا نیت استعمال پیدا ہونے کے باعث تلاوت نہ کہلائے گی۔ اس کے برعکس صحت اقتداء کے لئے نیت تکبیر شرط نہیں بلکہ نفس تکبیر بھی ضروری نہیں۔ امام کے فعل کی اقتداء ہی کافی ہے۔ پس آلہ صدی کی آواز بحکم صوت امام ہے مگر امام نے اس آلہ کو استعمال کر کے اس آواز کے پیدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صحت اقتداء کے لئے یہ نیت شرط نہیں۔

قولہ اگر درمیان صفوف جماعت کلاں بر جائے بلند یک خواندہ طوطی نشستہ باشد و صلاحیت نقل تکبیرات امام دارد و چون امام تکبیر تحریمہ گوید آں طوطی تکبیر را شنیدہ باآواز بلند فوراً نقل آں آواز کند، مقتدیان بعید ایں جماعت کہ در انتظار تکبیر تحریمہ امام بامر الٰہی تمی خواہند کہ بامر الٰہی باقتدار امام تکبیر گویند لیکن حائل امام بوجہ دوری از امام ازیں مقتدیان مستور ست و آواز تکبیر امام نیز بایں مقتدیان نمے رسد و چوں آواز طوطی شنیدند پس باخبر شدہ تکبیر پس امام خود گفتہ تحریمہ بستند واز آواز ایں طوطی متذکر شدند کہ اکنوں امام تکبیر گفتہ است و دریں جا ہرگز احتمال نیست کہ کسے وقت ایں طوطی مسکین در نظر مے دارد و بپاس خاطر او تکبیر مے گوید و کلام طوطی کلام طوطی ست، کلام الناس ہم نیست پس مطابق اصول دریں بیان فرمودہ آنحضرت نماز ہمہ مقتدیان صحیح باشد، زیرا کہ نہ تکبیر گفتن ایں طوطی نیز نہ عمل قلیل و کثیر ست و نہ کلام الناس۔

اقول، طوطی نہ ہی تو صدی اور مکبر الصوت کی طرح آلہ غیر مختار ہے کہ اسکا فعل مستعمل بکسر المیم کی طرف منتقل ہو جائے اور اسکی صوت کو بحکم صوت امام کہا جا سکے اور نہ ہی طوطی انسان ہے کہ مستقلا اسکی خبر پر اعتماد کیا جائے۔ معاملات میں بھی طوطی کی خبر پر اعتماد کی گنجائش نہیں اور یہاں تو مسئلہ دیانات کا ہے۔

بیوع واجارات وغیرہا من العقود کا بذریعہ ٹیلیفون عدم انعقاد اور اسکے برعکس بذریعہ مکبر الصوت ان کا انعقاد اس قدر بین اور واضح ہے کہ شاید کوئی شخص بھی اسکے انکار کی جرأت نہ کر سکے۔

نفس مسئلہ کی تحقیق

مصلی کے معاملہ مع الخارج کی مختلف صورتیں ہیں۔

① اجابت بالقول۔

② اجابت بالعمل الکثیر، یہ دونوں مفسد نماز ہیں۔

③ اجابت بالعمل القلیل کالاجابۃ باشارۃ الرأس او الید، یہ مفسد نہیں۔

④ تذکر، اس سے متعلق شامیہ کی تحقیق گزر چکی ہے کہ اگر تذکر ناشی عن فتح الخارج ہے تو مفسد ہوگا والا فلا۔ مگر اسمیں بندہ کو شرح صدر نہیں، اولاً اسلئے کہ عامۃ الکتب میں الاداء بنقل کو قبل تمام الفتح مطلق ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ تعلم کو عمل کثیر ہونے کی بناء پر مفسد قرار دیا گیا ہے اور تذکر کا عمل کثیر ہونا معرض خفا میں ہے۔ ثالثاً اس لئے کہ شامی کی تحقیق پر کئی مواقع ایسے پیش آئیں گے کہ ان میں اصلاح نماز ناممکن ہوگی۔ اور نمازی ابطال عمل نماز پر مجبور ہو گا۔ مثلاً نمازی کو قیام، قعود یا دیگر ارکان نماز میں سے کسی رکن میں سہو واقع ہوا، خارج نے لقمہ دیا اور اس پر نمازی کو بھی تذکر ہوگیا۔ اب اس نماز کی تکمیل کا کوئی طریق ممکن نہیں، نہ ایسے تذکر ناشی عن فتح الخارج پر عمل کرسکتا ہے اور نہ ہی تذکر کے بعد عمداً کسی رکن کو چھوڑ سکتا ہے۔ پس ابطال نماز کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وقال اللّٰہ تعالیٰ لا تبطلوا اعمالکم، پس اس پر عمل کرنا متعین ہوگیا۔

⑤ اتباع وامتثال خارج فعلیاً کان او قولاً، یہ مفسد نماز ہے۔

⑥ تعلم القرآن یا تعلم المسئلۃ، یہ بھی مفسد ہے۔

⑦ تعلم محل المسئلۃ، جس کی تعلیم کو شامی نے اعلام وتذکیر سے تعبیر کیا ہے جیسے تقدم، تأخر، توسع، واقعہ تحویل قبلہ، جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفسد نہیں۔ وفی العلائیۃ لو اشتبہ علی الامام فیما یعمل اعداد الرکعات والسجدات ان تفکر حتی تعب لا یلزمہ الاداء ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان لا یجزیہ کذا فی القنیۃ۔ وقال فی الشامیۃ تحتہ قد یقال انہ تعلیم وتعلم وھو مفسد کما اذا قرأ من المصحف او علمہ انسان القراءۃ وھو فی الصلوۃ وقد یقال انہ لیس بتعلیم وتعلم بل ھو تذکیر او اعلام فھو کاعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل (رد المحتار ج ۱)

اس میں بھی تصریح ہے کہ تعلم محل مسئلہ مفسد نہیں۔ مسئلہ تبلیغ میں بھی تعلم محل مسئلہ ہے تعلم نفس مسئلہ نہیں، اس لحاظ سے اسمیں تعلم من الخارج مفسد نہ ہونا چاہیئے۔ شامیہ کی عبارت مذکورہ میں فھو کالعلامۃ اسبنۃ بھی اسکی کامل وضاحت کر رہا ہے مگر تنبیہ ذوی الافہام میں غزی و حموی کی تحقیق کے مطابق شامی نے مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج کو مفسد قرار دیا ہے بس رفع تعارض کی یہ صورت سمجھ آتی ہے کہ تقدم و تأخر اور توسعہ وغیرہ کے عدم افساد کی وجوہ مختلف بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے منصوص علی خلاف القیاس ہونے کا حکم لگایا ہے اور بعض نے لضرورۃ اصلاح الصلوٰۃ بیان کیا اور بعض نے امتثال امر شارع قرار دیا، ان مختلف تعبیرات کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔ لہذا منصوص علی خلاف القیاس اور لضرورۃ اصلاح الصلوٰۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امتثال امر شارع کا مفہوم یہ متعین ہو جاتا ہے کہ اس خاص موقع پر اصلاح صلوٰۃ کی ضرورت کیلئے امر شارع وارد ہوا ہو اور اسکا امتثال مقصود ہو مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج نہ منصوص علی خلاف القیاس ہے نہ ہی اسمیں ضرورت اصلاح صلوٰۃ ہے اسلئے کہ یہ ضرورت تعلم من الداخل سے پوری کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس بارہ میں خاص طور پر امر شارع وارد ہوا ہے جسکا امتثال مقصود ہو، مریض سے متعلق قنیہ کا جزئیہ "ولو ادعاہ بعقیب فانہ ینبغی ان یجزیہ" بھی ضرورۃ اصلاح صلوٰۃ پر مبنی ہے۔ شامی نے جو اسکی علت بیان فرمائی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، اسلئے کہ اولاً تو اسے تذکیر کہنا بعید ہے۔ ثانیاً یہ کہ تذکیر کے متعلق خود شامی کا فیصلہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ تذکیر ناشی عن التذکیر ہو تو مفسد ہے۔ ثالثاً شامی کی یہ توجیہ اسکو مستلزم ہے کہ مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج جائز ہو بلکہ تقریباً اسکی تصریح ہے جو خود شامی کے فیصلہ مذکورہ تنبیہ کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ قنیہ میں سے شامی نے اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ غرضیکہ مسئلہ تبلیغ میں تلقن من الخارج مفسد نماز ہے۔

آلہ مکبر الصوت

حقیقت میں یہاں دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک جواز استعمال کا اور دوسرا صحت صلوٰۃ کا، بندہ کے خیال میں ان دونوں سوالوں کا جواب مختلف ہے۔ یعنی آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں مکروہ ہے مگر اسکے باوجود اگر کسی نے اقتدا کر لی تو نماز درست ہو جائے گی۔ کراہت استعمال اسلئے کہ بلا ضرورت مسنون و معتمد علیہ اور یقینی طریق تبلیغ ترک کر کے ناقابل اعتماد طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، البتہ عوام میں غلبہ جہل و فقدان اہلیت یا اور کسی وجہ سے مکبرین کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو بضرورت مکبر الصوت کے استعمال میں مضائقہ نہیں، حتی الامکان احتراز اولیٰ و احوط ہے۔

دوسرا مسئلہ صحت نماز کا ہے۔ جس میں با وجوہ ذیل کی بنا پر بندہ بھی مؤلف رسالہ مکبر الصوت و دیگر اکابر دیوبند کی رائے سے موافق ہے اور صحت نماز کا قائل ہے۔

(۱) مکبر الصوت کی آواز عین آواز متکلم ہے یا غیر؟ اس کا ابتک اہل سائنس فیصلہ نہیں کر سکے بجہت اختلاف بقاعدہ "الیقین لا یزول بالشک" اس کی صوت کو عین صوت متکلم کہا جائے گا، اسلئے کہ صوت متکلم کا وجود یقینی اور صوت مغایرہ کا وجود مشتبہ ہے خصوصاً جبکہ احکام شرع کا مدار ظاہر پر ہے۔ نہ کہ تدقیقات فلسفیہ پر۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جب امام بول رہا ہے تو یہ آواز اسی کی ہے۔

(۲) اگر اس صوت کو صوت متکلم کا غیر فرض کر لیا جائے تو آلہ مکبر الصوت محض آلہ غیر مختار ہے لہذا اس کی آواز بحکم آواز متکلم ہوگی۔

(۳) فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے عدم صوت اقتداء کی صورتیں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں مگر صوت صدی کی اقتداء کا فساد کہیں بیان نہیں کیا، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مصنفین کا ذہن صوت صدی کی طرف نہیں گیا اسلئے کہ سجدۂ تلاوت کی بحث میں جملہ مصنفین اس پر بحث فرماتے ہیں یعنی سجدۂ تلاوت کے باب میں جمیع مصنفین کا اسے بیان فرمانا اور بحث اقتداء میں کافۃً سب فقہاء کا اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور اس طرف کسی کا بھی کوئی توجہ نہ فرمانا باوجودیکہ مسئلہ محتمل الوقوع ہے اور بہ نسبت سجدۂ تلاوت کے وقوع کا زیادہ قریب احتمال رکھتا ہے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صوت صدی کی اقتداء صحیح ہے۔

(۴) مساجد میں محراب اور گنبدوں کے ذریعہ تبلیغ صوت کا تعامل و توارث چلا آتا ہے خصوصاً ہند کی قدیم تاریخی مساجد میں فن معماری کا اعجوبہ بہت سے حضرات نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ خطیب کی آواز گنبدوں کے ذریعہ کتنی دور تک صاف پہنچتی ہے، گنبدوں کے ذریعہ پہنچنے والی آواز میں قریب ترین احتمال یہ ہے کہ صدی ہے مگر آج تک کسی زمانہ میں اس پر کوئی اشکال نہیں پیش کیا گیا۔ اگر بالفرض گنبدوں کی آواز کا صدی ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی کم از کم صدی ہونیکا احتمال تو ضرور ہے جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ علماء دین اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے صدی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق کرتے، بصورت عدم تحقیق نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس سے احتراز کو ضروری قرار دیتے اور فساد نماز کا حکم صادر فرماتے مگر آج تک کسی عالم نے اس طرف قطعاً کوئی التفات نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ صوت صدی کا اتباع مفسد صلوٰۃ نہیں اور یہ توارث سے ثابت ہے۔

فقط وهذا ما عندی فی نظری القصیر والعلم عند الله اللطیف الخبیر

غرہ محرم سنہ ه یوم الجمعۃ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

نیل السّعادۃ بالاقتداء فی الصّلوۃ المعادۃ

نماز میں وقوعِ نقص کی وجہ
سے دوبارہ جماعت کرائی گئی تو
اس میں نئے مقتدی کی شرکت
کا حکم

صلوٰۃ معادہ لترک الواجب میں شرکت کا حکم

ایک اہم مسئلہ سے متعلق دو حضرات کے متضاد جوابات ارسال خدمت ہیں۔ حضرت سے درخواست ہے کہ انہیں ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں اور اپنی تحقیق عمیق سے مستفید فرمائیں۔

از ظفر محمد رشید

سوال: ترک واجب کی بنا پر نماز کا اعادہ کیا گیا تو جو دوسرا شخص اس دوسری جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ میں تو دوسرے کی شرکت کا جواز مذکور ہے و امداد الفتاویٰ کے حاشیہ پر شرکت کو مختار قول کے غیر مطابق قرار دیا ہے اور دلیل یہ بیان فرمائی کہ ثانی نماز مستقل نماز نہیں، لہٰذا مستقل نماز پڑھنے والوں کی اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ عرض ہے کہ مختار شرکت کا جواز ہے یا عدم جواز؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ ۲۰ ؍ ۱۱ ؍ ۹۵ھ

جواب اول

حامداً و مصلیاً، مجتہدین کے کلام میں باوجود تتبع کے خود دوسرے کی شرکت یا عدم شرکت کی تصریح تو نہیں ملی، غالباً یہ مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ ثانی نماز نفل ہے یا فرض، اس کا فیصلہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ فرمایا ہے: یؤخذ من لفظ الاعادۃ ومن تعریفہا بما مر انہ ینوی بالثانیۃ الفرض لان ما فعل اولا ہو الفرض فاعادتہ فعلہ ثانیا اما علی القول بان الفرض یسقط بالثانیۃ فظاہر واما علی القول الآخر فلان المقصود من تکرارہا ثانیا جبر نقصان الاولی فالاولی فرض ناقص والثانیۃ فرض کامل مثل الاولی ذاتا مع زیادۃ وصف الکمال ولو کانت الثانیۃ نفلا لزم ان تجب القراءۃ فی رکعاتہا الاربع اھ (رد المحتار باب قضاء الفوائت ص ۴۹۴) فقہاء کی تعبیرات میں قدرے اختلاف ہے، بعض نے الفرض سقط بالاولی اور بعض نے یکون الفرض ہو الثانی سے تعبیر فرمایا مگر علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ اختلاف تعبیرات کا ہے حقیقی نہیں کیونکہ سقوط الفرض بالثانیۃ کا یہ مطلب نہیں کہ اولیٰ سے سقوط فرض بالکل نہیں ہوتا اور ثانیہ پر اس طرح موقوف تھا کہ اگر بالفرض ثانیاً اس فعل کو نہ کیا جاتا تو مصلی خارج عن الصلوٰۃ نہ ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حکم سقوط الفرض موقوف ہے عدم اعادہ پر (کذا فی الشامیہ باب قضاء الفوائت میں مذکور ہے) اور جب اعادہ ہو گیا تو یہ فرض ثانی کی طرف منتقل ہو گئے، جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر

صلوٰۃ جمعہ میں شریک ہوجائے تو فرضیت کا بطلان ہوگا عند الامام و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نفلیت
باقی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اگر صلوٰۃ جمعہ میں اس سے رکن فوت ہوجائے تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا اور
سقوط الفرض بالاول والثانی جابر کا قول بھی ثانیہ کے نفل ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ اسکے معنی حسب
تحقیق حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ ہیں کہ سقوط فرض ثانیہ کے شروع کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اگر
اعادہ نہ کیا جائے تو سقوط فرض بانتقصان ہوچکا تھا، اب اس نقصان کو پورا کرنے کی خاطر ذات
اولیٰ کا کمال کے ساتھ اعادہ کیا جارہا ہے جس طریقہ سے قعدۂ اخیرہ پر ارکان پورے ہوجاتے ہیں،
سقوط فرض کسی اور چیز پر موقوف نہیں مگر سلام سجود السہو کے بعد سے آخر تک جو حصہ ہے
فرض میں داخل ہوگا، چنانچہ جو اس حالت میں اقتداء کریگا بالاتفاق اسکی اقتداء صحیح ہوجائے گی
تو یہ (ثانیہ) مثل سجود سہو ہے کما فی رد المحتار: جابر للاول بمنزلۃ الجبر بسجود السہو
چونکہ سجود سہو کی صورت میں منافی صلوٰۃ کوئی عمل نہیں ہوا اسلئے شارع علیہ السلام نے اس
سجود و تشہد کی زیادتی کو مربوط بکمال السہو قرار دیکر بجبر النقصان کافی اعتبار کیا اور اعادہ کی
صورت میں منافی صلوٰۃ عمل ہوچکا لہٰذا اس زیادتی کی بنا اصل صلوٰۃ پر ممکن نہیں رہی اسلئے جدید
تحریمہ کے ساتھ مستقل نماز کو جابر قبول کیا، چار رکعت والی نماز کے لئے چار رکعت اور تین رکعت
والی نماز کے لئے تین رکعت کو جابر قرار دینا دلیل ہے کہ مؤداۃ بالفعل الاول اور بالفعل الثانی
میں اتحاد ذات ہے تغایر و تعدد صرف صورۃً ہے۔ اگر بجبر النقصان محض زیادتی مطلوب
ہوتی تو دو رکعت نماز کی مشروع ہے ہر نماز کے لئے دو رکعت جابر ہوسکتی تھی، معادہ صلوٰۃ
ترک الواجب متروک واجب کے قائم مقام ہے اور واجبات سب نمازوں کے مساوی تو ہر
نماز کے لئے ایک ہی مقدار قرین قیاس تھی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ محض زیادتی مطلوب
نہیں بلکہ زیادتی مع اتحاد ذات مجبور و جابر مطلوب ہے۔ مثلاً ذات صلوٰۃ ظہر کا وجود چار رکعت
سے ہوتا ہے، لہٰذا بجبر النقصان چار رکعت مطلوب ہوئیں۔ الغرض مؤداۃ بالفعل الثانی کا
ماثل بالفعل الاول فی سائر الاجزاء مطلوب ہونا دلیل ہے کہ ثانیہ مثل اول کے عقب الوقوع
فرض ہے، ذات کی ذاتیات و اوصاف ذاتیہ میں سے اگر کوئی معدوم ہوجائے تو ذات
ہی باقی نہیں رہتی اور اگر اوصاف عارضہ میں خلل واقع ہوجائے تو ذات باقی رہتی ہے،
مگر اس وقوع خلل فی الاوصاف کا نقص ذات ہی کی طرف راجع ہوتا ہے، پھر اگر اس
نقصان کو پورا کیا جاتا ہے تو یہ جبر نقصان بلا واسطۂ ذات ممکن نہیں۔ یہ بھی تصریح سامنے

نہیں آئی کہ ثانیہ میں نفل کی نیت کافی ہو جائے گی۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں "تقع نفلا جابرا" مذکور ہے۔ اس کے معنی بصورت تطبیق یہ ہوں گے کہ جب ارکان و شروط صلوٰۃ مکمل ہو چکے تو اب ثانیاً شروع فی الفعل فرض نہیں بلکہ غیر فرض ہے (چونکہ عند البعض اعادہ واجب ہے اور عند البعض مستحب اور بعض نے فی الوقت اور بعد الوقت کی تفصیل کی اسلئے لفظ نفل ذکر فرمادیا جو دونوں کو شامل ہے) اول کے نقصان کو پورا کرتا ہے لہٰذا یہ اعتبار نفل کے معاقب فرض واقع ہونے کے منافی نہیں۔ مسافر پر صلوٰۃ جمعہ فرض نہیں مگر جب پڑھیگا تو واقع فرض ہوگی چنانچہ مسافر کی اقتداء بالاتفاق صحیح ہے۔ الحاصل بعض نے قبل الاعادہ کے اعتبار سے اولیٰ کو اور بعض نے بعد الاعادہ کے اعتبار سے ثانیہ کو مسقطۃ الفریضۃ سے تعبیر فرمایا، مآل سب کا واحد ہے۔ کما فی رد المحتار، وبہذا اظہر التوفیق بین القولین وان الخلاف بینہما لفظی، اس وضاحت کے بعد فوراً عدم شرکت کے قول کو مختار تسلیم کرنے میں تامل ہے، عدم شرکت کے قول کو غلط کہنے کی جرأت تو نہیں کی جا سکتی، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ عدم شرکت پر ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا التھانوی اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہما کا فتویٰ شرکت پر ہے۔ دونوں حضرات مستند ہیں اور ممکن ہے بلکہ ظن ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمت ورحمانیہ کے سامنے بہت زیادہ قوی دلیل ہو جسکے سامنے خاکسار کی یہ تحریر بالکل ہیچ کس ہو مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دلیل مستور ہے اور حکیم الامت مدت فیوضہم کے فتویٰ کی دلیل اور ماخذ ظاہر ہے اسلئے قول شرکت کو مختار تسلیم کرنا قریب الفہم معلوم ہوتا ہے، عدم شرکت کی دلیل ثانی نماز کا غیر مستقل ہونا تحریر فرمایا ہے۔ مستقل اور غیر مستقل نماز کی تقسیم کا شرعی ماخذ اور تعریف، پھر تعریف کردہ مستقل نماز پڑھنے والے کو غیر مستقل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کے عدم جواز کا ثبوت محتاج بیان ہے حضرت مفتی صاحب حیات ہیں اور دور بھی نہیں، انکی خدمت میں پیش ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محررہ العبد .... عفی عنہ

۲۳/۱۱/۹۵ھ

جواب ثانی از مفتی

علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ اصل نماز اور اعادہ کردہ نماز دونوں فرض ہیں۔ لیکن

اس تحقیق میں حضرت علامہ منفرد ہیں، جیسا کہ خود انھوں نے بحث ختم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ هذا نهاية ما تحرر لي من فتوح المنان الوهاب فاغتنمه فانه من مفردات هذا الكتاب اھ لیکن مختار قول وہ ہے جو علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ والمختار انه اذا ترك الواجب نقص جابر والفرض سقط بالاولى، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ نے حضرت علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق فتوی رقم فرمایا اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے طحطاوی کے قول کے مطابق فتوی دیا۔ اس وقت علماء مظاہر العلوم و دار العلوم کا فتوی بھی یہی ہے۔ اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ کثرت کس طرف ہے۔ رہی یہ بحث تو یہ ایک خاص نقطۂ نظر لئے ہوئے ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والے بھی ایسی ہی بحث کر سکتے ہیں فاين المفر والله اعلم بحقيقة الحال۔ مجھے بحث بار بار پڑھنے پر بھی شرح صدر نہیں ہوا۔ لعل الله يحدث بعد ذلك امرا۔

کتبہ .... عفا اللہ عنہ

۲۰/۱۱/۹۵ھ

جواب الجواب از مجیب اول

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت هذا نهاية ما تحرر لي الخ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قولوں کی تطبیق میں حضرت علامہ رحمہ اللہ منفرد ہیں نہ کہ ثانیہ کو فرض قرار دینے میں منفرد ہیں۔ حضرت علامہ حلبی نے اپنی شرح کبیری میں واجبات صلوۃ کے شروع میں فرمایا ہے ومن المشايخ من قال يلزمه ان يعيد ويكون الفرض هو الثاني اور خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے ابو الیسر کا قول نقل کیا اور ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے ثانیہ کو فرض قرار دینے میں عدم سقوط الفرض بالاولى بلا ترک رکن کا اشکال ظاہر فرما کر الا ان يقال المراد ان ذلك امتنان الخ جواب فرمایا نیز جواب میں منقولہ عبارت میں واما على القول بان الفرض يسقط بالثانية مصرح ہے۔ پھر علامہ شامی رحمہ اللہ کی انفرادیت کیونکر قرار دی جا سکتی ہے۔
تفصیل جواب کے ملاحظہ کے بعد طحطاوی کی عبارت کے یہ معنی مراد لے کر کہ ثانیہ بعد الوقوع فرض نہیں بلا دلیل مختار کہنا کسی ہی کو زیبا ہے۔ طحطاوی کی مذکورہ عبارت میں معادہ کی خبر نافلۃ جو کہ بعد الوقوع متصف بالنفل ہونے پر دال ہے ذکر نہ کرنا اور نفل مصدر کو ذکر کرنا جو صرف حدوث پر دال ہے گزشتہ جواب ۱۰ میں مذکور تاویل کا مؤید ہے۔ مجرد اولی کی فرضیت کی دلیل

لأن الفرض هل يتكرر کے بارے میں طحطاوی شرح درمختار میں وفیہ نقل مذکور ہے۔

کثرت اس وقت راجح ہوتی ہے جبکہ جانبین کے دلائل مساوی ہوں اور ہر ایک کو جانبین کے دلائل معلوم ہوں، اس کا شاہد خلیفہ ہارون الرشید کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ چور نے مال لینے کا اقرار کر لیا، تمام فقہاء مجلس نے قطع ید کا حکم کیا، مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے قطع ید سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ مال لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا چوری کا اقرار ضروری ہے پھر اس نے معلوم کرنے پر چوری کا بھی اقرار کر لیا تو تمام فقہاء کا اتفاق ہو گیا کہ اب تو قطع ید ضروری ہو گیا، مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ پہلے اقرار سے ضمان واجب ہو چکا تھا، پھر چوری کے اقرار سے ضمان کو ساقط کرتا ہے لہٰذا اقرار مسموع نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل اگر ان فقہاء کو نہ پہنچتی تو سب اپنی رائے پر قائم رہتے اور یہ سب کا اتفاق صواب نہیں تھا۔

دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والوں کی بحث تحریر فرما دی جاتی تو کرم ہوتا، وہ اگر قوی ہوتی تو تسلیم کر لی جاتی اور کم از کم مستقل نماز ہونے کے بیان کا ثبوت مطلوب تھا اس کو تو تحریر فرما ہی دیا جاتا بحث مناسب نہیں۔

مفتی کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کی تلاش کی فکر کریں، ماوی کی ضرورت ہے وہ بحمد اللہ میسر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تحریر العبد .... عفی عنہ

۱۴/۱۲/۹۵ھ

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئلہ کی اہمیت اور اس میں اکابر علماء کے اختلاف و بحث کے پیش نظر اس سے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى في منحة الخالق على البحر الرائق في باب قضاء الفوائت وخرج به أيضاً فعل مثله بعد ما خلل غير الفساد وعدم صحة الشروع فهو خارج عن الأقسام الثلاثة كما نبه عليه المحقق ابن الهمام في التحرير لكن قال العلامة ابن أمير حاج في شرحه ان هذا مبني على ما عليه البعض ولا نقول المراد الإعادة في عرف الشرع إتيان بمثل الفعل الأول على صفة الكمال بأن وجب على المكلف فعل موصوف بصفة الكمال فأداه على

وجه النقصان وهو نقصان فاحش يجب عليه الاعادة وهو اتيان مثل الاول ذاتا
مع صفة الكمال اه يفيد انه اذا فعل ثانيا فى الوقت او خارج الوقت يكون اعادة
كما قال صاحب الكشف اه ونحوه فى شرح اصول فخر الاسلام للشيخ اكمل الدين
فانه قال ولم يذكر الشيخ الاعادة وهى فعل ما فعل اولا مع ضرب من الخلل ثانيا
وقيل هو اتيان مثل الاول على وجه الكمال ثم ان كانت واجبة بان وقع
الاول فاسدا فهى داخلة فى الاداء او القضاء وان لم تكن واجبة بان وقع الاول
ناقصا لا فاسدا فلا يدخل فى هذا التقسيم لانه تقسيم الواجب وهى ليست بواجبة
و بالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح والفعل الثانى
بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو اه وهو موافق لكلام الميزان حيث لم يقيدها
بالوقت و مخالف له حيث صرح بعدم وجوبها وفى شرح التحرير وهل تكون الاعادة
واجبة فصرح غير واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانها ليست بواجبة وان
بالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح وان الثانى
بمنزلة الجابر والاوجه الوجوب كما اشار اليه فى الهداية وصرح به بعضهم كالشيخ
حافظ الدين فى شرح المنار وهو موافق لما عن السرخسى وابى اليسر من ترك
الاعتدال تلزمه الاعادة زاد ابو اليسر ويكون الفرض هو الثانى وعلى هذا يدخل
فى تقسيم الواجب ثم نقل عن شيخه ابن الهمام لا اشكال فى وجوب الاعادة
اذ هو الحكم فى كل صلوة اديت مع كراهة التحريم ويكون جابرا للاول لان الفرض
لا يتكرر وجعله الثانى يقتضى عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترك الركن
لا الواجب الا ان يقال المراد ان ذلك امتنان من الله تعالى اذ يحتسب الكامل
وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سيوقعه اه اقول ويظهر لى التوفيق
بان المراد بالوجوب الافتراض فى عبارة الشيخ اكمل الدين لانه ذكر وجوبها
عند وقوع الاول فاسدا ولا شبهة فى انها حينئذ فرض وذكر عدم الوجوب عند
وقوع الاول ناقصا لا فاسدا ولا شبهة فى عدم افتراضها حينئذ وعلى هذا يحمل
كلام شراح اصول فخر الاسلام فلا ينافى ذلك ما اشار اليه فى الهداية وصرح به
فى شرح المنار من ان الاوجه الوجوب لان المراد به الوجوب المصطلح لا الافتراض

نیل السعادة ـــــــــ ۴

(البحر الرائق ص۹۹ ج۲)

وقال الشیخ زین الدین ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ والاعادة فعل مثله فی وقته لخلل غیر الفساد وعدم صحة الشروع وهو المراد بقولهم کل صلاة ادیت مع کراهة التحریم فسبیلها الاعادة فکانت واجبة فلذا دخلت فی المأمور به

(البحر الرائق ص۹۹ ج۲)

وقال ملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالیٰ فان کان المتروک فرضا تفسد الصلوٰة وان کان واجبا لا تفسد ولکن تنتقص وتدخل فی حد الکراهة۔

(بدائع الصنائع ص۱۶۴ ج۱)

وقال العلامة الحلبی رحمه الله تعالیٰ فی الشرح الکبیر ومن المشایخ من قال یلزمه ان یعید ویکون الفرض هو الثانی والمختار ان الفرض هو الاول والثانی جبر للخلل الواقع فیه بترک الواجب قال الشیخ کمال الدین ابن الهمام لا اشکال فی وجوب الاعادة اذ هو الحکم فی کل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم ویکون جابرا للاول لان الفرض لا یتکرر وجعله الثانی یقتضی عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترک الفرض لا الواجب انتهی (الشرح الکبیر ص۴۵۳)

وقال فی العلائیة وکذا کل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها والمختار انه جابر للاول لان الفرض لا یتکرر وقال فی الحاشیة (قوله والمختار انه) ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالاول یخرج عن العهدة وان کان علی وجه الکراهة علی الاصح کذا فی شرح الاکمل علی اصول البزدوی ومقابله ما نقلوه عن ابی الیسر من ان الفرض هو الثانی واختار ابن الهمام الاول قال لان الفرض لا یتکرر وجعله الثانی یقتضی عدم سقوطه بالاول اذ هو لازم ترک الرکن لا الواجب الا ان یقال المراد ان ذلک امتنان من الله تعالیٰ اذ یحتسب الکامل وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سیوقعه اھ یعنی ان القول بکون الفرض هو الثانی یلزم علیه تکرار الفرض لان کون الفرض هو الثانی دون الاول یلزم منه عدم سقوطه بالاول ولیس کذلک لان عدم سقوطه بالاول انما یکون بترک فرض لا بترک واجب وحیث استکمل الاول فرائضه لا شک فی

كونه جزءا في الحكم وسقوط الفرض به وإن كان ناقصا بترك الواجب فإذا كان الثاني فرضا يلزم منه تكرار الفرض إلا أن يقال الخ وتمامه (رد المحتار ص [illegible] ج۱)

وفي الرد المحتار في باب قضاء الفوائت: والإعادة فعل مثله في وقته لخلل غير الفساد، وقولهم كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تعاد أي وجوبا في الوقت وأما بعده فندبا. قال ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله في وقته) ثم اعلم أن ما ذكره هنا في تعريف الإعادة هو ما مشى عليه في التحرير وذكر شارحه أن التقييد بالوقت قول البعض وإلا فعند المحققين الإعادة في عرف الشرع إتيان بمثل الفعل الأول على صفة الكمال بأن وجب على المكلف فعل موصوف بصفة الكمال فأداه على وجه النقصان وهو نقصان فاحش يجب عليه الإعادة وهو إتيان مثل الأول ذاتا مع صفة الكمال اهـ (ثم قال بعد أسطر) وإن كان على وجه الكراهة على الأصح فالفعل الثاني بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو اهـ ثم قال تحت (قوله أي وجوبا في الوقت) وقال في شرح التحرير وهل تكون الإعادة واجبة فصرح غير واحد من شراح أصول فخر الإسلام بأنها ليست بواجبة وأنه بالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح وأن الثاني بمنزلة الجبر والأوجه الوجوب كما أشار إليه في الهداية وصرح به النسفي في شرح المنار وهو موافق لما عن السرخسي وأبي اليسر من ترك الاعتدال تلزمه الإعادة وزاد أبو اليسر ويكون الفرض هو الثاني وقال شيخنا المصنف يعني ابن الهمام لا إشكال في وجوب الإعادة إذ هو الحكم في كل صلاة أديت مع كراهة التحريم ويكون جابرا للأول لأن الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالأول وهو لازم ترك الركن لا الواجب إلا أن يقال الخ (ثم قال) ومن هنا يظهر أنا إذا قلنا الفرض هو الأول فالإعادة قسم غير الأداء والقضاء وإن قلنا الثاني فمن أحدهما اهـ أقول فتلخص من هذا كله أن الأرجح وجوب الإعادة (إلى أن قال) وقد نقل الخير الرملي في حاشية البحر عن خط العلامة المقدسي أن ما ذكره في البحر يجب أن لا يعتمد عليه لإطلاق قولهم كل صلاة أديت مع الكراهة سبيلها الإعادة اهـ قلت أي لأنه يشمل وجوبها في الوقت وبعده أي بناء على أن الإعادة لا تختص

بالوقت وظاهر ما قدمناه عن شرح التحرير ترجيحه وقد علمت ايضا ترجيح القول بالوجوب فيكون المرجح وجوب الاعادة في الوقت وبعده ويشير اليه ما قدمناه عن الميزان من قوله يجب عليه الاعادة وهو الاتيان بمثل الاول ذاتا مع صفة الكمال اى كمال ما نقصه منها وذلك يعم وجوب الاتيان بها كاملة في الوقت وبعده كما مر وقال ايضا تحت (تنبيه) ويؤخذ من لفظ الاعادة ومن تعريفها بما مر انه ينوى بالثانية الفرض لان ما فعل اولا هو الفرض فاعادته فعله ثانيا اما على القول بان الفرض يسقط بالثانية فظاهر واما على القول الآخر فلان المقصود من تكرارها ثانيا جبر نقصان الاولى فالاولى فرض ناقص والثانية فرض كامل مثل الاولى ذاتا مع زيادة وصف الكمال ولو كانت الثانية نفلا لزم ان تجب القراءة في ركعاتها الاربع وان لا تشرع الجماعة فيها ولم يذكروه ولا يلزم من كونها فرضا عدم سقوط الفرض بالاولى لان المراد انها تكون فرضا بعد الوقوع اما قبله فالفرض هو الاولى وحاصله توقف الحكم بفرضية الاولى على عدم الاعادة وله نظائر كسلام من عليه سجود السهو يخرجه خروجا موقوفا وكفساد الوقتية مع تذكر الفائتة كما سيأتى وكتوقف الحكم بفرضية المغرب في طريق المزدلفة على عدم اعادتها قبل الفجر وبهذا ظهر التوفيق بين القولين وان الخلاف بينهما لفظى لان القائل ايضا بان الفرض هو الثانية اراد به بعد الوقوع والا لزم الحكم ببطلان الاولى بتركه ما ليس بركن ولا شرط كما مر عن الفتح ولزم ايضا انه يلزمه الترتيب في الثانية لو تذكر فائتة ولا اظن انه يقول بذلك احد ونظير ذلك القراءة في الصلوة فان الفرض منها آية والثلاث واجبة والزائد سنة وما ذاك الا بالنظر الى ما قبل الوقوع بدليل انه لو قرأ القرآن كله يقع الكل فرضا وكذا لو اطال القيام او الركوع او السجود وهذا غاية ما ظهر لى من فتح الملك الوهاب فاغتنمه فانه من مفردات هذا الكتاب والله تعالى اعلم بالصواب (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱)

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی منقولہ عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ صلوۃ معادہ قبل الایقاع واجب ہے اور بعد الایقاع فرض ہے۔

اعرابی تارک اعتدال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فصل فانک لم تصل بھی اس پر دلیل ہے کہ صلوٰۃ معادہ فرض ہے۔ آپ نے صلوٰۃ اولیٰ کو غیر معتبر قرار دیکر صلوٰۃ ثانیہ کا امر فرمایا، اور اسے معتبر قرار دیا۔ قول مذکور کی ترجیح کے علاوہ اسے صورت تطبیق بھی قرار دیا جاسکتا ہے غیر واجب، واجب اور فرض کے اقوال میں تطبیق عبارات بالا میں گزر چکی ہے۔ باقی رہا قول نفل سو اسمیں نفل بمعنی واجب لیا جاسکتا ہے چنانچہ وتر کو باب نوافل میں ذکر کیا جاتا ہے اور کراہت جماعت فی غیر رمضان ووجوب القراءۃ فی جمیع الرکعات وغیرہ احکام میں بھی بحکم نوافل ہے خصوصاً واجب بایجاب العبد پر نفل کا اطلاق عام ہے کالصلوٰۃ المنذورۃ ورکعتی الطواف، چونکہ صلوٰۃ معادہ کا وجوب بھی بفعل العبد ہے اسلئے اس واجب کو اصطلاح میں نفل ہی سے تعبیر کیا جائیگا، غرضیکہ صورت ترجیح وتطبیق دونوں کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صلوٰۃ اولیٰ فرض ناقص ہے اور صلوٰۃ معادہ بھی فرض مثل اولیٰ مع زیادۃ صفۃ الکمال ہے، اسلئے نو واردوں کی اقتداء صحیح ہوگی۔

"الفرض لایتکرر" کا جواب یہ ہے کہ فرض کامل کا تکرار جائز نہیں لانہ یراد بالمطلق الفرد الکامل

تعقیب:

مجیب اول نے جو قبل الاعادہ پڑھی ہوئی نماز کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ "اور جب اعادہ ہوگیا تو یہ فرض محول الی النفل ہوگئے" اسمیں تأمل ہے۔ اسلئے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرما دی ہے کہ صلوٰۃ معادہ مثل اولیٰ ہے مع صفۃ زیادۃ الکمال، پس اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اعادہ کے بعد صلوٰۃ اولیٰ نفل ہوجائیگی تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ صلوٰۃ معادہ جو مثل اولیٰ ہے وہ بھی نفل ہو، مجیب نے جو مثال پیش کی ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہو تو فرضیت کا بطلان ہوکر عند الامام وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نفلیت باقی رہ جاتی ہے یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جمعہ کے روز ظہر کا حکم عند العجز او التخلف ہے۔ جب جمعہ پڑھ لیا تو عجز و تخلف کا تحقق ہی نہیں ہوا اسلئے صلوٰۃ جمعہ ہی کی صحت کا حکم ہوا اور جو نماز ظہر کی نیت سے پڑھی تھی وہ نفل ہوگئی نیز یہاں دو الگ الگ نمازیں ہیں اور صلوٰۃ معادہ میں ایک ہی نماز کا اعادہ ہوتا ہے لہٰذا قیاس مع الفارق ہے۔ مجیب نے آگے چلکر خود مؤداۃ بالفعل الاول والثانی کو متحد بالذات قرار دیا ہے اور صلوٰۃ اولیٰ کو نفل قرار دینے سے اول وثانی میں اتحاد بالذات نہیں رہتا۔ فافہم وتدبر

مجیب ثانی کا صلوٰۃ اولیٰ اور صلوٰۃ معادہ دونوں کی فرضیت کے قول میں علامہ شامی

رحمہ اللہ تعالیٰ کو منفرد قرار دینا، اور اس پر علامہ شامی کے قول ھذا ما تحرر لی الخ سے استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ پوری تحقیق سے متعلق نہیں بلکہ آخر بحث میں جو صورت تطبیق بیان فرمائی ہے اس سے متعلق ہے۔ چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار اور منحۃ الخالق میں، اور علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیری میں فرضیت ثانیہ سے متعلق کئی حضرات کے قول نقل فرمائے ہیں، اس لئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علامہ شامی خود ایک چیز کو متعدد لوگوں کی طرف سے حکایۃً ذکر فرمائیں اور پھر یہ فرمائیں کہ یہ میرے تفردات میں سے ہے۔

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقات فقہیہ میں آپ کے تبحر و تعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے، مسئلہ زیر بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال: بعد از خروج وقت جبر نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است والاصح الوجوب کما فی مسائل شتی من شرح المنیۃ۔

سوال: در جبر نقصان نماز مغرب و وتر اگر سہواً بر سر رکعت ثانیہ نشست چہ کند، سجود سہو یا جبر باز گردند؟

جواب: باز گردند۔ (بیاض ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفوائت ص ۱۳۱)

خلاصہ

صلوۃ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح واوسع ہے اور قول عدم صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو واردہ مقتدیوں کے لئے یہ علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ، لہٰذا ایسی صورتوں میں قول عدم صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے، البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالاحوط اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۴ رجب سنہ ۹۹ ہجری

تکمیل استفادہ ----

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

المشکوٰۃ
لمسألۃ المحاذاۃ

اگر نماز باجماعت میں عورت مرد کے ساتھ یا اس سے آگے کھڑی ہو جائے اور امام نے عورت کی نیت کی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہوتی، مگر حرمین شریفین میں ہر وقت جماعت بعض عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں اسے مردوں کی مشکل ہے کہ صف بنا سکتی ہیں! اس صورت میں مردوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نماز باجماعت کیسے ادا کریں اور ابتلاء عام کے پیش نظر اس سے متعلق سوال کے جواب میں خصوصی توجہ و تحقیق اور مردوں کی نماز کو فساد سے بچانے کی بہتر صورت پر غور کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور بحمدہ تعالیٰ اس کا حل مل گیا، جو رسالہ زیر نظر میں درج ہے!

حرمین شریفین میں عورتوں کی محاذاۃ کا حل

سوال : حرمین شریفین میں عام طور پر عورتیں مَردوں کی صف میں شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں

(۱) اگر امام نے امامتِ نساء کی نیت نہیں کی تو کسی عورت کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی خواہ وہ مردوں کی صف میں شامل ہو یا مَردوں سے الگ عورتوں کے لئے مخصوص جگہ میں ہو۔

(۲) اگر امام نے امامتِ نساء کی نیت کی ہو تو اس عورت کے محاذی دونوں جانب اور اس کے پیچھے بالکل سیدھ میں کھڑے ہونے والے مَردوں کی نماز فاسد ہوگی۔

(۳) اگر عورتیں تین سے زیادہ ایک صف میں کھڑی ہوگئیں تو ان کے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں بھی ہونگی کسی کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ صفیں اسی جہت میں ہوں یا خانہ کعبہ کی دوسری جہات میں ہوں، نیز یہ اشکال صرف اس صورت میں نہیں کہ تین سے زائد عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوں بلکہ جو عورتیں الگ مخصوص مکان میں کھڑی ہوتی ہیں ان کے پیچھے بھی مسجد سے باہر مَردوں کی صفیں بن جاتی ہیں ان سب کی نماز بھی صحیح نہ ہونا چاہیئے۔

ان جملہ اشکالات کا حل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، مسئلہ کی اہمیت، ابتلاء عام اور حرمین شریفین کی مقدس ہستیوں کی حفاظت کے پیش نظر پوری تحقیق اور مسئلہ کے ہر پہلو سے وضاحت فرما کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا فرمائیں۔ والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً متعلقہ عبارات تحریر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام لکھے جائیں گے۔

(۱) قال فی التنویر واذا حاذته ولو بعضو واحد وخصه الزیلعی بالساق والکعب. (الشرح) امرأة مشتهاة ولا حائل بینهما اقله قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجة تسع رجلا (الشرح) فی صلاة مطلقة مشترکة تحریمة واداء واتحدت الجهة فسدت صلاته ان نوی الامام وقت شروعه لا بعده (الشرح) امامتها والا فسدت صلاتها (ردالمحتار ج ۱)

(۲) قال ابن عابدین رحمه الله تعالی (قوله وخصه الزیلعی الخ) حیث قال المعتبر فی المحاذاة الساق والکعب فی الاصح وبعضهم اعتبر القدم اه فعلی قول البعض لو

تأخرت عن الرجل ببعض القدم تفسد وإن كان ساقها وكعبها متأخرا عن ساقه وكعبه وعلى الأعم لا تفسد وإن كان بعض قدمها محاذيا لبعض قدمه بأن كان أصابع قدمها عند كعبه مثلا تأمل هذا ومقتضى قوله وخصه الزيلعي أن قوله ولو بعضو واحد خارج عما ذكره الزيلعي فيكون قولا ثالثا في المسألة كما فهمه في البحر وظاهر كلام الزيلعي أنه ليس في المسألة قول ثالث وإلا لذكره بل المراد بالعضو من المرأة قدمها ومن الرجل أي عضو كان على ما صرح به في النهاية ونصه وشرطنا المحاذاة مطلقا لتتناول كل الأعضاء أو بعضها فإنه ذكر في الخلاصة معزوا إلى فوائد القاضي أبي علي النسفي رحمه الله تعالى المحاذاة أن يحاذي عضو منها عضوا من الرجل حتى لو كانت المرأة على الظلة ورجل بحذائها أسفل منها إن كان يحاذي الرجل شيئا منها تفسد صلاته وإنما عينت هذه الصورة لتكون قدم المرأة محاذية للرجل لأن المراد بقوله أن يحاذي عضو منها هو قدم المرأة لا غير فإن محاذاة غير قدمها بشيء من الرجل لا يوجب فساد صلاته نص على هذا في فتاوى الإمام قاضيخان في أواسط فصل من يصح الاقتداء به ومن لا يصح وقال المرأة إذا صلت مع زوجها في البيت إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة وإن كان قدماها خلف قدم الزوج إلا أنها طويلة تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما لأن العبرة للقدم ألا ترى أن صيد الحرم إذا كان رجلاه خارج الحرم ورأسه في الحرم يحل أخذه وإن كان على العكس لا يحل انتهى كلام النهاية ونقله في المعراج وأقره وفي القهستاني المحاذاة أن تساوي قدم المرأة شيئا من أعضاء الرجل فالقدم مأخوذة في مفهومها على ما نقل عن المطرزي فمساواة غير قدمها العضو غير مفسدة اهـ فقد ثبت بما ذكرناه وجود المحاذاة بالقدم في مسألة الظلة المذكورة خلافا لما زعمه في البحر وأنه لا فرق بين التعبير بالعضو وبالقدم خلافا لما زعمه في البحر أيضا وأنه لو اقتدت به متأخرة عنه بقدمها صحت صلاتهما وإن لزم منه محاذاة بعض أعضائها لقدمه أو غيره في حالة الركوع أو السجود لأن المانع ليس محاذاة أي عضو منها لأي عضو منه ولا المحاذاة قدمه لأي عضو منها بل المانع محاذاة قدمها فقط لأي عضو منه (رد المحتار ص۵۳۵ ج ۱)

(۳) قال في الشامية تحت (قوله أو فرجة تسع رجلا) قال في شرحه ولو قامت

وسط الصف تفسد صلوٰة واحد عن يمينها وواحد عن يسارها وواحد خلفها بازائها دون الباقين فقد شرط ان يكون من خلفها محاذيا لها للاحتراز عن وجود الفرجة وكذا صرح به الزيلعي والحاكم الشهيد اه ملخصا وقدمنا نحوه قريبا عن النهر وافاد في النهر ايضا ان اشتراط المحاذاة للفساد ليس خاصا بتقدم المرأة الواحدة بل الصف من النساء كذلك اي بحيث لو يحاذهن صفوف الرجال فلا فساد والحاصل ان المراد من افساد صلاة من خلفها ان يكون محاذيا لها من خلفها اي بان يكون مسامتا لها غير منحرف عنها يمنة او يسرة فتأمل مقام الرجل لا مطلق كونه خلفها. (رد المحتار ص۵۹۲ ج۱)

(۴) قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله مراد البحر من تعيين المحل) ونحوه افادة ما ذكرنا على ان مراد صاحب البحر[عه] ما ذكره ابن عابدين لا يندفع به الاشكال بخلافه على ما ذكره المحشي والحاسم لمادة الاشكال ان يقال ان التقدم مفسد آخر ولو مع وجود فرجة ويمنع صحة اقتداء الرجل كالنهر الفاصل والطريق فكما انهم لم يجعلوا الفرجة معتبرة في مسألة النهر مثلا فكذلك في مسألة تقدم المرأة اه (التحرير المختار ص۷۳ ج۱)

(۵) قال في الشامية تحت (قوله فسدت صلاتها) وظاهر عود الضمير في صلاتها على المرأة المحاذية اي للامام او مقتدٍ انها لو اقتدت غير محاذية لاحد تصح اقتداؤها وان لم ينوها الا اذا نوى امامة النساء كما في القهستاني وحينئذ فلا يشترط لصحة اقتداء المرأة نية الامام امامتها الا اذا كانت محاذية والا فلا يشترط لكن قدم المصنف في بحث النية ان فيه اختلافا وقدمنا هناك عن الحلية انه يشترط ان لا تتقدم بعد ان تحاذي احدا من امام او مأموم فان تقدمت وحاذت لا يبقى اقتداؤها ولا تتم صلاتها اه وذكر في النهاية هنا ايضا ان هذا قول ابي حنيفة الاول وظاهره ان قوله الاخير اشتراط النية مطلقا والعمل على المتأخر كما لا يخفى ولهذا اطلق في متن المختار قوله ولا تدخل المرأة في صلوٰة الرجال الا ان ينويها الامام ومثله في متن المجمع (رد المحتار ص۵۳۵ ج۱)

(٦) قال في العلائية ولا ينوها فسدت صلاتها كما لو اشارا اليها بالتأخير فلم تتأخر لتركها فرض المقام وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله كما لو اشار) شامل

عه كذا في الاصل ولعل الصحيح الرد على صاحب البحر على ان ۱۲ رشيد احمد

الشكوٰة ——— ٣

الیها بالتاخیراہ قال فی الفتح وفی الذخیرۃ وانما یلزمھا التاخر اذا حاذتہ بعدما شرع ونوی امامتھا فلا یمکنہ التاخیر بالتقدم خطوۃ او خطوتین للکراھۃ فی ذلک فتاخیرھا بالاشارۃ وما اشبہ ذلک فاذا فعل فقد اخر فیلزمھا التاخر فان لم تفعل فقد ترکت حینئذ فرض المقام فتفسد صلاتھا دونہ اھ واستفید من قولہ بعدما شرع انھا لو حضرت قبل شروعہ ونوی امامتھا محاذیۃ لھا وقد اشار الیھا بالتاخر تفسد صلاتہ فالاشارۃ بالتاخر انما تنفع اذا حضرت بعد الشروع ناویا امامتھا قال ط والظاہر ان الامام لیس بقید فلو حاذت المقتدی بعد الشروع واشار الیھا بالتاخر ولم تتاخر فسدت صلاتھا دونہ۔

(رد المحتار ص ۴۲۹ ج ۱)

④ قال فی العلائیۃ ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل قدر ذراع او ارتفاعھن قدر قامۃ الرجل مفتاح السعادۃ وفی الشامیۃ (قولہ صف من النساء) المراد بہ ما زاد علی ثلاث نسوۃ فانہ یمنع اقتداء جمیع من خلفہ والا ففیہ تفصیل بالتفصیل ما ذکرنا حاصلہ عن البحر وھو ما اتفقوا علی نقلہ عن اصحابنا من ان المرأۃ الواحدۃ تفسد صلاۃ رجلین من جانبیھا ورجل خلفھا والثنتین صلاۃ اثنین من جانبیھما واثنین خلفھما والثلاث صلاۃ اثنین من جانبیھن وصلاۃ ثلاثۃ ثلاثۃ من خلفھن الی آخر الصفوف ولو کان صف من النساء بین الرجال والامام لا یصح اقتداء الرجال بالامام ویجعل حائلا اھ ایضا فیھا قدمت (قولہ بلا حائل) ومفھومہ انہ اذا کان صف النساء امام صف الرجال یمنع الا اذا کانت احدی الصفین علی حائط مرتفع قدر قامۃ او کان بینھما حائل مقدار مؤخر رحل البعیر او خشبۃ منصوبۃ او حائط قدر ذراع وھذا مخالف لما فی الخانیۃ والبحر وغیرھما وھو قوم صلوا علی ظھر ظلۃ فی المسجد وبحذائھم من تحتھم نساء اجزأتھم صلاتھم لعدم اتحاد المکان بخلاف ما اذا کان قدامھم نساء فانھا فاسدۃ لانہ تخلل بینھم وبین الامام صف من النساء وھو مانع من الاقتداء اھ وفی الولوالجیۃ قوم صلوا علی ظھر ظلۃ المسجد وتحتھم قدامھم نساء لا تجزیھم صلاتھم لانہ تخلل صف من النساء فیمنع اقتداءھم وکذا الطریق اھ فھذا باطلاقہ صریح بان الارتفاع غیر معتبر فی صف النساء وفی المعراج عن المبسوط فان کان صف تام من النساء وراءھن صفوف الرجال فسدت تلک الصفوف کلھا استحسانا

الشکوۃ

ــــــــــــــ ۵

والقياس ان لا تفسد الا صلاة صف واحد ولكن استحسن لحديث عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعا وموقوفا عليه من كان بينه وبين الامام نهر او طريق او صف من النساء فلا صلاة له اه فهذا صريح في ان الحائل غير معتبر في صف النساء والا لفسدت صلاة الصف الاول من الرجال فقط لكونه صار حائلا بين من خلفه وبين صف النساء كما هو القياس فظهر ان ما ذكره الشارح من اشتراط الحائل او الارتفاع انما هو فيما دون الصف التام من النساء كالواحدة والثنتين اه اما الصف فهو خارج عن القياس اثباتا للاثر هذا ما ظهر فتدبر والله اعلم

(رد المحتار ص۳۹۵ ج ۱)

(۸) قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله فانه يفسد صلاة جميع من خلفها الخ) تقدم عن النهر ان اشتراط المحاذاة للفساد ليس خاصا بتقدم المرأة الواحدة بل الصف من النساء كذلك اي بحيث لو حاذت من صفوف الرجال فلا فساد اه (التحرير المختار ص۷۲ ج ۱)

(۹) قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله فهذا صريح في ان الحائل غير معتبر الخ) هو صريح في ان الصف الاول من الرجال لا يعد حائلا ولا يمكن ان يقال غيره من الحوائل مثله لنقل اهل المذهب ان الحائل يمنع الفساد كعبارة مفتاح السعادة وما نقله ط عن ابي السعود في اول مسألة المحاذاة بقوله ولو كان وراءهن حائط خلفه صفوف لا تفسد صلاة غيرهن اذ ليس ولو كان وراءهن صف من الرجال لشمول الحائط ثم الصفوف فسدت صلاة الكل اه وحينئذ يقيد اطلاق ما في الخانية وغيرها بما في مفتاح السعادة (التحرير المختار ص۷۲ ج ۱)

(۱۰) قال عبد الرحمن الجزيري الحنابلة - قالوا يشترط ان ينوي الامام الامامة في كل صلوة وتكون نية الامامة في اول الصلوة الخ (الفقه على المذاهب الاربعة ص۴۲۱ ج ۱)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو تو

(۱) اگر ایک یا دو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو گئیں تو ان عورتوں کی نماز ہو جائے گی مگر ان کی دونوں جانب متصل اور پیچھے سیدھ میں صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہ ہوگی (العبارۃ الثالثۃ والسابعۃ)

الشکوۃ ——— ۶

البتہ اگر عورت اور مرد کے درمیان ایک شخص کے کھڑے ہونے کی جگہ خالی ہو یا ایک ہاتھ لمبا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کھڑا کر لیا جائے یا تصحیح زیلعی کے مطابق عورت کی پنڈلی اور تحفۃ اور نہایہ، خلاصہ، نسفی، خانیہ، سراج، قہستانی اور معراج وغیرہ کے اختیار کے مطابق عورت کا پورا پاؤں مرد کے پاؤں سے پیچھے ہو تو مرد کی نماز ہو جائے گی۔ شامی رحمہ اللہ کی تحریر سے دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے (العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ)

اگر مرد کے پاؤں عورت کے پاؤں سے بلند ہوں تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، البتہ عبارت ثانیہ میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس صورت میں بھی مرد کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

صحت صلوۃ رجل کی مذکورہ بالا سب صورتیں اس مرد کے لئے ہیں جو عورت کی دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو، عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کے لئے بھی کوئی سترہ وغیرہ مفید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تصریح کہیں نہیں ملی، بظاہر اس کا فیصلہ اس پر موقوف ہے کہ عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کی نماز صحیح نہ ہونے کی علت محاذاۃ ہے یا کہ عورت کا تقدم؟

اگر محاذاۃ کو علت قرار دیا جائے تو عورت کی جانبین میں کھڑے ہونے والے مرد کی طرح یہاں بھی ایک ہاتھ اونچا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کافی ہو جانا چاہئے۔ مگر قول محاذاۃ پر کئی اشکالات ہیں۔ ولذلک قال المحشی والاسلم لمادۃ الاشکال ان یقال ان التقدم مفسد الخ (العبارۃ الرابعۃ)

نیز محاذاۃ کے عرفی معنی کے مطابق بھی قول محاذاۃ صحیح معلوم نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں عدم صحت کی علت محاذاۃ نہیں بلکہ عورت کا تقدم ہے اسلئے صرف ایک انگل موٹا سترہ کافی نہ ہوگا۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کی صف کے پیچھے حائل ہونے کی صورتیں اختلاف کی جو تفصیل ۲ میں آ رہی ہے کیا یہاں ایک یا دو عورتوں کے تقدم کی صورت میں بھی وہی اختلاف ہوگا؟ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تقدم صف نساء کی بنسبت ایک یا دو عورتوں کا تقدم اہون ہے۔ چنانچہ تقدم صف نساء آخر صفوف تک مؤثر ہے اور ایک یا دو عورتوں کا تقدم صرف ایک صف تک، اسلئے ۲ میں مذکور تفصیل کے مطابق حائل یا بلندی کی موجودگی میں بالاتفاق صحت نماز کا حکم ہونا چاہئے شامی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے (العبارۃ السابعۃ)

الشکوٰۃ ـــــــــ ۷

(۲) مرد نے نماز شروع کر دی اس کے بعد کوئی عورت اسکی محاذات میں کھڑی ہو گئی اور مرد نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا مگر وہ نہ ہٹی تو مرد کی نماز ہو جائے گی عورت کی نہیں ہوگی۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے قبل مرد نے عورت کو پیچھے ہٹنے کو کہا اور وہ نہ ہٹی اس کے باوجود مرد نے اسی حالت میں نماز شروع کر دی تو مرد کی نماز نہیں ہوئی عورت کی ہو گئی۔

(الحیلة الناجزة ص)

(۳) تین سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے سیدھ میں آخر صفوف تک کھڑے ہونے والے مردوں میں سے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ (الحیلة الناجزة)

عبارات سابقہ میں شامی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق تحریر ہے کہ چار عورتوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی پوری صفوف کی نماز نہ ہوگی یعنی ان مردوں کی نماز بھی نہیں ہوگی جو عورتوں کی سیدھ میں نہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ تین اور تین سے زائد عورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں، جس طرح تین عورتوں کی صف صرف ان مردوں کی اقتداء کے لئے مانع ہے جو ان کے پیچھے انکی سیدھ میں ہیں اسی طرح چار یا اس سے بھی زیادہ عورتوں کی صف بھی صرف انکے پیچھے انکی سیدھ میں کھڑے ہونے والوں کی اقتداء کے لئے مانع ہے جو مرد انکی سیدھ میں نہیں انکی نماز ہو جائیگی۔

(الحیلة الناجزة)

شامی رحمہ اللہ تعالی کو بحر کی عبارت سے اشتباہ ہوا ہے۔ بحر میں تین عورتوں کی محاذاۃ کا حکم بیان کرنے کے بعد یہ عبارت ہے "ولو کان صف من النساء بین الرجال والامام لا یصح اقتداء الرجال بالامام وجعل حائلا"۔ تین عورتوں کے حکم کے بعد صف نساء ذکر کرنے سے یہ شبہ ہوا کہ یہاں تین سے زیادہ عورتیں مراد ہیں اور "لا یصح اقتداء الرجال" کے اطلاق سے یہ سمجھے کہ جو مرد عورتوں کی سیدھ میں نہیں انکی اقتداء بھی صحیح نہیں۔

حالانکہ بحر کی عبارت کا یہ مطلب نہیں، حقیقت یہ ہے کہ بحر میں پہلے مردوں کی صف میں شامل ہونے والی عورتوں کا حکم بیان کیا ہے اس کے بعد "ولو کان صف من النساء" سے عورتوں کی مستقل صف کا حکم بتانا چاہتے ہیں خواہ یہ صف تین عورتوں کی ہو یا زیادہ کی، چونکہ عام طور پر سب صفوف طول میں برابر ہوتی ہیں اسلئے بظاہر مستقل صف

اور انکے پیچھے مردوں کی صف بھی آپس میں برابر ہونگی، اس بنا پر مردوں کی صف کے حکم میں تفصیل نہیں تحریر فرمائی، خصوصاً جبکہ تین عورتوں کے پیچھے کی صف میں تفصیل لکھی جا چکی ہے اسلئے دوبارہ اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، جب تین عورتوں کو بھی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صف قرار دیا ہے تو پھر تین اور چار میں فرق کیا ہے؟

غرضیکہ تین اور چار عورتوں میں فرق نہ معقول ہے اور نہ منقول اور نہ کسی عبارت بحر سے مفہوم، اسکے برعکس عدم الفرق معقول بھی ہے اور منقول بھی کما مرّ فی العبارۃ الثالثۃ والثامنۃ۔

علاوہ ازیں عورتوں کی صف کو طریق و نہر کے حکم میں بتایا گیا ہے اور یہ دونوں صف کے صرف اس حصہ کی اقتداء کے لئے مانع ہیں جو انکے پیچھے ہو دوسرے حصہ کے لئے مانع نہیں، مثلاً
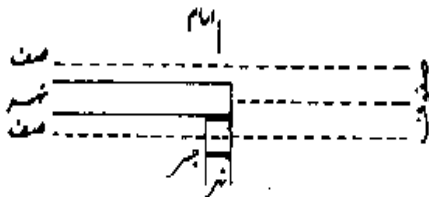
عورتوں کی صف کو بحکم طریق و نہر قرار دینے کے بعد ایک اور بحث سامنے آتی ہے وہ یہ کہ عورتوں کی صف کے پیچھے انکی سیدھ میں صف اول کے مردوں کی نماز تو بعلت تقدم المرأۃ یا بعلت محاذاۃ صحیح نہ ہوگی کما مرّ فی المرأۃ الثالثۃ فی صف الرجال، مگر دوسری اور تیسری صف کے لئے صحت اقتداء سے مانع تقدم صف نساء ہے جو بحکم طریق و نہر ہے۔ لہٰذا جب دوسری یا تیسری صف عورتوں کی سیدھ سے دائیں یا بائیں جانب بڑھی ہوئی ہو اور صف کے اس بڑھے ہوئے حصہ سے لیکر امام تک صفوف میں حقیقۃً یا حکماً اتصال موجود ہو یعنی اقتداء سے کوئی مانع نہ ہو جیسا کہ اوپر کے نقشہ میں ہے تو اس پوری صف کی نماز صحیح ہو جانا چاہئے، فلیحرر۔

(۴) عورتوں کی صف کے پیچھے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ اونچا کوئی حائل ہو اسکے پیچھے مردوں کی صف ہو یا مردوں کی صف عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو، ان دونوں صورتوں میں مردوں کی اقتداء کی صحت سے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف ہیں، مفتاح الصلوٰۃ اور درمختار میں قول صحت تحریر ہے۔ اور خانیہ، بحر، دوالجیہ وغیرہ میں صراحۃً اور معراج ومبسوط میں دلالۃً عدم صحت، اور طحطاوی نے ابو السعود سے قول صحت کی اصحیت نقل کی ہے جو نقل اقولین کو

منقطع ہے۔ شامی رحمہ اللہ نے قول عدم صحت اختیار کرکے منشاء السعادۃ اور درمختار کی عبارت کی تقیید کی ہے اور رافعی رحمہ اللہ نے قول صحت اختیار کرکے شامیہ وغیرہ کی عبارت کو مقید قرار دیا ہے۔

(العبارۃ السابعۃ والتاسعۃ)

غرضیکہ شامی اور رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں مختلف عبارات میں تطبیق کی کوشش کرنے کے باوجود آپس میں مختلف ہیں۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ میں غور کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں قول مستقل ہیں۔ شامی و رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے خیال کے مطابق دونوں اقوال میں سے کسی میں تقیید کی گنجائش نظر نہیں آتی، علاوہ ازیں طحطاوی کا ابوالسعود سے دونوں اقوال نقل کرنا اوپر گزر چکا ہے۔ لہذا دونوں اقوال میں تطبیق کی بجائے ترجیح کی ضرورت ہے۔

غور وفکر کے بعد عدم صحت کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ یہ قول اکثر ہے علاوہ ازیں قیاس علی الطریق والنہر کا بھی یہی مقتضیٰ ہے، اگرچہ ابوالسعود نے قول صحت کو اصح کہا ہے، واللہ اعلم۔

قول صحت میں شرط یہ ہے کہ حائل عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی پہلی صف کے آگے ہو۔ اگر مردوں کی پہلی صف کے سامنے کوئی حائل نہیں بلکہ دوسری یا تیسری صف کے سامنے ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی (العبارۃ الثامنۃ)

مردوں کی صف عورتوں کے سر سے بلند ہونے میں شرط مذکور کی صراحت نہیں بظاہر حائل اور بلندی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا لہذا اسمیں بھی وہی شرط ہوگی کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول بلندی پر ہو اگر صف اول نیچے ہے اور اسکے پیچھے کی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوتی۔

اگر امام عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے

⑤ جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوتی ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب میں اور پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی، عورت خواہ ایک ہو یا زیادہ عورتوں کی صف ہو۔ (العبارۃ الاولیٰ والسادسۃ)

اگر دو سے زیادہ عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوگئیں اور ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں کوئی مرد نہیں تو دونوں جانب سے محاذاۃ کی وجہ سے دو عورتوں کی نماز بالاتفاق نہیں ہوگی بیچ والی عورتوں کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، قاعدہ کے مطابق انکی نماز کی صحت میں بھی

ذہنی اختلاف ہوگا جو طے نہیں آ رہا ہے۔

(۶) جو عورتیں ننگے سر کھڑی ہوتی ہیں ان کی نماز صحیح ہوتی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ آخری قول یہ ہے کہ نماز نہیں ہوتی۔ یہی قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے
(العبارۃ الخامسۃ)

امام کے لئے امامتِ نساء کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ آپ کا آخری اور راجح قول یہ ہے کہ امامتِ نساء کی نیت ضروری ہے اگر امام نے عورتوں کی نیت نہ کی تو ان کی نماز نہ ہوگی، دوسرے ائمہ کے ہاں امامتِ نساء کی نیت شرط نہیں، عبارت عاشرہ میں حنابلہ کے ہاں مطلقاً نیتِ امامت کو ضروری قرار دیا ہے اس سے بالخصوص نیتِ امامتِ نساء کی شرطیت ثابت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے، مزید تثبت کے لئے بندہ نے اس بارے میں شیخ عبدالعزیز ابن باز سے استفتاء کیا انہوں نے جواب میں صراحۃً تحریر فرمایا ہے کہ ان کے ہاں نیتِ امامتِ نساء ضروری نہیں۔ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء کا فتویٰ بلفظہ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

رئاسۃ إدارات البحوث العلمیۃ والإفتاء والدعوۃ والإرشاد

فتوی رقم ۲۰۹۰ وتاریخ ۲۵/۱/۱۳۹۸ھ

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، وبعد:

فقد اطلعت اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء علی ما ورد إلی سماحۃ الرئیس العام من المستفتی رشید احمد والمحال إلی اللجنۃ من الأمانۃ العامۃ لهیئۃ کبار العلماء، والسؤال: إن النساء إذا صلین فی جماعۃ الرجال فهل تشترط لصحۃ اقتدائهن نیۃ الإمام إمامتهن بالخصوص، أم تکفی نیۃ الإمامۃ مطلقاً من غیر تفصیل بین الرجال والنساء، أو تلزم من الإمام نیۃ الإمامۃ مطلقاً؟

وبعد دراسۃ السؤال أجابت بما یلی:

نیۃ الإمام للإمامۃ کافیۃ للرجال والنساء الذین یصلون خلفه ولا داعی لإفراد

النساء بقية فتحصل بعد الإمام الذي يدل على ذلك. وقد كن يصلين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينقل أنه خصهن بنيته.

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	نائب رئيس اللجنة	الرئيس
عبد الله بن عبد الرحمن الغديان	عبد الرزاق عفيفي	عبد العزيز بن عبد الله بن باز

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ حرمین شریفین عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے، انکے مذہب میں نیت ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے بلکہ بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی رعایت سے متعلق کسی درخواست کی انکے ہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی لہٰذا امامت نساء کی نیت نہ کرنے کی صورت میں جو احکام اوپر بیان کئے گئے ہیں حرمین شریفین میں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

خلاصۂ تحقیق

اگر امام عورتوں کی نیت نہ کرے

حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے اسلئے جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوجاتی ہیں انکی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے کھڑے ہونیوالے مردوں کی نماز ہوجاتی ہے اگرچہ عورتیں تین یا اس سے بھی زیادہ ہوں۔

جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں انکی نماز بھی نہیں ہوتی مگر ایک قول چونکہ جواز کا بھی ہے اسلئے عورتوں پر حرمین شریفین میں جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کی قضاء واجب نہیں، البتہ قضاء کرلینا بہتر ہے، نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط کا یہی مقتضیٰ ہے۔

اگر امام عورتوں کی نیت کرے

اگر کبھی یہ ثابت ہوجائے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں تو عورتوں کی نماز بہرحال صحیح ہوجائیگی خواہ الگ کھڑی ہوں یا مردوں کے ساتھ۔

المشوة ـــــــ ۱۲ ـــــ

اگر مردوں کی صف میں ایک یا دو عورتیں کھڑی ہوئیں تو انکی دونوں جانب متصل اور انکے پیچھے سیدھ میں صرف صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہ ہوگی، دوسری تیسری صف والوں کی ہو جائے گی۔

بوقت اختلاط دائیں اور بائیں جانب والے مرد اپنی نماز کی یوں حفاظت کر سکتے ہیں کہ اپنے اور عورت کے درمیان ایک ہاتھ اونچی اور ایک انگلی کے برابر موٹی کوئی چھڑی وغیرہ گاڑ لیں یا اتنا آگے بڑھ کر کھڑے ہوں کہ عورت کے پاؤں کی انگلیاں مرد کی ایڑی سے پیچھے رہ جائیں یا پاؤں کے نیچے کوئی چیز رکھ کر اتنے اونچے ہو جائیں کہ مرد کا پاؤں عورت کے ٹخنے سے اونچا ہو جائے اور زیلعی کی تعلیم کے مطابق یہ بھی کافی ہے کہ عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ مرد کی ایڑی سے پیچھے ہو اور عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی نماز تب صحیح ہوگی کہ اپنے سامنے اپنے پورے عرض میں ایک ہاتھ اونچا تختہ وغیرہ کھڑا کرے یا عورت کے سر سے زیادہ بلندی پر کھڑا ہو۔

اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں آخر صفوف تک کے مردوں کی نماز نہ ہوگی، مردوں کے ساتھ ہوں تو دائیں بائیں جانب والے مرد کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

اگر عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے ایک ہاتھ اونچا کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو تو مردوں کی نماز کی صحت مختلف فیہ ہے قول صحت اوسع اور قول عدم صحت راجح و احوط ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول بلندی پر ہو۔ اگر صف اول کے سامنے کوئی حائل نہیں بلکہ اس کے پیچھے والی کسی صف کے سامنے ہے یا پیچھے والی کوئی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

ازالۂ اشتباہات :

① دو مرا النجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء (ریاض) کی تحریر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ائمہ حرمین شریفین کے ہاں امامت نساء کی نیت ضروری نہیں، اس پر کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید وہ مذہب حنفی کی رعایت سے امامت نساء کی نیت کر لیتے ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت مذہب غیر کے اہتمام کی سعادت صرف حنفیہ کو حاصل ہے، غیر مقلدین اور ائمہ حرمین کی رعایت مذہب غیر سے بے اعتنائی بلکہ عمداً مخالفت عام مشہور و معروف ہے، معجلہ دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ان کے مذہب میں وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا واجب نہیں، صرف افضل ہے اور مذہب حنفی میں ناجائز ہے، بلکہ اس طرح وتر کو واجب ادا نہیں ہوتا، اسکا مقتضیٰ یہ تھا کہ رمضان میں جماعت وتر میں احناف کی رعایت سے دوسری رکعت پر سلام نہ پھیریں، مگر یہ لوگ دوسری رکعت پر لازماً سلام پھیرتے ہیں اور احناف کو علیحدہ جماعت کی بھی اجازت نہیں دی جاتی، بلکہ ان کو شرکت پر مجبور کیا جاتا ہے، فتنہ و فساد اور احناف کی نماز کی بربادی قبول مگر رعایت مذہب غیر گوارا نہیں،

(۲) موسم حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں امام حج قصر کرتا ہے حالانکہ انکے نزدیک یہاں قصر واجب نہیں سنت ہے اور مذہب حنفی میں غیر مسافر کیلئے قصر جائز نہیں، اسکے باوجود امام قصر ہی کرتا ہے احناف کی نماز کی کوئی پرواہ نہیں، بندہ نے ایکبار امام حرم ابو السمح سے گزارش کی کہ آپ گاڑی پر بقدر مسافت سفر چکر لگا کر عرفات پہنچیں تو میں بھی آپ کی اقتداء میں نماز کا شرف حاصل کر سکوں مگر وہ اسا ایثار پر بھی تیار نہ ہوئے جس میں ان کا ذرہ بھر بھی کوئی حرج نہ تھا۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ ائمہ حرمین عدم امامت نساء کی نیت نہیں کرتے، دو صحت صلوٰۃ نساء کے لئے اتنا کافی ہے، یہ خیال صحیح نہیں، شامیہ میں اس کی تصریح تحریر ہے کہ نیت امامت کی نفی نہ کرنا کافی نہیں بلکہ ایجاداً نیت امامت ضروری ہے،

(۴) بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ امام کو یہ علم ہوتا ہی ہے کہ عورتیں اس کی اقتداء کر رہی ہیں بس یہی کافی ہے، یہ خیال بھی صحیح نہیں، امام کو اقتداء نساء کا علم کافی نہیں بلکہ امامت نساء کی نیت شرط ہے، علم و نیت میں فرق ظاہر ہے، قال فی التنویر لا (یشترط لصحة الاقتداء نیة) شرح (امامة المقتدی بل لو ام رجالا) وان ام نساء فان اقتدت به محاذیة لرجل فی غیر صلوٰة جنازة فلا بد لصحة صلاتها من نیة امامتها وان لم تقتد محاذیة اختلف فیه (رد المحتار ص ۳۹۱ ج ۱) نمبر سوم کے ساتھ اشتراط نیت کی بحث سے ثابت ہوا کہ علم اقتداء نیت کے قائم مقام نہیں، چنانچہ کسی منفرد کی کسی نے جہری نماز میں اقتداء کرلی اور اس کو علم بھی ہو گیا تو جب تک یہ نیت امامت نہیں کریگا اس پر جہر قراءت واجب نہ ہوگا،

تنبیہ: ائمہ حرمین کا نیت امامت نساء نہ کرنا ہی بہتر ہے اسلئے کہ اس صورت میں علیحدہ کھڑی ہونیوالی عورتوں کی نماز مشتبہ ہوتی جس سے احتراز ان عورتوں کے اختیار میں ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں جیسا کہ انکے لئے افضل بھی ہے اور نیت امامت نساء میں یہ فساد ہے کہ عورتوں کی محاذاۃ یا تقدم کی صورت میں مردوں کی نماز نہیں ہوتی اور اس سے احتراز بھی متعسر ہے، مردوں کی نماز حرم کو فساد سے بچانے کی فکر ہی اس تحریر میں محنت و کاوش کا محرک بنی، وفقنا اللہ لما یحب ویرضیٰ ولا حول ولا قوۃ الا به (اشکال وجواب تمت بعید)

۹ جمادی الآخرہ سنہ ۹۹ھ

الشکوٰۃ ـــــــ ۱۴

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اذا صلی صلوۃ اقبل علینا بوجھہ (رواہ البخاری)

انصراف الامام
الی
جہۃ الانام

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام نماز فجر وعصر کے بعد اوراد و وظائف اگر وہیں بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو اس کے لئے دائیں یا بائیں رخ کرنے کی بجائے مقتدیوں کی طرف رخ کرنا مسنون ہے۔

تنبیہ: اس تحریر میں کسی جگہ اوراد و ادعیہ اجتماعاً کا ذکر ہے، اس سے یہ تخیل ہے کہ صورۃ ہیئت اجتماعیہ جائز ہو، امام اور مقتدیوں کا باہم ارتباط بدعت ہے، اس کی مدلل تحقیق رسالہ زبدۃ الکلمات میں ہے۔ (نقل ثانی)

قادری

نماز فجر و عصر کے بعد انحراف امام کی ہیئت

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد امام دائیں جانب مڑ کر بیٹھے یا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر ؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دائیں جانب رخ کر کے بیٹھنا مستحب ہے اور مقتدیوں کی طرف استقبال خلاف استحباب ہے۔ کیا ان مولوی صاحب کا یہ خیال درست ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

احادیث ذیل سے استحباب تیامن کا شبہ ہو سکتا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ (رواہ مسلم)

وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجہہ (رواہ مسلم)

مگر ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے بلکہ شراح حدیث نے اس کے دوسرے مختلف مفہوم بیان فرمائے ہیں، چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث اول کی شرح میں فرماتے ہیں (کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ای احیانا (ینصرف) ای عن مصلاہ (عن یمینہ) فی شرح السنۃ روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال اذا کانت حاجتہ عن یمینہ اخذ عن یمینہ وان کانت عن یسارہ اخذ عن یسارہ فعلت اذا کان المصلی لہ حاجۃ ینصرف الی جانب حاجتہ فان استویا الجانبان فینصرف الی جانب شاء والیمین اولی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب التیامن فی کل شیء وکان یقبل علی الناس اذا اراد الخروج من المسجد بوجہہ من جانب یمینہ (مرقاۃ ص ۳۴۲ ج ۲)

اور دوسری حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں (یقبل علینا بوجہہ) ای عند السلام اولا قبل ان یقبل علی من علی یسارہ وقیل معناہ یقبل علینا عند الانصراف (مرقاۃ ص ۳۴۲ ج ۲)

حاصل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلی سے اٹھ کر گھر میں تشریف لیجاتے وقت اور مسجد ہی میں بیٹھنے کی صورت میں مقتدیوں کی طرف انحراف میں تیامن کو پسند فرماتے تھے یعنی دائیں جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے تھے نہ یہ کہ دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ البتہ بعض فقہاء رحمہم

تعالیٰ نے دوسری حدیث سے توجہ الی الیمین کا مفہوم بھی لیا ہے کما فی شرح المنیۃ وتفصیلہ ثم صفۃ جلسۃ الامام فهو مخیر ان شاء ینحرف عن یسارہ وجعل القبلۃ عن یمینہ وان شاء انحرف عن یمینہ وجعل القبلۃ عن یسارہ وهذا اولیٰ لما فی مسلم من حدیث البراء کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجہہ فان مفہومہ ان اقبالہ علیہم کان یبدأ بمن هو عن یمینہ وذلک انما یکون اذا کان المسجد عن یمینہ والقبلۃ عن یسارہ (کبیری ص۳۴۲) وفی مراقی الفلاح: ان الامام ینحرف عن یسارہ وجعل القبلۃ عن یسارہ وهذا اولیٰ لما فی مسلم کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجہہ الخ ملخصا۔ ان حضرات نے دوسرے مفہوم بھی ذکر فرمائے ہیں۔ چنانچہ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ مفہوم بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ وقیل معناہ حتی یقبل علینا بوجہہ قبل من هو عن یسارہ فیفید الانحراف عن یمینہ لانہ یجلس بعد بل یستقبلہم فی القعود بعد الانصراف عن یمینہ کما فی حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مسلم ایضا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ (الی قولہ) والمراد من الانصراف الالتفات عن جھۃ الصلوٰۃ وھی القبلۃ اعم من ان یجلس بعدہ اولا (کبیری ص۳۴۲)

غرضیکہ اس حدیث کے مفہوم میں مختلف احتمالات ہیں۔ پس اگر احیانا توجہ الی الیمین تسلیم بھی کر لی جائے تو اسکا جواز ثابت ہوا نہ کہ استحباب۔ آپ کی عام عادت شریفہ استقبال ماموین کی تھی۔ کما روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجہہ۔ قال العلامۃ القاری رحمہ اللہ تعالیٰ قال الاشرف والتحقیق ان معناہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فرغ من الصلوٰۃ استقبل المامومین (مرقاۃ ص۶۲ ج ۲)

کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ:

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اسی ہیئت پر قائم رہنا بدعت ہے۔ اسلئے امام اپنی ہیئت تبدیل کرے جس کی مختلف صورتیں ہیں، یعنی یا تو مصلی سے اٹھ کر چلا جائے یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ان کو ادا کرنے کے لئے مصلی سے آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں طرف ہٹ کر پڑھے۔ امام کے اسی ہیئت پر مستقبل قبلہ رہنے میں تو وارد کو افراد جماعت کا اشتباہ ہو سکتا ہے جو امام

کہ کوئی اقتداء کرلے اور اسکی نماز صحیح ہو اسلئے امام کا ہیئت سابقہ پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ قال العلامة
الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا فرغ الامام من الصلوٰۃ فلا یخلو اما ان کانت صلوٰۃ
لا تصلی بعدها سنة کالفجر والعصر فان شاء الامام قام وان شاء قعد فی مکانه یشتغل
بالدعاء لانه لا تطوع بعد هاتین الصلاتین فلا باس بالقعود الا انه یکره المکث علی
هیئته مستقبل القبلة لما روی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان النبی صلی اللہ علیه وسلم
کان اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یمکث فی مکانه الا مقدار ان یقول اللّٰهم انت السلام ومنك
السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام وروی جلوس الامام فی مصلاہ بعد الفراغ مستقبل
القبلة بدعة ولان مکثه یوهم الداخل انه فی الصلوٰۃ فیقتدی به فیفسد اقتداؤه فکان
المکث تعریضا لفساد اقتداء غیره به فلا یمکث ولکنه یستقبل القوم بوجهه ان شاء
ان لم یکن بحذائه احد یصلی لما روی ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان اذا فرغ من
صلاة الفجر استقبل بوجهه اصحابه وقال هل رأی احد منکم رؤیا کانه کان یطلب رؤیا
فیها بشری بفتح مکة فان کان بحذائه احد یصلی لا یستقبل القوم بوجهه لان استقبال
الصورة فی الصلوٰۃ مکروه لما روی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه رأی رجلا یصلی
الی وجه غیره فعلاهما بالدرة وقال للمصلی استقبل الصورة وللآخر استقبل المصلی
بوجهك وان شاء انحرف لان بالانحراف یزول الاشتباه کما یزول بالاستقبال ثم
اختلف المشائخ فی کیفیة الانحراف قال بعضهم ینحرف الی الیسار لیکون یساره الی
الیمین وقال بعضهم هو مخیر ان شاء انحرف یمنة وان شاء یسرة وهو الصحیح لان
ما هو المقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه یحصل بالامرین جمیعا وان
کانت صلوٰۃ بعدها سنة یکره له المکث قاعدا وکراهة مروية عن الصحابة رضی اللہ
تعالیٰ عنهم روی عن ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما انهما کانا اذا فرغا من الصلوٰۃ
قاما کانهما علی الرضف ولان المکث یوجب اشتباه الامر علی الداخل فلا یمکث ولکن
یقوم ویتنحی عن ذلك المکان ثم یتنفل لما روی عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ
عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال ایعجز احدکم اذا فرغ من صلوته ان
یتقدم او یتأخر وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه کره للامام ان یتنفل فی مکانه
الذی ام فیه ولان ذلك یؤدی الی اشتباه الامر علی الداخل فینبغی ان یتنحی ازالة

[illegible]

للاشتباه او استكثارا من شهوده على ما روي ان مكان المصلي يشهد له يوم القيامة
(بدائع الصنائع ص ج ۱)

غرضیکہ تبدیلِ ہیئت سے اصل مقصد ازالۂ اشتباہ ہے جو مذکورہ بالا سب صورتوں میں حاصل ہے اسلئے امام کا مصلیٰ سے اٹھ کر چلے جانا یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا فی نفسہٖ تحصیلِ مقصد کے لئے یہ سب صورتیں برابر ہیں، مگر بعض وجوہ کی بنا پر مقتدیوں کے استقبال کی صورت راجح ہے۔

وجوہِ ترجیح:

① حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادتِ مبارکہ استقبالِ مأمومین کی تھی کما ورد عن سمرة بن جندب رضي الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى صلوة اقبل علينا بوجهه (رواه البخاري)

ولما روي ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من صلوة الفجر استقبل بوجهه اصحابه الخ (بدائع الصنائع)

② قال في الهداية ويستقبل بوجهه اذا لم يكن بحذائه مسبوق فان كان ينحرف يمنة او يسرة والصيف والشتاء سواء هو الصحيح كذا في الخلاصة
(عالمگیریہ ص ۷۷ ج ۱)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اصل حکم استقبالِ مأمومین ہے اور دائیں یا بائیں طرف انحراف بحاذاۃِ مسبوق کے عارض کی حالت میں ہے۔ امداد الفتاوی میں فقہ حنبلی سے بھی صرف استقبالِ مأمومین کی صورت منقول ہے۔ ونصہ ویکرہ للامام استقبال القبلة بل يستقبل المأمومين لما تقدم انه ينحرف اليهم اذا سلم (امداد الفتاوی ص ۱۶۳ ج ۱)

③ تیامن وتیاسر میں بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت بن جاتی ہے جو حرمتِ مسلم کے خلاف ہے۔ استدبارِ کعبہ واستقبالِ مأمومین کی حکمت حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حرمتِ مسلم حرمتِ کعبہ سے زیادہ ہے۔ تیامن وتیاسر میں اگرچہ استدبار جیسی قباحت نہیں مگر کسی قدر صورتِ اعراض ضرور پائی جاتی ہے۔

④ شرعاً سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا رابطہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے سلام کے بعد کی مجلس عام مجالس کی طرح ہے اور عام مجلس میں تقابل کی بجائے کسی کا پہلو تہی اختیار کرنا

معیوب اور آداب مجلس کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

غرضیکہ تیامن سے استقبال اولیٰ و افضل ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں تیامن کی اولویت بیان فرمائی ہے وہ بنسبت تیاسر کے ہے۔ کما ھو ظاہر من عبارۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ استقبال تیامن سے بھی اولیٰ ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بوجوہ ذیل تیامن مکروہ اور بدعت ہے۔

① آجکل تیامن کا اس قدر التزام ہونے لگا ہے کہ اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے، حالانکہ امر مندوب بھی التزام کی وجہ سے مکروہ ہو جاتا ہے۔ قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ (متفق علیہ) قال الطیبی و فیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال (مرقاۃ ص۳۵۳ ج۲)

② اس زمانہ میں فرائض سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا سے فراغت تک امام اور مقتدی آپس میں رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ اوراد اور دعا میں اشتراک واجتماع کی صورت ہوتی ہے، مقتدیوں کے ساتھ اس تعلق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت نہ پائی جائے۔ کما لا یجوز الاعراض عن البعض فی صورۃ التعلیم قال فی اعلاء السنن شارحا لکیفیۃ انصرافہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا اراد تعلیم القوم استقبلہم جمیعا وجعل ظہرہ نحو القبلۃ ولا یجوز استعمال التعلیم فی الوجہین الاولین (التیامن والتیاسر) لان فیہما الاقبال علی البعض دون البعض وھذا یخالف ما ثبت فی حدیث الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عند الترمذی فی شمائلہ من عادتہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یعطی کل جلسائہ نصیبہ حتی لا یحسب جلیسہ ان احدا اکرم علیہ منہ (اعلاء السنن ص۱۶۱ ج۳)

③ اوراد و دعا میں مقتدیوں کے ساتھ اشتراک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مقتدیوں کی طرف رخ کیا جائے مگر اس کے باوجود تیامن کو ترجیح دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کسی مزید خصوصیت اور زیادہ ثواب کا عقیدہ ہے لہٰذا یہ عمل بدعت ہو جائے گا۔

اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اجتماعی دعا کا ذکر فرمایا ہے وہاں صرف صورت استقبال ہی بیان فرمائی ہے۔ تیامن و تیاسر کو ذکر نہیں فرمایا اور جہاں استقبال کے ساتھ تیامن و تیاسر مذکور ہے وہاں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں، قال العلامۃ الشرنبلالی رحمہ اللہ

تعالیٰ ویستحب للامام بعد سلامه ان یتحول الی یسارہ لتطوع بعد الفرض وان یستقبل بعدہ الناس یستغفرون اللہ ثلاثا ویقرؤون آیة الکرسی والمعوذات ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونه کذلک ویکبرونه کذلک ثم یقولون لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحون بها وجوههم فی آخرہ (نور الایضاح ص)

عبارت مذکورہ میں اجتماعی صورتیں اور دعا مذکور ہے اسلئے تیامن و تیاسر کی صورتیں بیان نہیں فرمائیں بلکہ صرف استقبال کا ذکر فرمایا ہے۔ مراقی الفلاح میں اس مقام پر تیامن تیاسر اور ذہاب بھی مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ ذہاب کی طرح تیامن و تیاسر بھی اس صورت میں ہے جبکہ امام و مقتدیوں کے مابین کوئی رابطہ نہ ہو۔ اجتماعی دعا کی تردید "زبدۃ الکلمات" میں ہے۔

(۴) آجکل بالعموم یہ خبر سننے میں آرہی ہے کہ اکثر لوگ اس حالت میں استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں اور امام کو تیامن پر مجبور کرتے ہیں یہ دین میں زیادتی اور بدعت ہے۔ روی الامام ابن ماجة رحمه اللہ تعالیٰ عن عراك عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قوم یکرهون ان یستقبلوا بفروجهم القبلة فقال اراهم قد فعلوها استقبلوا بمقعدی القبلة۔ اس روایت کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ لوگ بول و براز کے علاوہ دوسرے حالات میں بھی استقبال و استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھنے لگے تھے، اس غلو فی الدین کی اصلاح اور زعم باطل کی تردید کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجلس میں میری نشستگاہ کو قبلہ رخ کر دیا جائے۔ (ہدیۃ مجتبیٰ)

غرضیکہ امام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھنا چاہیئے۔ البتہ اگر امام کے سامنے پہلی صف میں کوئی مسبوق ہو تو اسکا استقبال مکروہ ہے لہذا اس صورت میں تیامن یا تیاسر کرے۔ اگر پہلی صف کے پیچھے والی کسی صف میں مسبوق ہو تو اسکے استقبال کے جواز میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ قول کراہت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں واستظهر ابن امیر حاج فی الحلیة خلاف هذا القال الذی یظهر انه لو کان بین الامام والمصلی بعد انه رجل جالس ظهرہ الی المصلی لا یکرہ للامام استقبال القوم لانه لو کان سترة للمصلی لا یکرہ المرور وراءہ فکذا هنا وقد صرحوا بانه لو صلی الی وجه انسان وبینهما ثالث ظهرہ الی وجه المصلی لم یکرہ ولعل محمدا رحمه اللہ تعالیٰ لم یقید بذلك للعلم به

(رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۹۰ ہجری

الحاق: یعتقد امام محمد رحمه اللہ تعالیٰ باب یستقبل الامام الناس اذا سلم واورد فیه ثلاثة

انحراف امام ـــــــــــ ۷

باب المسبوق واللاحق

مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹ گیا:

سوال: زید مقتدی نے امام کے ساتھ ایک سجدہ کرکے دوسرا سجدہ نہ کیا یعنی دوسرے سجدہ میں سو گیا، اور دوسرے سجدہ کے بعد آنکھ کھلی تو امام کے ساتھ قیام کیا، تو آیا زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کس طرح ادا کرے، از سر نو ادا کرے یا آخر میں بعد سلام امام کے ایک سجدہ کرکے سجدۂ سہو کرے تو مذکورہ طریقہ پر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ شخص لاحق ہے، اس پر واجب تھا کہ آنکھ کھلنے کے بعد دوسرا سجدہ کرکے امام کا اتباع کرتا، اس وقت سجدہ نہیں کیا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کرکے تشہد دوبارہ پڑھ کر سلام پھیرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی، مگر ترک واجب سے گنہگار ہوگا، سجدۂ سہو واجب نہیں، کیونکہ مقتدی کے ترک واجب سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، نقل فی الشامیۃ عن البحر وحکمہ انہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط حتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثۃ واستیقظ فی الرابعۃ فانہ یأتی بالثالثۃ بلا قراءۃ فاذا فرغ منھا صلی مع الامام الرابعۃ وان فرغ منھا الامام صلاھا وحدہ بلا قراءۃ ایضا فلو تابع الامام ثم قضی الثالثۃ بعد سلام الامام صح واثم (رد المحتار ص ۴۰۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان المبارک ۸۸ھ

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے:

سوال: کیا مسبوق پر بھی امام کی متابعت میں تشہد پڑھنا واجب ہے؟ اگر نہیں پڑھا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے، چھوڑنے سے گناہ ہوگا مگر نماز ہو جائے گی۔

لما في واجبات الشامية وانت علمت ان متابعة الامام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) وفي العلائية بخلاف سلامه او قيامه لثالثة قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولو لم يتمه جاز وفي الشامية وشمل بالاطلاق ما لو اقتدى به في اثناء التشهد الاول او الاخير الخ وقوله ولو لم يتمه جاز اي صح مع كراهة التحريم كما افاده ح (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) وفي سجود السهو من الشامية عن شرح المنية عن القنية من ادرك الامام في القعدة الاولى فقعد معه فقام الامام قبل شروع المسبوق في التشهد فانه يتشهد تبعا لتشهد امامه (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۰ ربیع الاول ۸۰ھ

مسبوق کے بیٹھتے ہی امام قعدۂ اولیٰ سے اٹھ گیا:

سوال: اگر کسی شخص کے بیٹھتے ہی امام قعدۂ اولیٰ سے کھڑا ہو گیا اور یہ شخص التحیات نہ پڑھ سکا تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مسبوق تشہد پورا کر کے اٹھے، بدون تشہد پورا کئے امام کا اتباع کرنا مکروہ تحریمی ہے مگر نماز ہو جائے گی، آخری قعدہ میں شریک ہونے والے کو بھی یہی حکم ہے کہ اس کا تشہد پورا ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو تشہد پورا کر کے کھڑا ہو۔ قال في الدر بخلاف سلامه او قيامه لثالثة قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولو لم يتمه جاز وفي الشامية (قوله فانه لا يتابعه الخ) ولو خاف ان تفوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرح به في الظهيرية وشمل بالاطلاق ما لو اقتدى به في اثناء التشهد الاول او الاخير فحين قعد قام امامه او سلم ومقتضاه انه يتم التشهد ثم يقوم ولم اره صريحا ثم رأيته في الذخيرة ناقلا عن ابي الليث المختار عندي انه يتم التشهد وان لم يفعل اجزأه [illegible] وقوله ولو لم يتمه جاز اي صح مع كراهة التحريم كما افاده ح (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۱ جمادی الآخرة [illegible]ھ

مسبوق نے امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ نہ کیا:

سوال: زید مسبوق امام کے ساتھ آخری قعدہ میں نہ بیٹھا اور کھڑا ہو گیا اور چاروں رکعات

ادا کرلیں اور آخری قعدہ کرکے سجدۂ سہو کرلیا تو زید کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور امام کی متابعت قصداً یا سہواً ترک کرنے سے کسی قسم کا گناہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل مسبوق نے جو قراءت و قیام وغیرہ کیا وہ کالعدم ہے وہ معتبر نہیں، قدر تشہد سے امام کی تشہد سے فراغت مراد نہیں، بلکہ اتنا وقت مراد ہے جس میں جلدی سے جلدی تشہد پڑھا جاسکتا ہے، اگر ایک یا دو رکعتوں میں مسبوق ہو اور اس نے امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قدر ما تجوز به الصلوٰة تلاوت کی ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی ورنہ نہیں، اور اگر تین یا چار رکعات میں مسبوق ہے تو اس کی نماز کی صحت کے لئے یہ شرط نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد بھی مسبوق کے قیام کا کچھ حصہ پایا جائے اگرچہ اس میں قدر ما تجوز به الصلوٰة قراءت نہ کی ہو، بشرطیکہ اس کے بعد دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھے،

بصورت عدم متابعت امام کا گناہ ہوگا، ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، سجدۂ سہو بہر صورت واجب نہیں، اس لئے کہ مقتدی کا ترک واجب موجب سجدۂ سہو نہیں، قال فی العلائیة ولو قام قبل السلام هل يعتد بأدائه ان قبل قعود الامام قدر التشهد لا وان بعده نعم وكره تحريما الا لعذر، وفي الشامية (قوله لا) اي لا يعتد بما اداه قبل قعود امامه من قيام وقراءة وانما يعتد بما اداه بعده، قال في الفتح ولو قام قبله اي قبل قعود التشهد قال في النوازل ان قرأ بعد فراغ الامام من التشهد ما تجوز به الصلوٰة جاز والا فلا، هذا اذا المسبوق بركعة او ركعتين فان كان بثلاث فان وجد منه قيام بعد تشهد الامام جاز وان لم يقرأ لانه سيقرأ في الباقيتين والقراءة فرض في ركعتين (رد المحتار ص ۵۵۹ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲ر شعبان ۸۳ھ

مسبوق باقی نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟

سوال: مسبوق اپنی باقی نماز پوری کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟ امام کے دائیں جانب سلام پھیرنے کے ساتھ ساتھ، یا بعد یا امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنی تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدۂ سہو نہ ہونا معلوم ہو جائے، قال في الهندية وينبغي للمسبوق ان يمكث ساعة بعد

سلام الامام لجواز ان یکون علی الامام سهو (عالمگیریة ص ۹۱ ج ۱) وفی العلائیة وینبغی ان یصبر حتی یفهم انه لا سهو علی الامام (رد المحتار ص ۵۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الاولیٰ ۹۲ھ

امام پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گیا تو مسبوق کیا کرے؟

سوال:- مندرجہ ذیل فتویٰ تصریح طلب ہے:

اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو تو مسبوق اس کی پیروی نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھ کر انتظار کرے، اگر امام لوٹ آئے تو مسبوق اس کے ساتھ سجدۂ سہو کرکے امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو جائے اور اگر امام نہ لوٹے تو مسبوق اپنی نماز پوری کرے، لیکن جس صورت میں جبکہ مسبوق نے ابھی ایک رکعت نہ پڑھی ہو امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (الدر المختار ص ۱۱۵ ج ۱، البحر الرائق ص ۴۰ ج ۲) اور اگر امام قعدۂ اخیرہ کئے بغیر زائد رکعت میں کھڑا ہو گیا تو بھی مسبوق انتظار کرے، اگر امام پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو مسبوق سجدۂ سہو کے بعد امام کے سلام پر کھڑا ہو جائے اور اپنی نماز پوری کرے، لیکن اس صورت میں اگر امام نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی (امداد الفتاویٰ ص ۲۴۰ ج ۱) دونوں صورتوں میں اگر مسبوق بغیر امام کا انتظار کئے اپنی نماز پوری کرنا شروع کر دے تو مکروہ تحریمی ہے، اس لئے اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے اور مسبوق ابھی تک مستقل نہیں ہوا تو اب امام کے ساتھ ہو جائے اور سجدۂ سہو کے بعد امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کر لے، اور اگر امام کے ساتھ شامل نہ ہوا تو اپنی نماز کے آخر میں اسے سجدۂ سہو کرنا لازم ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تحریر مذکور میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں:

① مسبوق کے انتظار کے لئے امام کی حد نہیں بتائی گئی، اس کو امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ تک انتظار کرنا چاہئے۔

② امام کے قعدۂ اخیرہ کے بعد قیام کی صورت میں لکھا گیا ہے "اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا" اس میں یہ تسامح ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد نفل ہو جانے کا کوئی احتمال نہیں، یا احتما

ترک قعدۂ اخیرہ کی صورت میں ہے۔

③ امداد الفتاویٰ سے بوجہ مغالطہ بطلان نقل کیا گیا ہے، اس سے بطلان فرضیت مراد ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام کی نماز نفل ہوگئی، جس مقتدی مدرک نے سلام پھیر دیا خواہ امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پھیرا یا بعد، ہر صورت اس کی نماز باطل ہوگئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (تتمۃ) یتفرع ایضا علی قوله والعبرۃ للامام ما فی البحر عن الظهیریۃ لو تشهد المقتدی وسلم قبل ان یقید الخامسۃ بالسجدۃ ثم قیدها بها فسدت صلوتهم جمیعا (رد المحتار ص ۴۹۹ ج ۱) مدرک یا مسبوق نے امام کا اتباع کیا تو اس کی نماز نفل ہوگئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قبیل باب الاستخلاف فان قیدها بسجدۃ انقلبت صلوته نفلا فان ضم الیها سادسۃ ینبغی للمسبوق ان یتابعه ثم یقضی ما سبق به وتکون له نافلۃ کالامام ولا قضاء علیه لو افسده لانه لم یشرع فیه قصدا (رد المحتار ص ۵۹۰ ج ۱) مسبوق نے بقیہ نماز انفراداً شروع کردی تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، لانه قام الی قضاء ما سبق به قبل قعود الامام۔

④ پانچویں رکعت میں اتباع امام کا حکم نہیں لکھا گیا، اس میں یہ تفصیل ہے کہ امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہوا اور مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو اس کی نماز اسی وقت فاسد ہوگئی، اور امام بدون قعدہ کے کھڑا ہوگیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے امام اور مسبوق و مدرک سب کی نماز نفل ہوگئی، قال فی العلائیۃ ولو قام امامه لخامسۃ فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسۃ بسجدۃ، وفی الشامیۃ (قوله والا) ای وان لم یقعد وتابعه المسبوق لا تفسد صلوته لان ما قام الیه الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوۃ فان قیدها بسجدۃ انقلبت صلوته نفلا فان ضم الیها سادسۃ ینبغی للمسبوق ان یتابعه ثم یقضی ما سبق به وتکون له نافلۃ کالامام (رد المحتار ص ۵۰۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ذی قعدہ سنہ ۸۲ھ

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا، مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہوگئی:

سوال: آخری قعدہ کے بعد امام سہواً کھڑا ہوگیا، اس کے ساتھ مسبوق بھی کھڑا ہوگیا، لقمہ ملنے پر امام نے واپس آکر سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کرلی، مسبوق نے بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کیا اور امام کے سلام کے بعد اپنی باقی نماز پوری کرلی، تو اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں کھڑے ہوتے ہی مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی، اس پر لازم تھا کہ بیٹھا رہتا اور امام کے لوٹنے کا انتظار کرتا، قال فی شرح التنویر قبیل باب الاستخلاف ولو قام امامه لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة، وفی الشامیة (قوله ان بعد القعود) ای قعود الامام القعدة الاخیرة (قوله تفسد) ای صلوة المسبوق لانه اقتداء فی موضع الانفراد ولان اقتداء المسبوق بغیره مفسد کما مر (قوله والا) ای وان لم یقعد وتابعه المسبوق لا تفسد صلوته لان ما قام الیه الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوة فان قیدها بسجدة انقلبت صلوته نفلا فان ضم الیها سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعه ثم یقضی ما سبق به وتکون له نافلة کالامام ولا قضاء علیه لو افسده لانه لم یشرع فیه قصدا. رحمتی (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم

۱۰ شعبان سنہ ۹۹ھ

لاحق کی فوت شدہ نماز پوری ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا

سوال :- لاحق کو قعدۂ آخری ملا اور اسے وضو کے آنے جانے میں ایک رکعت نکل گئی، تو کیا یہ لاحق ایک رکعت پہلے ادا کرے یا امام کے ساتھ قعدۂ آخری میں شامل ہو کر بعد سلام امام کے ایک رکعت ادا کرے؟ کیونکہ اگر پہلے رکعت پڑھے گا تو امام سلام پھیر کر نماز ختم کر دے گا، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ شخص شرائط بناء سے واقف نہیں یا اس نے شرائط کی پابندی نہیں کی تو یہ لاحق نہیں بلکہ مسبوق ہے، اس لئے نئی نیت کرکے امام کے ساتھ شرکت کرے اس کے بعد فوت شدہ رکعت پڑھے۔ البتہ جو شخص شرائط بناء سے واقف ہو اور ان شرائط کی پابندی عمل کرے تو وہ لاحق ہے، لاحق اولاً فوت شدہ رکعت ادا کرے، اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے، ورنہ تنہا ادا کرے۔ قال فی العلائیة ویبدأ بقضاء ما فاته عکس المسبوق ثم یتابع امامه ان امکنه ادراکه والا تابعه ثم صلی ما نام فیه بلا قراءة، وفی الشامیة (قوله ان امکنه ادراکه) قید لقوله ویبدأ ثم یتابع (قوله والا تابعه الخ) تصریح بمفهوم هذا الشرط ولیس بصحیح والصواب ابدال قوله ان امکنه ادراکه بقوله ان ادرکه مع اسقاط ثمّ

ومن الغير ان يقول ويعيد أ بقضاء ما فاته بلا قراءة عكس المسبوق ثم يتابع امامه
ان ادرك شيئا من صلوته الخ فى شرح المنية وحكمه انه يقضى ما فاته اولا ثم يتابع
الامام ان لم يكن قد فرغ وفى النتف اذا قضى او رجع بين ما سبقه الامام به ثم ان
ادرك الامام فيه شيء من الصلوة يصلى معه الخ وفى البحر وحكمه انه يبدأ بقضاء ما
فاته بالعذر ثم يتابع الامام ان لم يفرغ وهذا واجب لا شرط حتى لو عكس يصح الخ
(رد المحتار ص[illegible] ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]

مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کیا پڑھے؟

سوال:- مسبوق کو امام کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف و دعا بھی پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف اور دعا نہ پڑھے، بلکہ تشہد سے فارغ ہونے کے بعد خاموش رہے یا کلمۂ شہادت یا تشہد کا تکرار کرے، سب سے بہتر یہ ہے کہ تشہد ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تاکہ امام کے سلام کے ساتھ تشہد سے فارغ ہو، قال فی شرح التنویر واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة، وفی الشامیة (قوله فیترسل) ای یتمهل وهذا ما صححه فی الخانیة وشرح المنیة فی بحث المسبوق من باب السهو وباقی الاقوال مصحح ایضا قال فی البحر وینبغی الافتاء بما فی الخانیة کما لا یخفی ولعل وجهه کما فی النهر انه یقضی آخر صلاته فی حق التشهد ویأتی فیه بالصلوة والدعاء وهذا لیس آخرا قال ح وهذا فی قعدة الامام الاخیرة کما هو صریح قوله لیفرغ عند سلام امامه واما فیما قبلها من القعدات فحکمه السکوت کما لا یخفی اه ومثله فی الحلبة (قوله وقیل یکرر کلمة الشهادة) کذا فی شرح المنیة والذی فی البحر والحلیة والذخیرة یکرر التشهد تأمل (رد المحتار ص[illegible] ج ۱) فقط والله تعالی اعلم

۱۳ شعبان سنہ [illegible]

مدرک اور مسبوق کے لیے ثنا کا حکم:

سوال:- مدرک اور مسبوق نماز میں امام کی قراءت شروع ہونے کے بعد شریک ہو تو اس کو ثنا پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی جہری قراءت کے ساتھ ثنا نہ پڑھے، اگر مسبوق ہو تو قضاء رکعات کے وقت پڑھ لے، سری نماز میں امام کے ساتھ بھی پڑھے اور قضاء رکعات کے وقت بھی دوبارہ پڑھ لے، قال فی التنویر لا اذا کان مسبوقا وامامه یجهر بالقراءة فلا یأتی به، وفی الشامیة وینبغی التفصیل ان کان الامام یجهر لا یثنی وان کان یسر یثنی لکن المعتمد ما مشی علیه المصنف فافهم (رد المحتار ص ۳۳ ج ۱)

وقال الحلبی رحمه الله تعالی فی القنیة والمسبوق یأتی بالثناء اذا ادرك الامام حالة المخافتة ثم اذا قام الی قضاء ما سبق به یأتی به ایضا کذا ذکره فی الملتقط ووجهه ان القیام الی قضاء ما سبق کتحریمة اخری للخروج به من حکم الاقتداء الی حکم الانفراد (الحلبی الکبیری ص ۲۹۶) فقط والله تعالی اعلم۔

۱۱ر رمضان المبارک سنہ ۹۶ھ

مسبوق امام کی سری قراءت کے ساتھ ثنا پڑھ سکتا ہے:

سوال:- امام سری نماز کی قراءت شروع کر چکا ہو اس کے بعد کوئی شخص نماز میں شریک ہوا تو وہ اسی حال میں ثنا پڑھ لے یا اس پر یہ اشکال ہے کہ جب امام کی سری قراءت کے ساتھ بھی مقتدی کو قراءت فاتحہ جائز نہیں تو ثنا کیونکر جائز ہے؟ تشفی بخش جواب سے ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قراءت جہریہ میں تو مقتدی پر استماع قراءت کے لئے انصات فرض ہے، مگر قراءت سریہ میں بحکم انصات اس لئے ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے، چونکہ امام کی ثنا مقتدی کی ثنا نہیں اس لئے مقتدی ثنا پڑھے گا۔ قال ابن عابدین رحمه الله تعالی ومثله فی الذخیرة بما حاصله ان الاستماع فی غیر حالة الجهر لیس بفرض بل یسن تعظیما للقراءة فکان سنة غیر مقصودة لذاتها وعدم قراءة المؤتم فی غیر حالة الجهر لا لوجوب الانصات بل لان قراءة الامام له قراءة واما الثناء فهو سنة مقصودة لذاتها ولیس ثناء الامام ثناء للمؤتم فاذا ترکه یلزم ترك سنة مقصودة لذاتها للانصات الذی هو سنة تبعا بخلاف ترکه حالة الجهر اهـ

(رد المحتار ص ۴۹۰ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم۔

۶ر شوال سنہ ۹۶ھ

راجح یہ ہے کہ ثنا نہ پڑھے خواہ قراءت جہریہ ہو یا سریہ، مزید تفصیل تحریر میں ہے۔

تین رکعات کا مسبوق قعدۂ اولیٰ کب کرے؟

سوال:- ایک شخص نماز رباعی میں چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اس نے باقی تین رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ پہلی رکعت پر قعدہ کی بجائے دوسری رکعت پر قعدہ کیا، اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اولیٰ یہ ہے کہ مسبوق ایک رکعت کے بعد قعدہ کرے، اگر دو رکعت کے بعد قعدہ کیا تو بھی کچھ حرج نہیں، قال فی العلائیۃ ویقضی اول صلوتہ فی حق قراءۃ وآخرها فی حق تشهد، فمدرك ركعة من غير فجر يأتی بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما وبرابعة الرباعي بفاتحة فقط، ولا يقعد قبلها، وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ هذا قول محمد رحمه الله تعالىٰ كما فی مبسوط السرخسی وعليه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی والاسبيجابی والفتح والدرر والبحر وغيرهم (الی قوله) وفی الفيض عن المستصفی لو ادركه فی ركعة الرباعی يقضی ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم يأتی بالثالثة بفاتحة خاصة عند ابی حنيفة وقالا ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين اولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة اھ وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد رحمه الله تعالىٰ (قوله وتشهد بينهما) قال فی شرح المنية ولو لم يقعد جاز استحسانا لا قياسا ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة اولیٰ من وجه اھ (رد المحتار ص ۵۵۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الآخر ۸۱ھ

لاحق نے اتباع امام کے بعد فوت شدہ نماز پڑھی؟

سوال:- لاحق نے مسبوق کی طرح مافات کو بعد فراغ الامام ادا کیا، تو نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں، جبکہ اس کو مافات ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

لاحق پر واجب ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہو، اس کے خلاف سے گنہگار ہوگا، مگر نماز ہو جائے گی، مقتدی کا ترک واجب موجب اعادہ نہیں، قال شارح التنویر رحمه الله تعالىٰ ويبدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق ثم يتابع امامه ان امكنه ادراكه والا تابعه ثم صلیٰ ما نام فيه بلا قراءة، وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ وفی البحر

وحکمہ انہ یبدأ بقضاء مافاتہ بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط حتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثۃ واستیقظ فی الرابعۃ فانہ یأتی بالثالثۃ بلا قراءۃ فاذا فرغ منہا صلی مع الامام الرابعۃ وان فرغ منہا الامام صلاھا وحدہ بلا قراءۃ ایضا فلو تابع الامام ثم قضی الثالثۃ بعد سلام الامام صح واثم (رد المحتار ص ۵۵۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن وآداب ادا کرے:

سوال: لاحق جب اسبق کو قضا کرے گا تو فقط فرائض وواجبات ادا کرکے امام کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کرے یا کہ ہر رکن کو مع سنن وآداب کے ادا کرے، اگرچہ اس میں امام کے سلام پھیرنے کا خطرہ ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن وآداب ادا کرے، اس کے بعد امام کو نماز میں پالیا تو اس کے ساتھ شریک ہوجائے ورنہ منفرداً نماز پوری کرے، وقال فی الھندیۃ اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ینبغی لہ ان یشتغل اولاً بقضاء ما سبقہ الامام بغیر قراءۃ یقوم مقدار قیام الامام ورکوعہ وسجودہ ولو زاد او نقص فلا یضرہ ھکذا فی شرح الطحاوی (عالمگیریۃ ص ۹۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر

امام

مسافر

کے

پیچھے

مقیم مسبوق باقی ماندہ رکعات کیسے پڑھے؟
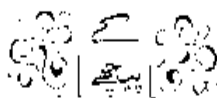
تحقیق انیق متعلق مسبوق مقیم مقتدی بالمسافر

سوال: مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہوا تو باقی رکعتیں کیسے ادا کرے؟ یہاں کے علماء اس بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں لہٰذا مدلل و مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ شخص اٹھ کر پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ کر قعدہ کرے اور پھر دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے اور آخری دونوں رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ یہ مسئلہ علماء فحول میں معرکۃ الآراء ہے، اس سے متعلق ان معادن علم و معرفت کی تحریرات احقر کو پیر بشیر محمد شاہ صاحب ناظم مسالک گھوٹکی (سندھ) سے دستیاب ہوئیں جو اہل علم کے ذوق تحقیق کی خاطر حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔

استفتاء - از شیخ رشید احمد صاحب دہلوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام مسافر کے پیچھے مقیم مقتدی چار رکعت والی نماز پڑھتا ہے، مقتدی مذکور امام مذکور کے ساتھ اول رکعت میں شریک ہوا ہو تو مقتدی اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور جو دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو کس طرح نماز پوری کرے اور جو التحیات میں ملا ہو تو کس طرح اپنی نماز پڑھے۔ بینوا توجروا

الجواب - از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس پر منحصر ہے کہ پہلے یہ متحقق ہو جائے کہ مقتدی کس وقت مدرک ہے اور کس وقت مسبوق یا لاحق، یا مسبوق اور لاحق۔ پس واضح ہو کہ جس مقیم مقتدی نے پہلی رکعت میں امام مسافر کی اقتداء کی ہو وہ لاحق ہے۔ چنانچہ درمختار کے اس قول کی شرح میں (وصح اقتداء المقیم بالمسافر) صاحب رد المحتار لکھتے ہیں قوله وصح ای فهو لاحق بالنظر الی الاخیرتین۔ نیز اس پر لاحق کی تعریف بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے واللاحق من فاتته الرکعات کلها او بعضها لکن بعد اقتدائه بعذر انتهی۔ یہ مقتدی جب لاحق ہے تو امام کی نماز سے جدا ہو کر اپنی دو رکعت بے قراءت ادا کرے۔ چنانچہ درمختار میں ہے وحکمه کمؤتم فلا یأتی بقراءة ولا سهو انتهی۔ یہ مقتدی جس نے پہلی رکعت میں اقتداء کی باعتبار آخر کی دو رکعتوں کے صرف لاحق ہے اور پچھلی دونوں صورتوں میں (جبکہ دوسری رکعت میں اقتداء کی ہو یا تشہد میں اقتداء کی ہو) ان دونوں صورتوں میں وہ مقتدی صرف مسبوق ہے۔ دوسری صورت میں تین رکعتوں میں

مسبوق ہے۔ اور تیسری صورت میں چاروں رکعتوں میں مسبوق ہے چنانچہ اس پر مسبوق کی تعریف صادق آتی ہے والمسبوق من سبقہ الامام بہا او ببعضہا (درمختار) لہٰذا یہ مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہو کر منفرد ہو جائے گا۔ اس کو چاہئے کہ پہلی رکعت میں ثنا، تعوذ اور تسمیہ، سورت پڑھے۔ اور اگر مسبوق تمام رکعات کا ہے تو دو رکعت سورت کے ساتھ پڑھے اور دو رکعت باقیماندہ میں (خواہ مسبوق بثلاث رکعات ہو یا اربع رکعات) صرف فاتحہ پڑھے۔ درمختار میں ہے والمسبوق من سبقہ الامام بہا او ببعضہا وہو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بہا لکراہتہا مفتاح السعادۃ فیما یقضیہ ای بعد متابعتہ لامامہ اور عالمگیریہ میں ہے وتجیٔ الطائفۃ الثانیۃ ای مکان صلوۃ الخوف ان کان مسافرین یصلی رکعۃ بقراءۃ لانہ مسبوق ومن کان مقیما یصلی ثلاث رکعات الاولیٰ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ لانہ کان مسبوقا فیہا وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب علی الروایات کلہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

املاہ بلسانہ خلیل احمد عفی عنہ

۲۰ ربیع الثانی سنہ ۳۳ھ

الجواب صحیح : عنایت الٰہی عفی عنہ

فتویٰ مذکورہ کے متعلق حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہٗ کا خط
شیخ رشید احمد صاحب دہلوی کی طرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم   از بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ

بخدمت بابرکت جناب شیخ رشید احمد صاحب زید مجدہم۔ بعد ہدیہ سلام مسنون عرض ہے۔ آپ جو تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتداء مقیم خلف المسافر بھیجے گئے تھے ان کو دیکھا اور اصل روایت عالمگیریہ کو بھی دیکھا، صلوۃ الخوف میں فتح القدیر اور خود شامی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ حکم خلاف قاعدہ کلیہ جو کہ مسبوق لاحق کے لئے مقرر ہے جس کی تفصیل میں نے پہلے لکھی ہے شاید صلوۃ خوف کے لئے خاص ہے۔ یا بنا بر ثانیہ روایت کے ہے جو اقتداء مقیم خلف المسافر میں ہے جس کو بعض مشائخ نے اختیار فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مقیم خلف المسافر اپنی دو رکعت باقیماندہ کو قرأت سے پوری کرے مگر یہ خلاف اصح ہے۔ کذا فی الہدایۃ وغیرہا۔ باقی عالمگیریہ میں علی الروایات کلہا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس موقع صلوۃ خوف میں جملہ روایات اسی طرح ہیں کہ طائفہ ثانیہ اپنی رکعت قرأت سے پوری کرے۔

۱ وفی الشامیۃ تحت (قولہ لاحق کمسبوق) وعلی روایۃ انہ المقیم خلف المسافر حتی یقضی ثلاث رکعات بلا قراءۃ ان کان من الطائفۃ الاولیٰ وبقراءۃ ان کان من الثانیۃ، وہو شامل لما لو کان مسافرین

محققین اکتفا فرما لیتے ہیں اور دوسرے مواقع غیر متبادرہ کی طرف التفات اور تتبع کی نظر نہیں فرماتے پہلے خود میرا مسلک بھی ان عبارات کی بنا پر وہی تھا جو ان سب حضرات کا ہے لیکن غور کرنے کے بعد میرے خیال میں تغیر واقع ہوا اور یہ خیال ہوا کہ مقیم خلف المسافر جبکہ پہلی رکعت میں اقتداء کرے تو باعتبار رکعتین اخریین کے حق قراءۃ بحکم لاحق ہے لیکن جب کہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں اقتداء کرے تو ان دونوں صورتوں میں وہ منفرد محض بحکم مسبوق ہے اور بحکم لاحق بالکل نہیں ہوتا چونکہ اس مسئلہ میں متعدد حضرات علماء میرے اس خیال کے خلاف ہیں لہذا میں چاہتا ہوں کہ اپنا مدعا مع تمام استدلالات کے مفصلاً لکھ کر حضرات علماء کرام کی خدمت میں پیش کردوں اور التماس کروں کہ اگر یہ صحیح ہے تو قبول فرمادیں ورنہ جو مرجح ہو اور محقق ہو بدلائل مطلع فرمادیں کہ بندہ کو انشاء اللہ تعالیٰ قبول حق سے ذرا بھی انحراف وانکار نہ ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

محل نزاع یہ ہے کہ مقیم خلف المسافر صلوٰۃ رباعی میں خواہ وہ پہلی رکعت میں اقتداء کرے یا دوسری میں یا تشہد میں وہ باعتبار رکعتین اخریین مسبوق ہے یا لاحق، یا لاحق اور مسبوق دونوں ہے پس واضح ہو کہ تصریحات محققین فقہاء سے ثابت ہے کہ مقیم خلف المسافر اگرچہ اس نے رکعت اولیٰ میں اقتداء کی ہو نہ حقیقۃً مسبوق ہے نہ حقیقۃً لاحق بلکہ بعض فقہاء اسکو مثل مسبوق کے کہتے ہیں، اور بعض مثل لاحق کے، اور قول اول کو محققین فقہاء نے ترجیح قرار دیا ہے۔ اولاً تو لفظ مسبوق اور لفظ لاحق کا مدلول اور ان کی تعریف تو اسی پر دال ہے کیونکہ مسبوق وہ ہے جس کا امام اس سے پہلے کل یا بعض رکعات ادا کر چکا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم و تعریف خلف المسافر پر باعتبار رکعتین اخریین صادق نہیں آتی اور لاحق وہ ہے جو اپنی فوت شدہ رکعات جو بعد اقتداء امام کے کسی وجہ سے فوت ہوگئی ہوں ادا کرکے امام کے برابر ہو جاتا ہے اور مقیم خلف المسافر پر یہ مفہوم بھی صادق نہیں آتا کیونکہ اس نے بقصد صلوٰۃ امام کے نیت اقتداء کی تھی اس کو پورا کردیا اور ان میں سے کوئی رکعت فوت نہیں ہوئی اور رکعتین اخریین نہ امام کی نماز میں تھیں اور نہ اس نے انہیں اقتداء کی تھی ورنہ وہ امام کی معیت ومتابعت سے ہوتیں، لہذا یہ مقیم حقیقۃً لاحق بھی نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہیں۔ درمختار کے باب سجود السہو میں لکھا ہے والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواء کان السہو قبل الاقتداء او بعدہ ثم یقضی ما فاتہ ولو سہا فیہ یسجد ثانیاً وکذا اللاحق لکنہ یسجد فی اٰخر صلاتہ ولو سجد مع امامہ اعادہ والمقیم خلف المسافر کالمسبوق و قیل کاللاحق۔ علامہ طحطاوی اس پر لکھتے ہیں۔ قولہ کالمسبوق فیلزمہ السجود و صححہ فی

المیل، ثم لانہ انما اقتدی بالامام بقدر صلوٰۃ الامام فاذا انقضت صلوٰۃ الامام صار منفردا
فیما وراء ذلک وانما لا یقرأ فیما یتم لان القراءۃ فرض فی الاولیین وقرأ الامام فیھما (بحر)
اس عبارت سے معلوم مسبوق ولاحق ومقیم خلف المسافر کا باہم تقابل اور نیز تشبیہ و مماثلت واضح
دلیل ہے کہ مقیم خلف المسافر نہ حقیقۃً مسبوق ہے اور نہ حقیقۃً لاحق۔ البتہ بعد اختتام صلوٰۃ امام
منفرد ہو جاتا ہے جیسا کہ مسبوق بھی منفرد ہو جاتا ہے۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ جب
اسکو رکعتین میں منفرد قرار دیا تو اس صورت میں ترک قرأۃ کی کوئی وجہ نہیں۔ اسکا یہ جواب دیا کہ چونکہ فرض قرأۃ
رکعتین اولیین میں اسکی طرف سے امام ادا کر چکا ہے اسی وجہ سے وہ اس جگہ قرأۃ ترک کرے۔ اور بدائع کی
عبارت یہ ہے۔ واما المقیم اذا اقتدی بالمسافر ثم قام الی اتمام صلاتہ وسھا ھل یلزمہ سجود السھو
ذکر فی الاصل وقال انہ یتابع الامام فی سجود السھو واذا سھا فیما یتم فعلیہ سجود السھو ایضاً وذکر
الکرخی فی مختصرہ انہ کاللاحق لا یتابع الامام فی سجود السھو واذا سھا فیما یتم لا یلزمہ سجود السھو لانہ
مدرک لاول الصلوٰۃ فکان فی حکم المقتدی فیما یؤدیہ بخلاف المسبوق کاللاحق ولھذا لا یقرأ
کاللاحق والصحیح ما ذکر فی الاصل لانہ انما اقتدی بالامام بقدر صلوٰۃ الامام فصار منفردا فیما
وراء ذلک وانما لا یقرأ فیما یتم لان القراءۃ فرض فی الاولیین وقد قرأ الامام فکانت قراءۃ
لہ۔ اور صاحب رد المحتار نقلا عن النھر تحریر فرماتے ہیں۔ قولہ والمقیم الخ ذکر فی البحر ان
المقیم المقتدی بالمسافر کالمسبوق انہ یتابع الامام فی سجود السھو ثم یشتغل بالاتمام۔
واما اذا قام الی اتمام صلاتہ وسھا فذکر الکرخی انہ کاللاحق فلا سجود علیہ وکذلک
انہ لا یقرأ وذکر فی الاصل انہ یلزمہ السجود وصححہ فی البدائع ثم لانہ انما اقتدی بالامام بقدر
صلوٰۃ الامام فاذا انقضت صار منفردا وانما لا یقرأ فیما یتم لان القراءۃ فرض فی الاولیین
وقرأ الامام فیھما۔ ان عبارات سے مقیم مقتدی بالمسافر کا حقیقۃً مسبوق ولاحق نہ ہونا واضح ہو گیا
نیز یہ بھی صاحب رد المحتار بعد نقل عبارات تحریر فرماتے ہیں۔ قال فی النھر وبھذا علم انہ
کاللاحق فی حق القراءۃ فقط۔ اس عبارت نے مسئلہ کے چہرہ سے بالکل پردہ اٹھا دیا اور
اس سے ثابت ہو گیا کہ اس کا ترک قرأۃ کرنا اس کے بحکم مسبوق ہونے کے مزاحم نہیں۔ بلکہ اس
کو بحکم لاحق صرف قرأۃ کے بارے میں قرار دیا جاتا ہے۔ باقی تمام احکام میں وہ مثل مسبوق کے
منفرد ہے۔ ان عبارات نے واضح کر دیا کہ وہ منفرد ہو کر پہلے رکعات اخیرہ عہ کو مثل مسبوق کے ادا

عہ بعض اولیین کو جو بحکم لاحق قرار دینے والوں کے خیال میں اخیرہ ہیں ۱۲ رشید احمد

کرے گا۔ نہ مثل لاحق کے۔ اسی مضمون کو صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں واذا صلی المسافر بالمقیم رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتہم لان المقتدی التزم الموافقۃ فی الرکعتین فینفرد فی الباقی کالمسبوق الا انہ لا یقرأ فی الاصح لانہ مقتد تحریمۃ لا فعلا والفرض صار مؤدی فیترکہا احتیاطا بخلاف المسبوق لانہ ادرک قراءۃ نافلۃ فلم یتأد الفرض فکان الاتیان اولی۔ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے اعتراض مذکور کے جواب میں اپنی عادت کے موافق راہ تدقیق اختیار کی ہے اور ترک قراءۃ کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مقیم خلف المسافر باعتبار تحریمہ کے مقتدی ہے اور باعتبار فعل کے غیر مقتدی۔ تحریمۃً اقتداء پر نظر کرکے اس کو قراءۃ پڑھنا جبکہ امام کی اول صلوٰۃ کا ادراک کر چکا ہو مکروہ تحریمی ہے اور فعلاً غیر مقتدی ہونے پر نظر کرکے اس کے لئے قراءۃ مستحب ہے اور جبکہ فعل مستحب و حرام میں دائر ہوا تو اس کا ترک احتیاطاً لازم ہوا۔ بخلاف مسبوق کے کہ اس نے فرض قراءۃ کو نہیں پایا بلکہ قراءۃ نافلہ کا ادراک کیا ہے۔ لہٰذا اس کو ترک قراءۃ ناجائز ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ قولہ احتیاطا لانہ بالنظر الی الاقتداء وتحریمۃ حیث ادرکوا اول صلوٰۃ الامام یکرہ القراءۃ تحریما وبالنظر الی عدمہ فعلا اذ لم یفتہم مع الامام ما یقضون وقد ادرکوا فرض القراءۃ تستحب واذا دار الفعل بین وقوعہ مستحبا او محرما لا یجوز فعلہ بخلاف المسبوق فانہ ادرک قراءۃ نافلۃ اگرچہ عبارات بدائع اور طحطاوی اور شامی وغیرہ سے واضح تھا مگر ہدایہ کی عبارت نے بہت زیادہ وضاحت کردی کہ وہ مقیم خلف المسافر جس نے تحریمہ میں اقتداء کی ہو، ہر دو رکعت اخیرہ میں مثل مسبوق منفرد ہے اور بقول صحیح لاحق نہیں اور باوجود منفرد ہونے کے اس کو بوجہ ایک عارض کے ترک قراءۃ کا حکم ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اسکا ترک قراءۃ اس کے لاحق ہونے کو مقتضی نہیں اور اسکی لاحق کے ساتھ مماثلت صرف حکم ترک ـــــ

عہ اقول ما صرحت هذه الابحث بنی الکراهة القراءة بالنظر الی الاقتداء تحریمة لان من لم یدرك اول صلوة الامام بل ادرك الركعة الثانية بعد التشهد فهو ايضا مقتد تحريمة فقراءته والله اعلم لان المقصود ههنا بيان حكم من ادرك الامام المسافر في الركعة الاولى لان من ادرك بعدها ليس بمقتد تحريمة۔ فالقيد بيان الواقع لا للاحتراز و لما كان ذلك كذلك يرد عليه انه يقتضي ان لا يقرأ في الاخريين المقيم المكمل بالمقيم بعد الاولى ايضا وكذا اللاحق بالمقيم اذا كان مسبوقا بثلاث ركعات فصاعدا ويمكن الجواب بانا ما اسقطنا اعتبار الاقتداء تحريمة لان القراءة الواجبة في الاوليين لا يعود اعتبارها في الاخريين۔ والله اعلم۔ رشید احمد لدھیانوی

القول الساتر ـــــ ۷

قراءۃ میں ہے نہ دوسرے احکام میں، کیونکہ دوسرے احکام میں یہ شخص منفرد مثل مسبوق کے ہے نیز یہ حکم ترک قراءۃ مخصوص اس مقیم مقتدی بالمسافر کے ساتھ ہے جس نے اپنے امام کی تحریمہ میں اقتداء کی ہے۔ اور جس نے تحریمہ میں اقتداء نہیں کی اور ادراک اول صلوٰۃ امام کا نہیں کیا بلکہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں شریک ہوا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کہ وہ بھی ترک قراءۃ کرے بلکہ اس کے لئے قاعدہ مذکورہ کے موافق قراءۃ کرنا مستحب ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے قراءۃ سے مانع تحریمۃً اقتداء تھا اور مسبوق برکعۃ یا برکعتین کے حق میں وہ مانع مرتفع ہوگیا جو موجب کراہت تحریم قراءۃ تھا۔ صرف استحباب باقی رہا۔ علاوہ ازیں اس پر اور متعدد عبارات وروایات دلالت کرتی ہیں۔ فتح القدیر کی صلوٰۃ الخوف میں ہے۔ قولہ ثم تم مسبوقون ویدخل فی حکمہ المقیم خلف المسافر حتی یقضون ثلاث رکعات بلا قراءۃ ان کان من الطائفۃ الاولیٰ وبقراءۃ ان کان من الثانیۃ۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے وان کان الامام مسافرا والقوم مقیمین ومسافرین صلی الامام بالطائفۃ الاولیٰ رکعۃ ثم انصرفوا بازاء العدو وجاءت الطائفۃ الثانیۃ وصلی بھم رکعۃ فمن کان مسافرا خلف الامام بقی اولی تمام صلاتہ رکعۃ ومن کان مقیما بقی الی تمام صلاتہ ثلث رکعات ثم ینصرفون بازاء العدو وجاء الطائفۃ الاولیٰ الی مکان الامام فمن کان مسافرا یصلی رکعۃ بغیر قراءۃ لانہ لاحق فی الصلوٰۃ ومن کان مقیما یصلی ثلاث رکعات بغیر قراءۃ فی ظاھر الروایۃ فاذا انصرف الطائفۃ الاولیٰ صلاتھم ینصرفون بازاء العدو وتجئ الطائفۃ الثانیۃ فمن کان مسافرا یصلی رکعۃ بقراءۃ لانہ مسبوق وان کان مقیما یصلی ثلاث رکعات الاولیٰ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ لانہ کان مسبوقا فیھا وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب علی الروایات کلھا۔

اس عبارت عالمگیریہ میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے جو اشکال پیش کیا ہے اور فرمایا ہے لانہ کان مسبوقا فیھا کو مقدم بیان کیا ہے۔ اگر رکعتین اخریین میں بھی مسبوق ہوتا تو یہ دلیل اس موقع پر نہ بیان کی جاتی بلکہ وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب علی الروایات کلھا کے لکھنے کے بعد لکھی جاتی۔ اس اشکال کا جواب بندہ ناچیز کی تحریر سے بالکل صاف۔ اور واضح ہوگیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جس کے بعد دلیل لانہ کان مسبوقا فیھا لکھی ہے وہ شخص حقیقۃً مسبوق ہے۔ اس لئے اس کے بعد یہ دلیل لکھی اور چونکہ رکعتین اخریین میں حقیقۃً مسبوق نہیں اس لئے ان کے بعد یہ دلیل نہ لکھی اگر رکعتین کے بعد یہ دلیل لکھی جاتی

تو وایمہ پیدا ہوتا کہ مقیم تینوں رکعتوں میں حقیقۃً مسبوق ہے والحال انہ لیس کذلک
کما حققناہ من قبل ۔ بندہ کی گزشتہ تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مقیم خلف المسافر نہ حقیقۃً
مسبوق ہے نہ حقیقۃً لاحق بلکہ وہ رکعات باقیہ میں منفرد ہے مگر مسبوق ۔ ہے پس جن عبارات
میں اس کو لاحق یا مسبوق کہا گیا ہے وہ اطلاق مجاز ہے ۔ چنانچہ در مختار بحث لاحق و مسبوق
میں لکھا ہے واللاحق من فاتتہ الرکعات کلھا او بعضھا بعذر کغفلۃ وزحمۃ او سبق
حدث ومقیم ائتم بمسافر اور شامی میں ہے ومقیم ائتم ای الذی فھو لاحق بالنظر
للاخیرتین وقد یکون مسبوقا ایضا کما اذا فاتہ اول صلاۃ امامہ المسافر
(طحطاوی) ان دونوں عبارتوں میں مقیم مقتدی بالمسافر پر لفظ لاحق اطلاق ہوا ہے ۔
پس یہ اطلاق مجاز ہے ۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ حکم ترک قراءۃ میں بمنزلہ لاحق ہے ۔ یہ
عبارت ہے جس سے مفتی صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہ نے
کہا ہے کہ مقیم خلف المسافر خواہ جس نے تحریمہ میں اقتداء کی ہو یا بعد فوت رکعت بہر حال
بحکم احکام لاحق ہے اور دعوی فرمایا ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے اور بطور شبہ یہ بھی فرمایا ہے کہ صلوٰۃ خوف
میں جو حکم لکھا ہے وہ شاید صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خلاف قاعدہ کلیہ مخصوص ہو مگر دعوے
کلیۃ قاعدہ اور دعویٰ اختصاص محتاج دلیل ہے ۔ حالانکہ اس کے مثبت کو دلیل نہیں ہے ۔
علاوہ ازیں عبارات و تصریحات سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ قضیہ جزئیہ ہے جس سے
مراد وہ مقیم ہے جس نے رکعت اولیٰ میں اقتداء کی ہو اور جو مسبوق برکعۃ یا رکعتین ہو وہ
قطعاً اس میں داخل نہیں ۔ نیز طحطاوی مطبوعہ مصر کی عبارت سے صاف واضح ہے ۔
قولہ ومقیم ائتم بمسافر فھو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا کما اذا
فاتہ اول صلوٰۃ امامہ المسافر مقیم مقتدی بالمسافر کی دو حالتیں بیان کیں ۔ اول وہ کہ جس
نے پہلی رکعت میں اقتداء کی ہو اس کو باعتبار رکعتین اخریین کے لاحق فرمایا ۔ دوسری حالت
وہ ہے جس کو اول صلوٰۃ امام مسافر فوت ہو گئی ہو خواہ دوسری رکعت میں یا تشہد میں اقتداء
کی ہو اس کو صرف مسبوق قرار دیا ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مقیم ائتم بمسافر قاعدہ کلیہ نہیں ہے
بلکہ مقیم اس جگہ وہ مراد ہے جس نے اول رکعت میں اقتداء کی ہو ۔ چنانچہ اسی طرف بندہ نے
اپنی پہلی تحریر میں اشارہ کیا تھا اور شامی نے طحطاوی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے مگر اصل
کے خلاف اس میں لفظ ایضاً زائد ہے طحطاوی میں ہے وقد یکون مسبوقاً اور شامی میں نقلاً

عن الطحطاوی ہے۔ وقد یکون مسبوقاً ایضاً اور یہ لفظ ایضاً موجب خلجان اور موہم خلاف مقصود تھا اسکی بھی توجیہ کردی ہے کہ بشرط تسلیم مزاحم مقصود نہیں۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے اسکی توجیہ نہیں فرمائی۔ بعض اذکیاء[عہ] کا یہ خیال بھی مسموع ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کی مشروعیت علی خلاف القیاس ہے۔ لہٰذا اس پر دوسری نمازوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ تو جو حکم صلوٰۃ الخوف میں ہے ضروری نہیں کہ دوسری نمازوں میں بھی ہو۔ دیکھو چلنا پھرنا وغیرہ افعال صلوٰۃ الخوف میں مشروع ہیں اور دوسری نمازوں میں یہ غیر مشروع بلکہ مفسد صلوٰۃ ہیں۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ یہ منع اس وقت قابل تسلیم ہوسکتا ہے جب استدلال صرف صلوٰۃ الخوف سے ہو اور فی الحقیقت استدلال ان روایات سے ہے جنہیں مقیم خلف المسافر کو مثل مسبوق قرار دیا گیا ہے اور روایات صلوٰۃ الخوف بطور تائید وتقویت لکھی گئی ہیں علاوہ ازیں صلوٰۃ الخوف میں جو افعال من غیر جنس الصلوٰۃ جائز کئے گئے ہیں وہ افعال ہیں جن کی بوقت خوف ضرورت پڑتی ہے یہ ہرگز نہیں کہ تمام افعال صلوٰۃ خوف خلاف قیاس بضرورت مشروع ہوئے ہیں اور افعال زیر بحث نیز ان افعال میں سے نہیں ہیں جن کی مشروعیت بضرورت خوف خلاف قیاس ہوئی ہو۔ لہٰذا یہ خیال بھی اس بحث میں کارآمد نہیں ہوسکتا۔ مع ہذا بالفرض والتسلیم کوئی حکم معدول عن القیاس بدون نص نہیں ہوسکتا تو لامحالہ ایسی نص کا موجود ہونا ضروری ہے جو صلوٰۃ الخوف میں حکم لاحق کے لئے صارف عن القیاس ہو۔ اگر کسی صاحب کو معلوم ہو تو براہ کرم مجھ کو بھی مطلع فرما کر شکر گزار احسان فرمائیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں ایک فتویٰ جس کو حضرت سیدی و مولائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ایک عمدۃ الفقہ کا جواب جو جناب مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی تالیف ہے نقل فرمایا ہے۔ جب ایک حکم روایات فقہیہ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہوگیا تو ان کے متعلق کچھ لکھنے اور عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ بلسانہ الاحقر خلیل احمد وفقہ اللہ لتزودہ

اقول ونقل عن العلامۃ المحدث محمد ہاشم التتوی (قدس سرہ) مثل قول مولانا خلیل احمد (قدس سرہ) وزاد فیہ جواب شبہۃ ونصہ فان قلت قد ذکر ایضاً من المحیط والسراج والجوہرۃ ان الامام اذا جعل الناس فی صلوۃ اربع طوائف فصلی لکل طائفۃ رکعۃ فصلوۃ الاولیٰ والثالثۃ فاسدۃ لانہم انصرفوا عن القبلۃ فی غیر اوان الانصراف وصلوۃ الثانیۃ والرابعۃ جائزۃ ویقرأ کل طائفۃ فیما سبقت ولا یقرأ فیما لحقت فلو عادت الطائفۃ الثانیۃ صلوا الرکعۃ الثالثۃ

عہ یعنی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کما سیأتی عن امداد الفتاوی۔ رشید احمد

والرابعة بغير قراءة لانهم فيهما لاحقون ثم الركعة الاولى بقراءة لانهم فيها مسبوقون فكان هذا
مثل قضاء ما ذكر نحوه اولا (ای الروایة التی اوردها مولانا خلیل احمد رحمه الله من الهندیة نقلا عن
المختار رحمه الله من الجوهرة والمحيط والظهيرية والخزانة) قلت لا اصلا فيه لان هذه
المسألة الاخيرة مصورة فيما اذا كان الامام والمقتدی مقيمين كما صرح به فی تلك الكتب فكان
ذلك مسألة المسبوق صار لاحقا بخلاف ما ذكرنا اولا فانه مصور فيما اذا كان الامام مسافرا
والمقتدی المسبوق مقيما - فكان اختلاف الاجوبة لاختلاف موضوع المسألة فليتأمل ۱۵ ھ
ارسلنی فی تحریر المختار قدس الله تعالی سره مولانا احمد الهالاکی نقلا عن کراسة ابيه
مولانا الحمید الهالاکی رحمهما الله تعالی

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔ اسکے بعد یہ واقعہ ہوا کہ اسی
صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہو جانے کے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اسکے بعد
مسافر امام کا اقتدا کیا ہو مدرسہ سہارنپور میں ایک فتوی لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے ا
تو یہ شخص پچھلی نماز میں قراءۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے (یعنی جن میں قراءۃ فرض ہے کیونکہ یہاں قراءۃ
فرض نہیں مندوب ہے۔ (رشید احمد) اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتوی لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق
دونوں ہے اسلئے غیر قراءۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر اولی کہتا تھا وہ فتوی
سہارنپور میں واجب ہے اور جسکو بندہ اولی کہتا تھا وہ اس فتوی میں ناجائز ہے اور فتوی دیوبند موافق مشہور
کے ہے۔ ناظرین اسکی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کرلیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت ہو تو
مثل مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصداً یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً و عادۃً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی
جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگا دیا جائے۔ اور یہ موافق ہوگا میرے قول اول یعنی ہر دو کے جواز کے
جسکے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کیلئے متعین ہو جاویگی اور یاد رہے
یہ نہیں کہ بعض تو استنباطات ہیں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں
چنانچہ مظاہر العلوم کی دلیل نقلیہ یہ کہ صلوۃ الخوف کی روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول سوال میں
مذکور ہے جسمیں یہ عبارت ہے۔ وتتم الطائفة الثانية الى مكان صلوتهم فيصلون ثلاث ركعات
الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانهم مسبوقون فيها والاخريين بفاتحة الكتاب جس سے معلوم ہوا
کہ غیر اولی میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوۃ الخوف کی خصوصیت کی
کوئی وجہ نہیں۔ اور دار العلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے وقد یکون رای المقیم

والطائفة الرابعة تقضي ركعتين بقراءة وتتخير في الثالثة لانهم مسبوقون بثلاث ركعات (فتح القدیر ج۱ ص۳۲۲) وكذا في الهندية ايضاً. مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کے فتوی میں بھی یہ جزئیہ محیط اور سراج وہاج سے گزر چکا ہے۔

نیز نہر کا یہ جزئیہ مقیم خلف المسافر سے متعلق نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ خلف المسافر دو رکعت تو طائفہ ثانیہ سے ہوگا۔ اسے طائفہ اولیٰ سے شمار کرنے کے کوئی معنی نہیں اور یہ "والا ان لم یدرک (الرکعة الثانیة) فمن الثانیة" کے خلاف ہے اور ثانیاً اس لئے کہ اگر نہر کے جزئیہ کو خلف المسافر سے متعلق کہا جائے تو یہ بعینہٖ عالمگیریہ کے جزئیہ کا مفہوم ادا کریگا۔ دونوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں رہے گا۔ حالانکہ دونوں کے حکم میں تباین کلی ہے کہ نہر کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں ترک قراءة کا حکم منصوص ہے اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں رکعات ثلاثہ میں قراءة کرنے کا حکم ہے۔ غرضیکہ نہر کا جزئیہ نہ ہی صلوٰۃ الخوف کیساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی خلف المسافر ہونے میں عالمگیریہ کے جزئیہ کے ساتھ مشترک ہے۔ پس مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے جزئیہ سے جو شبہ پیدا ہو گیا تھا وہ مرتفع ہوگیا۔ علاوہ ازیں سہارنپوری تحقیق میں صلوٰۃ الخوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے دلائل ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی تصریح کے مطابق اصل دلائل وہ کے ہیں، صلوٰۃ الخوف کا جزئیہ محض تائیداً لکھا گیا ہے اسکے مقابلہ میں دار العلوم کی دلیل کا جواب مظاہر العلوم کی تحریر میں موجود ہے۔ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کے جواب کا مظاہر العلوم کے جواب سے موافق ہونا اوپر گزر چکا ہے۔ پس جب تحقیق مذکور سے مظاہر العلوم کا جواب راجح ثابت ہو گیا تو عمل اور تعلیم کے لئے یہی متعین ہوگا۔ فقط

والله اعلم على موثقيه لهذا الامر وهو عرض ما اشاء، فتدبر فيه وتفكر ولعل الحق لا يعدوه فتشكر. وهذا ما جاد في فهم هذا العبد الفقير والعلم عند الله اللطيف الخبير.

رشید احمد

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ ہجری

باب مفسدات الصلوٰۃ والمکروہات

سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانے کا حکم:

سوال: نماز میں بحالت سجدہ اگر دونوں پیر زمین سے جدا ہو جائیں تو فساد صلوٰۃ کے حکم سے واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز اگر فساد صلوٰۃ کا حکم ہے تو کس بنا پر؟ اس میں تفصیلی وار جواب طلب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بحالت سجدہ پاؤں زمین پر رکھنے کے بارہ میں تین قول ہیں، فرض، واجب، سنت۔ قول ثانی راجح ہے۔ دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیحہ واحدہ رکھنا کافی ہے، پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ دیا تو واجب ادا ہو جائے گا، اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی، واضح رہے کہ ظہر قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے، اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ والحاصل ان المشہور فی کتب المذہب اعتماد الفرضیۃ والارجح من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیۃ ولذا قال فی العنایۃ والدرر انہ الحق ثم الاوجہ حمل عدم الفرضیۃ علی الوجوب واللہ اعلم (وبعد اسطر) قال فی الفیض ولو وضع ظہر القدم دون الاصابع بان کان المکان ضیقا او وضع احداہما علی ظہر الاخری لضیقہ صح کما لو قام علی قدم واحد وان لم یکن المکان ضیقا یکرہ اھ وافاد قولہ المصرح بہ ان توجیہ الاصابع نحو القبلۃ سنۃ یکرہ ترکہا کما فی البرجندی (رد المحتار ص ۳۴۱ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول سنہ ۹۸ھ

نماز میں ستر کھل جانے کا حکم :

سوال :- ایسی صدری پہن کر نماز ہوگی یا نہیں جس سے کہ رکوع و سجود میں جاتے وقت ناف سے نیچے کا حصہ کھل جاتے جس کو ڈھکنا فرض ہے ، اور نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں ؟ ستر کی کتنی مقدار کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اس صدری میں ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود اس میں نماز پڑھی یا غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور ربع عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی خواہ تھوڑی سی دیر ہی کے لئے ستر کھلا ہو اور اگر غیر اختیاری طور پر ستر کھل گیا تو اس میں یہ تفصیل ہو کہ اگر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک ربع عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی ، اس سے کم مقدار ہو یا وقت اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی ، جو عضو کھلا ہو اس کی چوتھائی معتبر ہے ، اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر ربع ہو گیا تو مفسد ہوگا ، اور اگر متعدد اعضاء کھل جائیں تو سب کا مجموعہ ان میں سے چھوٹے عضو کی چوتھائی کے برابر ہونا مفسد ہے ، ناف کی محاذات سے لے کر عانہ تک چاروں طرف ایک ہی عضو شمار ہوتا ہے ، عانہ کی ابتداء ناف سے نیچے سے ہو کر ختنے ہوتی ہے ، فی شرح التنویر وتجمع بالاجزاء لو فی عضو واحد والا فبالقدر فان بلغ ربع ادناها كاذن منع ، وفی الشامیة فی بیان اعضاء عورة الرجل الثامن مابین السرة الی العانة مع مایحاذی ذلك من الجنبين والظهر والبطن (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ محرم سنہ ۸۰ھ

تحقیق مسئلہ بالا :

سوال :- بخدمت مخدومی حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوں گے ، ایک سوال تحقیق طلب ارسال خدمت ہے ، محقق جواب ارقام فرما کر احسان فرمایا جائے ، امراض ظاہر و باطنہ سے شفاء کے لئے دعاء فرما کر مزید احسان فرمایا جائے ، فقط والسلام

عبد الستار عفی عنہ دارالافتاء خیر المدارس ملتان ۱ ر ۵ ر ۹۶ھ

اصلی بہشتی زیور میں ہے :

مسئلہ :- اگر نماز پڑھتے وقت چوتھائی پنڈلی یا چوتھائی ران ..... کھل جائے اور

اتنی دیر کھلا رہے جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ سکے تو نماز جاتی رہی (حصہ دوم ص ۳۱)

اس مسئلہ میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ زمان کثیر کی یہ مقدار (تین بار سبحان اللہ کہہ سکنا) صحیح ہے یا نہیں؟ منحۃ الخالق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین تسبیحات رکوع یا سجدے وغیرہ کی ہیں وہ عبارت یہ ہے: وقولہ او مکث قدر ما یؤدی فیہ رکنا) ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ قال شارحہا ابن امیر حاج ای بما لہ من السنۃ ای بما ھو مشروع فیہ من اکمال التسبیح کالتسبیحات فی الرکوع والسجود مثلا وھو تقیید غریب ووجہہ قریب ولم اقف علی التقیید بکونہ قصیرا او طویلا اھ ای تعیین الرکن ای ھل المراد منہ قدر رکن طویل بسنتہ کالقعود الاخیر والقیام المشتمل علی قراءۃ المسنون او قدر رکن قصیر کالرکوع او السجود بسنتہ ای قدر ثلاث تسبیحات وبالثانی جزم البرہان الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال وذلک مقدار ثلاث تسبیحات اھ فافاد ان المراد اقصر رکن ورکانہ لانہ الاحوط واللہ اعلم (منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق ص ۲۸۰ ج ۱)

الغرض منیہ کبیری، منحۃ الخالق وغیرہ کی عبارات سے بندہ کے فہم نارسا میں جو تحقیق آئی ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انکشاف عورت، قیام علی النجاسۃ، تقدم علی الامام اور ان کے دیگر نظائر کا زمان قلیل کے لئے پایا جانا دفع حرج کی غرض سے معاف ہے، ہاں اگر یہ امور زمن کثیر کے لئے باقی رہیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

زمن کثیر کی تحقیق | زمن کثیر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ اسی حالت انکشاف وغیرہ میں بالفعل ایک رکن ادا کر لیا جائے، اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بالفعل ادائے رکن ضروری نہیں بلکہ ادائیگی رکن بالفعل یا اتنا وقت جس میں ادائے رکن ہو سکے زمن کثیر ہے۔ اب چونکہ ارکان صلوٰۃ بعض طویل ہیں کالقعود الاخیر اور بعض قصیر ہیں کالرکوع والسجود تو تحقیق مذہب شیخین کے لئے اس کی تشریح ضروری ہوئی کہ رکن طویل کی ادائیگی بالقوۃ کا زمانہ معتبر ہے یا رکن قصیر کی ادائیگی کا، تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتیاطاً احتمال ثانی کو لے لیا ہے، فافاد ان المراد اقصر رکن ورکانہ لانہ الاحوط (منحۃ) کما مر ــــ لیکن اس تشریح کے باوجود مذہب شیخین میں ابھی ابہام باقی ہے، کیونکہ قصیر رکن مثلاً رکوع کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں:

① درجۂ فرض و رکنیت میں ادائیگی،

② تعدیل و طمانیت واجب سے ادائیگی،

③ رکوع کے ذکر مسنون کے ساتھ اس کی ادائیگی ۔

ان احتمالات میں سے حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتمال ثالث کو متعین فرمایا ہے، جیسا کہ منیہ وغیرہ میں مصرح ہے، درمختار و شامی میں ہے: قدر اداء رکن ای بسنتہ اھ۔ البحر الرائق میں ہے: وقدر الکثیر ما یؤدی فیہ رکن ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ اھ۔ اس تفصیل و تشریح سے مذہب شیخین بہ تحقیق و منقح ہوا کہ زمن کثیر اتنا وقت ہے کہ جس میں رکوع یا سجدہ ان کے ذکر مسنون و مشروع کے ساتھ ادا کیا جا سکے، اور یہ تین مرتبہ تسبیحات رکوع یا سجدہ کہہ سکنے کا زمانہ ہے، کیونکہ رکوع و سجدہ کا ذکر مشروع و مسنون تسبیحات رکوع و سجدہ ہی ہیں، نہ کہ سبحان اللہ، پس رکوع کو اس کے ذکر مسنون و مشروع کے ساتھ ادا کرنے کا زمانہ تین بار سبحان ربی العظیم کا زمانہ ہو سکتا ہے، پس یہی زمن کثیر ہے، نماز کے بارے میں خود مصلی کے لئے تسبیح کا لفظ عموماً جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہی تسبیحات رکوع و سجدہ ہوتی ہیں، کیونکہ نماز میں یہی تسبیح مشروع ہے، سنن صلوٰۃ میں فرماتے ہیں: والتسبیح فیہ ثلاثاً، سجدہ کے متعلق فرماتے ہیں: والتسبیح فیہ ثلاثاً اھ (ردالمحتار) مراد یہی مخصوص تسبیح ہے، تعدیل ارکان و اطمینان کے متعلق لکھتے ہیں: ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود اھ (ردالمحتار) وقال فی العنایۃ ومقدار الطمانینۃ بمقدار تسبیحۃ اھ وفی شرح الوقایۃ وھو بمقدار تسبیحۃ اھ

ان عبارات میں تسبیح سے مراد تسبیح رکوع یا سجدہ ہے، نہ کہ سبحان اللہ، کما قال فی عمدۃ الرعایۃ: ای قدر الاطمینان الواجب بمقدار تسبیحۃ واحدۃ من تسبیحات الرکوع والسجود اھ (شرح وقایہ سعیدی ص ۱۶۲) پس اسی طرح اس مقام پر بھی ثلاث تسبیحات سے مراد تسبیحات رکوع و سجود ہی ہوں گی، لہٰذا اس سے عموم مراد لیتے ہوئے اکتفاء علی الادنیٰ یعنی سبحان اللہ کرنا محل نظر ہے، نیز سبحانہ یا سبحانک، سبحان اللہ سے بھی مختصر ہے، پھر یہ کیوں مراد نہ لیا جائے!

اگر کسی فقیہ نے رکن بلا سنتہ کو مقدر بسبحان اللہ کیا ہے تو اس سے رکن بسنتہ کو بھی مقدر بسبحان اللہ کرنا لازم نہیں آتا، کیونکہ رکن قصیر کے اندر کوئی ذکر درجۂ فرض و واجب میں فرض و واجب نہیں اس لئے صریح تعیین بسبحان اللہ کی حاجت ہوئی، لیکن قدر رکن بسنتہ جس کی تشریح ای بما لہ من السنۃ ہے، اور جس کی توضیح ای بما ھو مشروع فیہ من الکمال السنی ہے، اور جس کی تمثیل کالتسبیحات فی الرکوع والسجود ہے، اس کی تقدیر

۲۶

سبحان اللہ کی کیا حاجت و ضرورت ہے؟ تجربہ بھی دیکھا ہوگا کہ ان دونوں میں سے افقہ واقدم کون ہے؟ فقط

الجواب باسم ملہم الصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ! بخیریت ہوں، مسئلہ مرسلہ میں آپ کی تحقیق صحیح ہے، آپ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں اور اپنے لئے دعاء کا متمنی ہوں، فقط والسلام علیکم

رشید احمد

۱۳ محرم ۸۵ھ

نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنے کا حکم:

سوال:- نماز کی حالت میں عورت کے ٹخنے کھلے رہے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً ربع عضو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک کھلا رہا تو نماز فاسد ہوجاتی ہے اور قصداً ربع عضو ایک لحظہ بھی کھلا چھوڑ دیا تو نماز فاسد ہوگئی، ربع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً، تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہرحال مفسد نہیں، ٹخنے پنڈلی کے ساتھ مل کر ایک عضو ہے اور ربع عضو سے کم ہے اس لئے نماز ہوجائے گی، قال فی العلائیۃ: ویمنع کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: فلو بہ فسدت فی الحال عندہم قنیۃ، قال ح ای وان کان اقل من اداء رکن اھ وفی القنیۃ اذا طرح المقتدی فی الزحمۃ امام الامام او فی صف النساء او مکان نجس او حول عن القبلۃ او طرحوا الزاملۃ او سقط عنہ ثوبہ او انکشفت عورتہ فیہا اذا تمکن ذلک فسدت صلوتہ وان قل والا فان ادی رکنا تمکن ذلک والا فان مکث بعض ولا تفسد فی قولہم والاول ظاہر الروایۃ عن محمد قنس اھ (رد المحتار ص ۳۰۹ ج ۱) وقال بعد ذکر الاعضاء الثمانیۃ من عورۃ الرجل وفی الحرۃ ہذہ الثمانیۃ ویزاد فیہا ستۃ عشر الساقان مع الکعبین الخ (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجب ۸۶ھ

باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی:

سوال:- باریک قمیص یا دوپٹہ اوڑھ کر عورت نے نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی جس سے بالوں کی رنگت نظر آئے، اسی طرح قمیص میں سے عورت کے بدن کا رنگ جھلکے تو نماز نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر للحرۃ جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والکفین فظهر الکف عورۃ علی المذهب والقدمین علی المعتمد (رد المحتار ص ۳۷۴ ج ۱) وقال فی الشامیة (قوله لا یصف ما تحته) بان لا یری منه لون البشرۃ احترازا عن الرقیق ونحو الزجاج (رد المحتار ص ۳۷۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ربیع الاول سنہ ۸۸ھ

چست لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال:- آجکل مغرب زدہ عورتیں ایسا تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں کہ اس میں سے مخفی اعضاء کی صورت وشکل نمایاں ہوتی ہے، کیا اس طرح عورت کو اپنے اعضاء دکھانا جائز ہے؟ اور ان کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے لباس میں نماز درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا چست لباس پہننا جس سے اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آئے حرام ہے، اس طور پر اعضاء مخفیہ دکھانا بھی حرام اور دیکھنا بھی حرام، اگرچہ بلا شہوت ہو، ایسا لباس اگر اتنا موٹا ہو کہ اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو تو اس میں اگرچہ نماز کا فرض ادا ہو جائے گا مگر حرام لباس میں نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہوگی، عورتوں کے لباس کی بنسبت مردوں کی چست پتلون زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ عورت نے چست کپڑے کے اوپر چادر یا دوپٹہ سے جسم چھپا کر نماز پڑھی تو اس میں کراہت نہیں، قال ابن عابدین رحمه الله تعالی (ولا یضر التصاقه) ای بالالیة مثلا وقوله وتشکله من عطف المسبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیة اما لو کان غلیظا لا یری منه لون البشرۃ الا انه التصق بالعضو وتشکل بشکله فصار شکل العضو مرئیا فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوۃ لحصول الستر اهـ قال ط وانظر هل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا او حیث وجدت الشهوۃ اهـ قلت سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر والذی یظهر من کلامهم هناک هو الاول (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۸۱ھ

وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لی:

سوال:۔ بھولے سے دو وتر پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور نفلوں کی نیت باندھ لی، پھر یاد آیا کہ دو رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً نیت توڑ کر کھڑا ہو گیا، اور ایک رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے نماز تمام کی تو وتر ہو گئے یا نہیں؟ یا پھر سے پڑھنا واجب ہو گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر دوبارہ پڑھنا واجب ہے، البتہ اگر نفل کی نیت نہ باندھی ہوتی اور کوئی کام و کلام مفسدِ نماز نہ کیا ہوتا تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جاتی، قال فی الہندیۃ ومن صلی من المغرب ركعتين وقعد قدر التشهد وزعم انه اتمه فسلم ثم قام فكبر ونوى الدخول في سنة المغرب وقد سجد للسنة اولا فصلوة المغرب فاسدة لانه صار منتقلا من الفرض الى النفل قبل فراغه، اما اذا سلم وتذكر انه لم يتم فحسب ان صلوته فسدت فقام وكبر للمغرب ثانيا وصلى ثلاثا ان صلى ركعة وقعد قدر التشهد اجزأه المغرب والا فلا (عالمگیریۃ ص ۱۰۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا:

سوال:۔ زید نے بھولے سے فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اور وہ دعاء میں مشغول ہو گیا، اللهم انت السلام الخ پڑھنے پایا تھا کہ یاد آیا کہ تین رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر دی تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ جبکہ نہ قبلہ سے سینہ پھرا اور نہ کسی سے گفتگو کی، بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز ہو گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے:

سوال:۔ زید نے نماز کا ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ بکر آگے سے نکل گیا، تو بکر گنہگار ہو گا یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے، لہٰذا بکر گنہگار ہو گا، تو کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب:۔ اس صورت میں بکر گنہگار نہیں ہو گا، کیونکہ

نماز پہلے سلام سے ختم ہو جاتی ہے بلکہ لفظ السلام یعنی علیکم کہنے سے بھی پہلے ہی نماز پوری ہو جاتی ہے دونوں سلام واجب ہیں مگر سلام ثانی خارج صلوٰۃ میں واجب ہے اس لئے اگر کوئی پہلا السلام کہنے کے بعد علیکم کہنے سے قبل اقتداء کرے تو اقتداء صحیح نہیں، کما فی الدر المختار ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الاصح برہان دون علیکم وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ وفی الشامیۃ قولہ (وتنقضی قدوۃ بالاول) ای بالسلام الاول وقال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلا فی صلوتہ لان ھذا سلام الا تری انہ لو اراد ان یسلم علی احد فی صلوتہ ساھیا فقال السلام ثم علم فسکت تفسد صلوتہ اھ رحمتی (رد المحتار ص ۴۶۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم سنہ ۸۳ھ

نماز میں ڈکار آنا:

سوال: دوران نماز اگر ڈکار آجائے جس سے آواز پیدا ہو تو نماز درست ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز درست ہو جائے گی، مگر حتی الامکان آواز کو روکنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شعبان سنہ ۸۳ھ

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: زید نے وضو کرنے کے لئے آستین چڑھائی تھی اب رکعت جانے کے خوف سے جلدی میں بغیر آستین اتارے جماعت میں شامل ہو گیا، تو کیا زید کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اگر مکروہ ہوگی تو تنزیہی یا تحریمی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا وجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر نماز سے پہلے کسی کام کے لئے یا وضو کے لئے آستینیں چڑھائی تھیں اور اسی طرح نماز شروع کردی یا اسی ہیئت ہی میں ہے تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، بہرصورت بہتر یہ ہے کہ نماز کے اندر ہی عمل قلیل سے آستینیں گرادے۔ قال فی شرح التنویر وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای کما لو دخل فی الصلوٰۃ وھو مشمر کمہ او ذیلہ واشار بذلک الی

ان الکراھۃ لا تختص بالکف وھو فی الصلوٰۃ کما افادہ فی شرح المنیۃ لکن قال فی القنیۃ واختلف فیمن صلی وقد شمر کمیہ لعمل کان یعمل قبل الصلوٰۃ او ھیئتہ ذلک اھ ومثلہ ما لو شمر للوضوء ثم عجل لادراک الرکعۃ مع الامام واذا دخل فی الصلوٰۃ کذلک وقلنا بالکراھۃ فھل الافضل ارخاء کمیہ فیہا بعمل قلیل او ترکہما لم ارہ والاظہر الاول بدلیل قولہ الآتی ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتہا افضل تأمل ھذا وقید الکراھۃ فی الخلاصۃ والمنیۃ بان یکون رافعا کمیہ الی المرفقین وظاھرہ انہ لا یکرہ الی ما دونہما قال فی البحر والظاھر الاطلاق لصدق کف الثوب علی الکل اھ وکذا قال فی شرح المنیۃ الکبیر ان التقیید بالمرفقین اتفاقی قال وھذا لو شمرھما خارج الصلوٰۃ ثم شرع فیہا کذلک اما لو شمر وھو فیہا تفسد لانہ عمل کثیر (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱) وقال ایضا تحت (قولہ ای رفعہ) وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ (ص ۵۹۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰/ محرم سنہ ۸۹ھ

سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: بعض لوگ نماز میں عادۃً سجدہ میں جاتے وقت پاجامہ یا تہبند کو اٹھا لیتے ہیں یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائیۃ وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود، بحر وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ (رد المحتار ص ۵۹۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲/ جمادی الآخرہ سنہ ۸۴ھ

آدھی آستین کے کرتہ میں نماز مکروہ نہیں:

سوال: آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کو درمیان صف سے نکالنا چاہیے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اگر اس کو ثیاب بذلہ میں شمار کیا جاتا ہو اور اس کو عام مجلس میں پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو مکروہ ہے، بہرصورت اس کو صف سے نکالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

رومال وعقال سدل میں داخل نہیں:

سوال:۔ سر پر کپڑا ڈال کر اگر اس پر عقال باندھ دیا جائے جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے، یہ سدل میں شامل ہوگا یا نہیں؟ نیز اس سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سدل کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی کراہت کی تین وجوہ ہیں:

(۱) اہل کتاب سے تشبہ

(۲) کشف عورت کا خطرہ، اور یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ صرف سر پر کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جائے اور ازار وغیرہ نہ ہو۔

(۳) لبس غیر معتاد

رومال سر پر ڈال کر جو عقال باندھا جاتا ہے یہ لبس معتاد ہے، اس میں کشف عورت کا بھی خطرہ نہیں، اور تشبہ باہل کتاب بھی نہیں، اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

نمازی کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اٹھ کر جاسکتا ہے:

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی مصلی کے سامنے بیٹھا ہوا ہو تو وہ اٹھ کر جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جاسکتا ہے، قال فی رد المحتار تحت عنوان (تتمۃ) من القنیۃ اذا اراد المرور بین یدی المصلی فان کان معہ شیء یضعہ بین یدیہ ثم یمر و یأخذہ ولو مر اثنان یقوم احدھما امامہ ویمر الآخر ویفعل الآخر ھکذا ویمران (رد المحتار ص۴۳۷ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ صفر ۱۴۰۸ھ

نمازی کے سامنے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نمازی کے آگے سے تین صف چھوڑ کر یا چار صف چھوڑ کر نکلنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کوئی چھوٹی مسجد یا کمرے یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کا کل رقبہ ۱۶۰۰ ہاتھ = ۳۳۴٫۲۵۱ مربع میٹر سے کم ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ قریب سے گزرے یا دور سے، بہر حال گناہ ہے۔ البتہ اگر کل فضاء رقبہ ۳۳۴٫۲۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے کمرے یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہو وہاں تک گزرنا جائز نہیں، اس سے ہٹ کر گزرنا جائز ہے، بندہ نے اس کا اندازہ لگایا تو سجدہ کی جگہ سے ایک صف کے قریب ہوا، لہٰذا نمازی کے موضع قیام سے دو صف کی مقدار (تقریباً آٹھ فٹ = ۲٫۴۴ میٹر) چھوڑ کر گزرنا جائز ہے، قال شارح التنویر فی مفسدات الصلوٰۃ (ومرور مار فی الصحراء او فی مسجد کبیر بموضع سجودہ) فی الاصح (او مرورہ بین یدیہ) الی حائط القبلۃ (فی بیت ومسجد صغیر) فانہ کبقعۃ واحدۃ، وفی الشامیۃ (قولہ فی الاصح) ہو ما اختارہ شمس الائمۃ وقاضی خان وصاحب الہدایۃ واستحسنہ فی المحیط وصححہ الزیلعی ومقابلہ ما صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع واختارہ فخر الاسلام ورجحہ فی النہایۃ والفتح انہ قدر ما یقع بصرہ علی المار لو صلی بخشوع ای رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ وارجع فی العنایۃ الاول الی الثانی بحمل موضع السجود علی القریب منہ وخالفہ فی البحر وصحح الاول وکتبت فیما علقتہ علیہ عن التجنیس ما یدل علی ما فی العنایۃ فراجعہ (قولہ فی بیت) ظاہرہ ولو کبیرا وفی القہستانی وینبغی ان یدخل فیہ ای فی حکم المسجد الصغیر الدار والبیت (قولہ ومسجد صغیر) ہو اقل من ستین ذراعا وقیل من اربعین وہو المختار کما اشار الیہ فی الجواہر قہستانی (رد المحتار ص ۴۲۳ ج ۱) وقال الرافعی (قولہ ظاہرہ ولو کبیرا الخ) لکن ینبغی تقییدہ بالصغیر کما تقدم فی الامامۃ تقیید الدار بالصغیرۃ حیث لم یجعل فصل الصفین مانعا من الاقتداء بخلاف الکبیرۃ وفی الخانیۃ معزیا للجواہر عن فتاوی شمس الائمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن الدار ان لہا حکم المسجد ام حکم الصحراء فی حکم اتحاد المکان واختلافہ قال اختلفوا فیہ بعضہم قالوا ان کان ستین ذراعا فی ستین ذراعا بمنزلۃ الشاہجہان

فی کبیرۃ ولا فی صغیرۃ وبعضہم قالوا ان کان اربعین ذراعا ففی اربعین ذراعا فی کبیرۃ ولا فی صغیرۃ عندنا هو المختار هکذا فی الفتاوی (التاتارخانیۃ فی عمدۃ الخزانۃ ص ۱۷۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۰ ذی قعدہ ۸۶ھ

رومال یا چھڑی کا سترہ بنانا:

سوال: ایک شخص نمازی کے سامنے سے گزرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کرکے اس کے پیچھے سے گزر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا۔ ونصہ: واذا کان معہ عصا لا تقف علی الارض بنفسہا فامسکہا بیدہ ومر من خلفہا ہل یکفی ذلک لم ارہ (رد المحتار ص ۵۹۱ ج ۱) لیکن بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں، لہٰذا بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ عند البعض لکڑی زمین پر لٹا دینا یا خط کھینچ دینا بھی سترہ کے لئے کافی ہے، علاوہ ازیں مسجد کبیر اور صحراء میں موضع سجود کے ساتھ کراہت مرور کی تخصیص کا قول بھی صحیح ہے، بوقت ضرورت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۹۰ھ

بوقت ضرورت سترہ کی مختلف صورتیں:

سوال: اگر نمازی اپنے سامنے دستی بیگ یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لے تو اس کے سامنے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سترہ کم از کم ایک ہاتھ اونچا ہونا چاہئے، اس سے کم اونچائی کے اعتبار میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ بقدر ذراع سترہ میسر نہ ہو تو اس سے کم بھی کافی ہے، بوقت ضرورت سترہ کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً

① کوئی ایسی چیز جو ایک ذراع سے کم بلند ہو،
② چھڑی وغیرہ لٹا لینا، اگر کھڑی نہ ہو سکے،
③ سامنے خط کھینچ لینا۔

چھڑی اور خط طولاً یعنی قبلہ رخ ہونا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ عرضاً بھی جائز ہے،

④ جانماز یا کپڑا بچھا کر اس پر نماز پڑھنا،

⑤ اگر دو آدمی گزرنا چاہیں تو ایک نمازی کے سامنے اس کی طرف پشت کرکے کھڑا ہوجائے، دوسرا گزر جائے، پھر دوسرا اسی طرح نمازی کے سامنے ہوجائے اور پہلا گزر جائے،

⑥ ایک قول صحیح یہ بھی ہے کہ ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۳۳۴٫۴۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد اور صحرا میں موضع سجود سے ہٹ کر گزرنا بدون سترہ جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رمضان [illegible]

مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا کیسا ہے؟ کیا اس کا حکم دوسری مساجد کی طرح ہے یا کچھ مختلف ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مسئلہ میں مسجد حرام کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ دوسری بڑی مساجد کی طرح اس میں بھی نمازی کے مقام سے دو صفوں کی جگہ چھوڑ کر گزرنا جائز ہے، اس حد کے اندر گزرنا جائز نہیں، مگر طواف کرنے والے موضع سجود چھوڑ کر گزر سکتے ہیں، قال فی الشامیۃ (تنبیہ) ذکر فی حاشیۃ المدنی لا یمنع المار داخل الکعبۃ وخلف المقام وحاشیۃ المطاف لما روی احمد وابوداود عن المطلب بن ابی وداعۃ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی مما یلی باب بنی سہم والناس یمرون بین یدیہ ولیس بینہما سترۃ وہو محمول علی الطائفین فیما یظہر لان الطواف صلوٰۃ فصار کمن بین یدیہ صفوف من المصلین انتہی ومثلہ فی البحر العمیق وحکاہ عز الدین بن جماعۃ عن مشکلات الآثار للطحاوی ونقلہ المنلا رحمہ اللہ فی منسکہ الکبیر ونقلہ سنان افندی ایضاً فی منسکہ اھ وسیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ تأیید ذلک فی باب الاحرام من کتاب الحج (ردالمحتار ص ۴۲۵ ج ۱) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لا یمنع المار داخل الکعبۃ الخ) المرور بین یدی المصلی فی موضع سجودہ داخل الکعبۃ لا شک فی کراہتہ وان وراءہ او خلف المقام او حاشیۃ المطاف فلا یتوہم فیہ الکراہۃ حیث کان لا فی موضع السجود ہذا معلوم من کلام المصنف فان المسجد کبیر ولا حاجۃ حینئذ الی حمل الوارد علی الطائفین (التحریر المختار ص ۸۳ ج ۱)۔

قلت حمل الورود علی لفظ العين محمول علی ان منع المرور مختص بموضع السجود بل هو تنبیہ علی ما ینفع بمرور علی المار والمصلی بخشوع ای برامیا ببصرہ الی موضع سجودہ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲؍محرم ۹۹ھ

فسادِ وضو کے عذر سے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا:

سوال:- زید اول جماعت میں شریک تھا کہ ریح خارج ہوگئی، اب زید نمازیوں کے سامنے سے نکل کر وضو کرنے جائے تو سامنے سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ درمیان سے گزرنا مشکل ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، بلکہ صف کے درمیان سے چیرنے کی بنسبت سامنے سے گزرنا اہون و اولیٰ ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵؍رجب ۹۹ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا:

سوال:- گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز ادا کرنا باوجودیکہ نیچے جگہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اوپر بھی ایک منزل مسجد کا برآمدہ ہو۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فی الهندية فی الباب الخامس من الکراهية الصعود علی سطح المسجد مکروہ، ولهذا اذا اشتد الحر يكره ان يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة كذا فى الغرائب اھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر اس میں یہ تفصیل بنظر فقہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اوپر مسقف منزل نہ ہو تو چھت پر چڑھنا اور نماز پڑھنا بہرکیف مکروہ ہے، اور اگر اوپر بھی مسقف ہے تو اس میں منفرداً نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے، اور نچلی منزل میں جگہ ہوتے ہوئے اوپر کی منزل میں جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، هذا عندی ولعل عند غیری احسن منه، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹؍صفر ۸۸ھ

نمازی کا عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم:

سوال:- مسجد میں سامنے دیوار کے پاس الماریاں رکھی ہوئی ہیں جن میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں، اور الماریوں میں شیشے لگے ہوئے ہیں، جو شخص صف میں ان کی محاذات میں ہوتا ہے

اس کا عکس نظر آتا ہے، ایسا عکس نہیں جیسا کہ منہ دیکھنے کے آئینہ میں نظر آتا ہے، بلکہ ایسا عکس ہے جیسا کہ پانی میں نظر آتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا عکس نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز میں اس کی طرف توجہ جاتی ہو اور یکسوئی میں مخل ہو تو ایسا شیشہ لگانا مکروہ ہے، ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی کراہت نہیں، جیسا کہ مصلی کا سایہ بحالت نماز سامنے پڑنا موجب کراہت نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱؍رجب [illegible]

ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال:- اگر مرد سونا یا ریشم پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ہفتم و ہشتم ص ۲۴۵ میں درج ہے کہ ”سونا اور ریشم پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے“، اس بارہ میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ وستر عورتہ ولو بما لا یحل لبسہ کثوب حریر وان اثم بلا عذر کالصلوٰۃ فی الارض المغصوبۃ (رد المحتار ص ۲۷۴ ج ۱) مگر حالت ارتکاب کبیرہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز کراہت کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ متکبرین اور فساق کا لباس ہے، لہٰذا یہ نماز واجب الاعادہ ہے، لما فی مکروہات الصلوٰۃ من الہدایۃ والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وہذا الحکم فی کل صلوٰۃ اديت مع الکراہۃ (فتح القدیر ص ۳۶۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲؍شوال [illegible]

لہسن یا پیاز کھا کر گھر میں بھی نماز مکروہ ہے:

سوال:- لہسن پیاز کھا کر اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو نماز مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پیاز یا لہسن کھانے کے بعد منہ کی بدبو زائل کئے بغیر گھر میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ دربار خداوندی کی عظمت کے خلاف ہے اور بدبو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز کھانے سے منع فرمایا، عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الثوم الا مطبوخا رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص ۳۶۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳؍محرم [illegible]

حالتِ نماز میں بیڑی سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں:

سوال: مسجد میں بیڑی سگریٹ یا نسوار بعض جیب سے نکال کر صحن میں رکھ دیتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بدبودار چیزوں کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟ یا جیب میں رکھ کر ایسی چیزوں کو نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی بدبودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت میں جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز صحیح ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵/ رجب سنہ ھ

نماز میں چلنا:

سوال: مشی فی الصلوٰۃ کس صورت میں مفسد ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی شرح التنویر (فروع) مشی مستقبل القبلۃ هل تفسد ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی ووقف کذلک وهکذا لا تفسد وان کثر ما لم یختلف المکان وقیل لا تفسد حالۃ العذر ما لم یستدبر القبلۃ استحسانا ذکرہ القهستانی وفی الشامیۃ (قوله ما لم یختلف المکان) ای بان خرج من المسجد او تجاوز الصفوف لو الصلوٰۃ فی الصحراء فحینئذ تفسد کما فی المنح (قوله قدر صف) ای دفعۃ واحدۃ قال فی شرح المنیۃ وهذا بناء علی ان الفعل القلیل غیر مفسد ما لم یتکرر متوالیا وعلی ان اختلاف المکان مبطل ما لم یکن لاصلاحها وهذا اذا کان قدامه صفوف واما ان کان اماما فجاوز موضع سجودہ فان بقدر ما بینه وبین الصف الذی یلیه لا تفسد وان اکثر فسدت وان منفردا فالمعتبر موضع سجودہ فان جاوزہ فسدت والا فلا والبیت للمرأۃ کالمسجد عند ابی علی النسفی وکالصحراء عند غیرہ اھ وقال تحت (قوله وقیل لا تفسد حالۃ العذر) وذکر فی الحلیۃ ایضا فی فصل المکروهات ان الذی تقتضیه القواعد المذهبیۃ المستندۃ الی الادلۃ الشرعیۃ وورد به التصریح فی بعض الصور الجزئیۃ ان المشی لا یخلو اما ان یکون بلا عذر او بعذر والاول ان کان کثیرا متوالیا تفسد وان لم یستدبر القبلۃ وان کان کثیرا غیر متوال بل تفرق فی رکعات او کان قلیلا فان استدبر ها فسدت صلوٰته للمنافی بلا ضرورۃ والا فلا وکرہ لما عرف ان ما افسد کثیرہ کرہ قلیله بلا ضرورۃ والثانی بعذر فان کان لطهارۃ عند سبق

العذر وفی صلوٰۃ الخوف لم یفسدها ولم یکرہ قل او کثر استدبر او لا وان لغیر ما ذکر فان استدبر معه فسدت قل او کثر وان لم یستدبر فان قل لم یفسد ولم یکرہ وان کثیرا متلاحقا افسد وان غیر متلاحق فقل لکونه مفسدا او مکروہا خلاف وتمامه فیه اھ ملخصا ثم ان ما فی هذا الباب والذی یظهر ان الکثیر الغیر المتلاحق غیر مفسد ولا مکروہ اذا کان لعذر (رد المحتار ص ۵۵۰ ج ۱) وفی باب الاستخلاف من العلائیة ثم علامة ما لم یجاوز الصفوف لو فی الصحراء ما لم یتقدم فحده السترة او موضع السجود علی المعتمد کالمنفرد وما لم یخرج من المسجد او الجبانة او الدار لو کان یصلی فیه وفی الشامیة (قوله ما لم یتقدم) ای فحکم المتقدم فان المتن کالهدایة وحاصله ان حد الصفوف ان ذهب یمنة او یسرة او خلفا وان ذهب اماما فحده السترة او موضع السجود ان لم یکن سترة قال فی الفتح وهو الاوجه وفی البدائع انه الصحیح قال فی البحر فما فی الهدایة من ان الامام اذا لم یکن بین یدیه سترة فالمعتبر فیه مقدار الصفوف خلفه ضعیف اھ لکن قال الخیر الرملی ان المتعقب علی اعتماد ما فی الهدایة فکیف یکون ضعیفا (قوله کالمنفرد) فان المعتبر فیه موضع سجوده من الجوانب الاربع الا اذا مشی امامه وبین یدیه سترة فیعطی لداخلها حکم المسجد بحر عن البدائع (قوله او الدار) لکن الظاهر کما فی الزیلعی والبحر والظاهر ان المراد بها الصغیرة لما قدمناه فی موانع الاقتداء ان الصغیرة کالمسجد والکبیرة کالصحراء وان المختار فی تقدیر الکبیرة اربعون ذراعا تأمل (رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۱) وقال الرافعی رحمه الله تعالی (قوله هو اقل من ستین ذراعا) وفی حاشیة عبد الحلیم الصغیر ما یکون اقل من جریب کما فی البرجندی اھ والجریب ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری سبع قبضات تأمل (التحریر المختار ص ۸۳ ج ۱)

عبارات بالا کا خلاصہ یہ ہے:

① بلا عذر مشی کثیر متوالی مفسد ہے۔

② بلا عذر مشی غیر متوالی خواہ کثیر ہو یا قلیل، مفسد نہیں، مکروہ ہے، البتہ اختلاف مکان مفسد ہے۔

③ عذر طہارت اور صلوٰۃ خوف میں مشی بہر کیف نہ مفسد ہے نہ مکروہ۔

④ عذر مذکور کے سوا کسی اور عذر سے مشی کثیر متوالی مفسد ہے۔

⑤ بالعذر مشی کثیر غیر متوالی اور مشی قلیل نہ مفسد ہے نہ مکروہ۔

⑥ انحراف عن القبلہ بقدر عبارت وصلوٰۃ خوف کے سوا ہر حال میں مفسد ہے۔

⑦ بقدر رد صف یعنی کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔

⑧ عدم اختلاف مکان سے مراد یہ ہے کہ مسجد یا ۱۰ مربع فٹ=۳۶۰۰ مربع سے چھوٹے مکان سے باہر نہ نکلے، اور بڑے مکان یا صحرا میں ہو تو مقتدی جانب ارجح میں صفوف سے تجاوز نہ کرے، اور امام و منفرد جانب یمین و یسار و خلف کے سوا باقی تین (ان میں صفوف سے) اور جانب قبلہ میں سترہ سے تجاوز نہ کرے، اگر سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے آگے نہ بڑھے، اور ایک قول کے مطابق امام اور اس کے پچھلی صف کے درمیان جتنی جگہ ہو اس قدر امام آگے نہ بڑھے، تیسرا قول یہ ہے کہ پیچھے تمام صفوں کے مقام کے برابر آگے نہ بڑھے، اور منفرد چاروں طرف موضع سجود کے برابر مقام سے تجاوز نہ کرے، البتہ سامنے سترہ ہو تو سامنے کی طرف سترہ سے آگے نہ بڑھے۔

عبارت رافعی یہ ستون فی ستین سے معلوم ہوتا ہے کہ اربعون ذراعاً سے بھی اربعون فی اربعین مراد ہے، مگر عام کتب کی عبارت کا مفہوم متبادر چالیس مربع گز ہے۔

⑨ مشی غیر متوالی سے مراد یہ ہے کہ قدر کثیر سے قبل کم از کم بقدر رکن توقف کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ربیع الآخر سنہ ۸۹ھ

نماز میں بلا ضرورت کھجانا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: نماز میں کھجانے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت ایک بار بھی کھجانا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدون کھجائے نماز میں یکسوئی نہ ہو تو ایک یا دو بار کھجانا بلا کراہت جائز ہے، اور تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت میں تین بار بضرورت کھجانا بھی مفسد ہے۔

قال فی مکروھات الصلوٰۃ من العلائیۃ وعبثہ بہ ای بثوبہ وبجسدہ للنھی الا لحاجۃ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ للنھی) وھو ما اخرجہ القضاعی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کرہ لکم ثلاثا العبث فی الصلوٰۃ والرفث فی الصیام والضحک فی المقابر وھی کراھۃ تحریم کما فی البحر (قولہ الا لحاجۃ) کحک بدنہ لشیء اکلہ واضرہ وسلت العرق یؤلمہ ویشغل قلبہ وھذا لو بدون عمل کثیر (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱)

وفی مکروھات المراقی کعبثہ بثوبہ وبدنہ لانہ ینافی الخشوع الذی ھو روح الصلوٰۃ

فکان مکروھا (الی قولہ) ورأی علیہ الصلوٰۃ والسلام رجلا یعبث بلحیتہ فی الصلوٰۃ فقال لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ. وقال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ویکون مکروھا ای تحریما لانہ العبث وغیرہ (طحطاوی علی المراقی ص ۱۹۰) وقال فی الھدایۃ ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ (وفی الشرح) والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطھا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وھذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ (وقال ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ) (قولہ وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذکور اعنی قولہ وتعاد یفیدہ ایضا اعنی ما ذکرنا والحق التفصیل بین کون تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیہ فتستحب (فتح القدیر ص ۲۹۰ ج ۱) مطلق کراہت سے کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے، اور شامیہ سے بحوالہ بحر اور طحطاوی سے بحوالہ سید وغیرہ کراہت تحریمیہ کی تصریح گزر چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ۳۰ رمضان المبارک ۸۳ھ

مسلسل تین بار کھجانا مفسد نماز ہے:

سوال: فتاوی عالمگیری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکن میں تین دفعہ کھجانے سے نماز فاسد ہو گی، اگر کسی کو خارش کا مرض ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جبکہ بغیر کھجائے رہا نہ جائے کیونکہ یہ تو معذور ہے، شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تین دفعہ کھجانے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھا کر، اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھایا بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھجایا تو نماز فاسد نہ ہو گی، کما ذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ونصہ قال فی القنیۃ الحک بید واحدۃ فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلوٰۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ وفی الجوھرۃ عن الفتاوی اختلفوا فی الحک ھل الذھاب والرجوع مرۃ او الذھاب مرۃ والرجوع اخری (رد المحتار ص ۵۹۱ ج ۱) نیز اگر تین بار اس طرح کھجایا کہ تیسری حرکت سے پہلے تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت گزر گیا تو اس طرح تین بار کھجانا بھی مفسد نہیں، لان المفسد ھو کون الحرکات الثلاث متوالیۃ کذا فی الشامیۃ ص ۵۹۳ ج ۱

زیادہ مجبوری کی حالت میں نماز کو اس طرح مختصر کیا جا سکتا ہے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اکتفاء کرے، سنن و آداب کو ترک کر دے، قیام میں ثناء، تعوذ اور تسمیہ چھوڑ دے، سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد تین آیات تک قراءت کرے، رکوع اور سجود میں صرف ایک تسبیح کی مقدار ادا کرے، قعود آخری تشہد میں ۲۶

صرف تشہد اور اس کے بعد اللّٰھم صل علی محمد تک پڑھ کر سلام پھیر دے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر درود شریف فرض ہے، بہتر ہے کہ سلام سے قبل رب اجعلنی جیسی مختصر دعاء بھی پڑھ لے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ شوال سنہ ۸۶ھ

عمل کثیر کی تعریف:

سوال:- عمل کثیر جو مفسد صلوٰۃ ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ اگر مثال سے واضح فرمادیں تو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عمل کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں:-

① ایسا عمل کہ اس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والے کو ظن غالب ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں، جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا ظن غالب نہ ہو بلکہ شبہ ہو وہ قلیل ہے۔

② جو کام عادۃً دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند باندھنا اور عمامہ باندھنا وہ کثیر ہے خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے، اور جو عمل عادۃً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ دونوں ہاتھوں سے بھی کرے تو قلیل ہے، جیسے ازار بند کھولنا اور ٹوپی سر سے اتارنا۔

③ تین حرکات متوالیہ یعنی تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت میں ہوں تو عمل کثیر ہے ورنہ قلیل۔

④ ایسا عمل کثیر ہے جو فاعل کا ایسا مقصود ہو کہ اس کو عادۃً مستقل مجلس میں کرتا ہو جیسے حالت نماز میں بچے نے عورت کا دودھ پی لیا۔

⑤ نمازی کی رائے پر موقوف ہے وہ جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے۔

پہلے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں، اور درحقیقت تینوں کا حاصل ایک ہی ہے، اس لئے کہ قول ثانی و ثالث میں مذکور عمل کے فاعل کو دیکھنے سے غیر نماز میں ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے، قال فی العلائیۃ ویفسدھا کل عمل کثیر لیس من اعمالہا ولا لاصلاحہا وفیہ اقوال خمسۃ اصحہا ما لا یشک بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انہ لیس فیہا وان شک انہ فیہا ام لا فقلیل، قال فی الشامیۃ (قولہ وفیہ اقوال خمسۃ اصحہا ما لا یشک الخ) صححہ فی البدائع وتابعہ الزیلعی والولوالجی وفی المحیط انہ الاحسن وقال الصدر الشہید انہ الصواب وفی الخانیۃ والخلاصۃ انہ اختیار العامۃ وقال فی المحیط وغیرہ رواہ الثلجی عن اصحابنا حلیۃ القول الثانی

ان ما یعمل عادۃ بالیدین کثیر وان عمل بواحدۃ کالتعمم وشد السراویل وما عمل بواحدۃ قلیل وان عمل بھما کحل السراویل ولبس القلنسوۃ ونزعھا الا اذا تکرر ثلاثا متوالیۃ وضعفہ فی البحر بانہ قاصر عن افادۃ ما لا یعمل بالید کالمضغ والتقبیل، الثالث الحرکات الثلاث المتوالیۃ کثیر والا فقلیل، الرابع ما یکون مقصودا للفاعل بان یفرد لہ مجلسا علیحدۃ قال فی التتارخانیۃ وھذا القائل یستدل بامرأۃ صلت فلمسھا زوجھا او قبلھا بشھوۃ او مص صبی ثدیھا وخرج اللبن تفسد صلاتھا الخامس التفویض الی رأی المصلی فان استکثرہ فکثیر والا فقلیل، قال القھستانی وھو شامل للکل واقرب الی قول ابی حنیفۃ فانہ لم یقدر فی مثلہ بل یفوض الی رأی المبتلی اھ قال فی شرح المنیۃ ولکنہ غیر مضبوط وتفویض مثلہ الی رأی العوام مما لا ینبغی واکثر الفروع او جمیعھا مفرع علی الاولین والظاھر ان ثانیھما لیس خارجا عن الاول لان ما یقام بالیدین عادۃ یغلب ظن الناظر انہ لیس فی الصلوۃ وکذا قول من اعتبر التکرار ثلاثا متوالیۃ فانہ یغلب الظن بذلک فلذا اختارہ جمھور المشایخ اھ (ردالمحتار ص۴۲۴ج۱)

فائدہ: بعض عبارات میں ثلاث حرکات متوالیہ کی بجائے ثلاث حرکات فی رکن ہے، اس میں رکن سے مقدارِ رکن مراد ہے یعنی جتنے وقت میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے، ظاہر ہے کہ اتنے وقت میں تین حرکات واقع ہوں تو وہ متوالیہ ہی ہوں گی، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ وحدۃ رکن کے ساتھ توالی بھی شرط ہے، سو کسی طویل رکن میں تین حرکات کا اس طرح وقوع کہ آخری حرکت بقدر رکن وقت کے بعد ہو مفسد نہیں، قول اول جو اصل الاقوال واعم ہے اس کے مطابق بھی فقط حرکات متوالیہ مفسد ہوں گی، اس لئے کہ ثلاث حرکات غیر متوالیہ دیکھنے والے کو غیر نماز میں ہونے کا ظن غالب نہیں ہوتا، اگرچہ یہ تینوں حرکات ایک ہی رکن میں ہوں، بالخصوص جبکہ رکن طویل ہو اور حرکات کے درمیان وقفہ بھی زیادہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ جمادی الآخرہ ۸۵ھ

نماز میں دونوں ہاتھوں سے ٹوپی سر پر رکھنا:

سوال: دورانِ نماز میں ٹوپی اگر بحالت سجدہ میں گر جائے تو دونوں ہاتھوں سے سر پر رکھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس قسم کی ٹوپی ہو جو عادۃً ایک ہاتھ سے سر پر رکھی جاتی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایسی ٹوپی ہو جو عادۃً دو ہاتھوں سے پہنی جاتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، قال فی شرح التنویر ویفسدہا کل عمل کثیر لیس من اعمالہا ولا لاصلاحہا وفیہ اقوال خمسۃ اصحہا ما لا یشک بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انہ لیس فیہا۔ وفی الشامیۃ القول الثانی ان ما یعمل عادۃ بالیدین کثیر وان عمل بواحدۃ کالتعمم وشد السراویل وما عمل بواحدۃ قلیل وان عمل بہما کحل السراویل ولبس القلنسوۃ ونزعہا الا اذا تکرر ثلاثا متوالیۃ و[illegible] عن شرح المنیۃ والظاہر ان ثانیہما لیس خارجا عن الاول لان ما یقام بالیدین عادۃ یغلب ظن الناظر انہ لیس فی الصلوٰۃ (رد المحتار ص ۴۳۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ صفر سنہ ۹۱ھ

حالت نماز میں سانپ مارنا

سوال: زید نے دوران نماز ایک سانپ کو مار دیا، اور سینہ قبلہ سے نہ پھیرا اور مار کر پھر نماز پوری کی، تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ جبکہ سانپ بھی قبلہ کی طرف بھاگا، ادھر ادھر نہ ہوا، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سانپ مارنے میں عمل کثیر ہو یعنی دو سے زیادہ ضربیں لگائیں یا قبلہ کی طرف اتنا چلا کہ مقام سجود سے آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہو گئی، ورنہ فاسد نہ ہوگی، اگر سانپ سے خوف ایذاء ہو تو نماز میں عمل قلیل سے مارنا بلا کراہت جائز ہے ورنہ مکروہ ہے، بحالت خوف ایذاء عمل قلیل سے مارنا ممکن نہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے، مقام سجدہ سے تجاوز کا مذکور حکم منفرد کے لئے ہے، مقتدی کی نماز جب فاسد ہوگی کہ سامنے کی دو صفوں تک چلے اور امام کی اس صورت میں کہ اس کے اور اس سے پچھلی صف کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے، قال فی العلائیۃ لا یکرہ قتل حیۃ او عقرب ان خاف الاذی (الی قولہ) مطلقا ولو بعمل کثیر علی الاظہر لکن صحح الحلبی الفساد، وفی الشامیۃ (قولہ لکن صحح الحلبی الفساد) حیث قال تبعا لابن الہمام فالحق فیما یظہر ہو الفساد والامر بالقتل لا یستلزم صحۃ الصلوٰۃ مع وجودہ کما فی صلوٰۃ الخوف بل الامر فی مثلہ

لاباحة مباشرته وان كان مفسدا للصلوٰة اھ ونقل كلام ابن الهمام في الحلية والبحر والنهر واقروه عليه وقالوا ان ما ذكره السرخسي رحمه الله في النهاية بانه مخالف لما عليه عامة ، ولما شرح الجامع الصغير ومبسوط شيخ الاسلام من ان الكثير لا يباح اھ (رد المحتار منہ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذیقعدہ [illegible]ھ

نماز میں لاحول پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص عادت کی وجہ سے ہر وقت لاحول ولا قوۃ پڑھتا رہتا ہو تو یہ شخص اگر نماز کے اندر بھی ایک دم سے کسی خیال کی وجہ سے پڑھے تو نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر امور دنیا سے متعلق کوئی وسوسہ آنے کی وجہ سے لاحول پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امور آخرت سے متعلق پڑھی تو فاسد نہ ہوگی، قال في العلائية ولو حوقل لدفع الوسوسة ان لامور الدنيا تفسد لا لامور الآخرة (رد المحتار ص۵۸۱ ج۱) اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلا نیت ہی زبان سے الفاظ مذکورہ نکل گئے تو نماز نہ ٹوٹے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ شعبان [illegible]ھ

سینما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: سینما کی چھت پر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ نماز بلا کراہت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وہاں چونکہ ہر وقت گناہ ہوتا ہے تو نماز بطریق اولیٰ مکروہ تحریمی ہوگی، اس کو یہود و نصاریٰ کے معابد پر قیاس کیا گیا ہے، کما قالوا تکرہ الصلوٰۃ في معابد اليهود والنصارى، اگر یہ عمارت سینما کی آمدنی یا اور کسی قسم کے مال حرام سے بنائی گئی ہو تو اس کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا اور نماز میں مزید کراہت کا باعث ہوگا، اس نماز کا اعادہ بہرحال واجب ہے، قال شارح الهداية في مكروهات الصلوٰة والصلوٰة جائزة في جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد على وجه غير مكروه وهذا الحكم في كل صلوٰة اديت مع الكراهة (فتح القدير ص ۳۰۵ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شعبان [illegible]ھ

مصلیٰ کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی:

سوال: مصلیٰ کا ایک کونہ ناپاک ہو گیا تو کیا اس ناپاک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یا دوسرے کونہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہو گی یا نہیں؟ یا اس کونے کے ناپاک ہونے کی وجہ سے تمام مصلیٰ کو ناپاک کہیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں نماز ہو جائے گی، صرف دونوں پاؤں، دونوں ہاتھوں، گھٹنوں اور سجدہ کی جگہ پاک ہونا شرط ہے، قال فی شروط الصلوٰۃ من التنویر هی طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه ومكانه (وفی الشرح) ای موضع قدميه او احداهما ان رفع الاخرى وموضع سجوده اتفاقا فی الاصح لا موضع يديه وركبتيه على الظاهر الا اذا سجد على كمه وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى فی شرح قول الشارح وكذا ما يتحرك بحركته ای شیء متصل به يتحرك بحركته (الی قوله) بخلاف ما لو يتصل كبساط طرفه نجس وموضع الوقوف والجبهة طاهر فلا يمنع مطلقا (قوله ومكانه) فلا تمنع النجاسة فی طرف البساط ولو صغيرا فی الاصح (قوله على الظاهر) ای ظاهر الرواية كما فی البحر لكن قال فی منية المصلی قال فی العيون هذه رواية شاذة اهـ وفی البحر واختار ابو الليث ان صلوته تفسد وصححه فی العيون اهـ وفی النهر وهو المناسب لاطلاق عامة المتون وايده بكلام الخانية قلت وصححه فی متن المواهب ونور الايضاح والمنية وغيرها فكان عليه المعول قال فی شرح المنية وهو الصحيح لان اتصال العضو بالنجاسة بمنزلة حملها وان كان وضع ذلك العضو ليس بفرض (رد المحتار ص ۲۷۳ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۹ رشوال سنہ ۸۳ھ

نماز میں ہنسنا:

سوال: ایک شخص نماز با جماعت پڑھ رہا ہے، اچانک ہنس گیا، دانت ظاہر ہو گئے ہیں مگر آواز نہیں نکلی، اس صورت میں نماز ہو گئی یا فاسد ہو گئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ہنسی میں فقط دانت کھل گئے آواز بالکل نہیں نکلی تو نہ وضو ٹوٹا نہ نماز گئی، اور اگر ہنسی آواز نکلی کہ خود یا بالکل قریب والے شخص نے بھی سن لی تو نماز ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر ہنسی ز

سے، منشا کہ اہل مجلس نے آواز سن لی تو وضو بھی جاتا رہا بشرطیکہ بالغ ہو، نابالغ کا وضو نماز میں ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا۔ قال صاحب التنویر ونواقض الوضوء قہقہۃ بالغ۔ وفی الشامیۃ واحترز بہ عن الضحک وھو لغۃ اعم من القہقہۃ واصطلاحا ما کان مسموعا لہ فقط فلا ینقض الوضوء بل یبطل الصلوۃ وعن التبسم وھو ما لا صوت فیہ اصلا بل تبدو اسنانہ فقط فلا یبطلھما وتمامہ فی البحر ثم اعلم ان قید الجوار مخرج للضحک ومقتضی تعریف الضحک بما کان مسموعا لہ فقط ان القہقہۃ ما یسمعھا غیرہ من اھل مجلسہ فھم جیرانہ لا خصوص من عن یمینہ او عن یسارہ لان کل ما کان مسموعا لہ یسمعہ من عن یمینہ او یسارہ تأمل (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ محرم سنہ ۸۳ھ

ایسے پلاسٹک پر نماز جس کی نچلی جانب نجس ہو:

سوال: پلاسٹک اور نائلون کو ملا کر ایک کپڑا تیار کیا گیا ہے، جو دبیز بھی ہے اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، کیا ایسا کپڑا اگر نیچے کی طرف سے ناپاک ہو جائے یا اس کو ناپاک یا مشتبہ جگہ بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر ایسی چیز کہ اس میں ایک جانب لگی ہوئی نجاست دوسری طرف سرایت نہ کرے اس کی پاک جانب پر نماز درست ہے، اسی طرح ناپاک یا مشتبہ زمین پر ایسا پلاسٹک بچھا کر نماز جائز ہے بلکہ ایسے شفاف پلاسٹک پر بھی نماز درست ہے جس کے اندر سے نیچے کی نجاست نظر آتی ہو کما قالوا فی الزجاج، البتہ اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجس زمین یا نجاست نظر آتی ہو یا نجاست کی بو محسوس ہو تو اس پر نماز درست نہیں، قال فی الشامیۃ عن البدائع لو صلی علی حجر الرحی او باب او بساط غلیظ او مکعب اعلاہ طاھر وباطنہ نجس عند ابی یوسف لا یجوز نظرا الی اتحاد المحل فاستوی ظاھرہ وباطنہ کالثوب الصفیق وعند محمد یجوز لانہ صلی فی موضع طاھر کثوب طاھر تحتہ ثوب نجس بخلاف الثوب الصفیق لان الظاھر نفاذ الرطوبۃ الی الوجہ الآخر اھ وظاھرہ ترجیح قول محمد وھو الاشبہ وبعد اسطر وذکر فی المنیۃ وشرحھا اذا کانت النجاسۃ علی باطن اللبنۃ او الآجرۃ وصلی علی ظاھرھا جاز وکذا الخشبۃ ان کانت غلیظۃ بحیث یمکن ان تنشر نصفین فیما بین الوجہ الذی فیہ النجاسۃ والوجہ الآخر والا فلا اھ وذکر

في الحلية ان مسألة النية والأجرة على الاختلاف المار بينهم وانه في الخانية جزم بالجواز وهو اشارة الى اختياره وهو حسن متجه ولكن مسألة الخشبة على الاختلاف وان الاشبه الجواز عليها مطلقا ثم ابدى له وجها فراجعه وايضا فيها تحت قوله مبسوط على نجس الخ عن شرح المنية وكذا الثوب اذا فرش على النجاسة اليابسة فان كان رقيقا يشف ما تحته او توجد منه رائحة النجاسة على تقدير ان لها رائحة لا تجوز الصلوة عليه وان كان غليظا بحيث لا يكون كذلك جازت اهـ (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

آللہ اکبر کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا امام "آللہ اکبر" اس طرح ادا کرتا ہے کہ نیت کی بجائے بازگشت میں آتا ہے اس کی اپنی اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے کہ تکبیر میں اسم ذات اللہ اور اکبر کے الف کو کھینچکر پڑھنا مفسد نماز ہے، اور لام کو اتنا کھینچنا کہ الف مزید پیدا ہو جائے مکروہ ہے مفسد نہیں، اسی طرح ہ کو کھینچنا مکروہ ہے، با کی مد کے مفسد ہونے میں اختلاف ہے، اور را پر پیش کھینچکر پڑھنا مفسد ہے۔

مگر غلبہ جہل کی وجہ سے متاخرین کا یہ فیصلہ ہے کہ اعراب اور مد کی غلطی مفسد نہیں، البتہ اگر کوئی تنبیہ کے باوجود اصلاح کی کوشش نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اور غلط خواں کو امام بنانا بہر صورت ناجائز ہے، بجز اس مجبوری کے کہ کوئی صحیح پڑھنے والا موجود نہ ہو، اس کی تفصیل میرے رسالہ "الارشاد الی مخارج الضاد" میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب سنہ ۸۹ھ

سلام علیکم کہنا:

سوال: ایک مسجد کا امام السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم ہر نماز ختم کرتے وقت کہتا ہے، الف لام ادا نہیں کرتا، شریعت کا ایسے امام کے متعلق کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سلام علیکم خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، امام کو سمجھایا جائے کہ تصحیح کرلے،
قال فی الشامیۃ (قولہ ہو السنۃ) قال فی البحر وہو علیٰ وجہ الاکمل ان یقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ مرتین فان قال السلام علیکم او سلام علیکم او علیکم السلام اجزأہ وکان تارکا للسنۃ وصرح فی السراج بکراہۃ الاخیر اھ قلت تصریحہ بذلک لبیان کراہۃ غیرہ ایضا مما خالف السنۃ (رد المحتار ص ۳۵۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰ رجب ۹۳ھ

کتا یا عورت سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی:

سوال:۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے کتا، گدھا یا عورت نکل جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور مشکوٰۃ شریف کا حوالہ دیتے ہیں، اس کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ یا یہ حدیث جعلی ہے یا متروک ہے یا ضعیف ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

① عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اعدلتمونا بالکلب والحمار لقد رأیتنی مضطجعۃ علی السریر فیجیء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیتوسط السریر فیصلی فاکرہ ان اسنحہ فانسل من قبل رجلی السریر حتی انسل من لحافی (بخاری ص ۷۳ ج ۱)

② عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یفرش لی حیال مصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی وانی حیالہ (طحاوی ص ۲۶۲ ج ۱)

③ عن میمونۃ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان فراشی حیال مصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فربما وقع ثوبہ علی وانا علی فراشی (بخاری ص ۷۴ ج ۱)

④ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اقبلت راکبا علی حمار اتان وانا یومئذ قد ناہزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس بمنیٰ الی غیر جدار فمررت بین یدی بعض الصف فنزلت وارسلت الاتان ترتع ودخلت فی الصف فلم ینکر ذلک علی احد (بخاری ص ۷۱ ج ۱)

⑤ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباسا فی بادیۃ لنا ولنا کلیبۃ وحمارۃ ترعی فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العصر

[illegible] یہ قطعہ [illegible] (نسائی ص ۱۲۲ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۰۲ ج ۱)

پہلی تین حدیثوں میں ہے کہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بستر مختلف اوقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے سامنے ہوتا تھا اور آپ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

چوتھی حدیث میں ہے کہ حالت نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گدھی گزری مگر آپ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا۔

پانچویں حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے دو کتیا اور گدھی آپ کے سامنے کھیلیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عورت یا گدھا یا کتا سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور جس حدیث میں فساد نماز کا حکم ہے وہ منسوخ ہے کیونکہ اس حدیث کے مذکورہ بالا احادیث متأخر ہیں۔ دلیل تاخیر یہ ہے کہ پہلی تین احادیث کو حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روایت کررہی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ان ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نزدیک عورت کا سامنے ہونا مفسد نماز نہیں، اور جس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے وہ منسوخ ہے۔ باقی رہا گدھے اور کتے کا حکم سو حدیث فساد کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ یہ ہے کہ گدھا اور کتا مفسد نماز نہیں، عن عکرمۃ قال ذکر عند ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما یقطع الصلوٰۃ قالوا الکلب والحمار فقال ابن عباس الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ وما یقطع ہذا ولکنہ یکرہ (طحاوی ص ۲۲۰ ج ۱) اور راوی حدیث کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دینا دلیل نسخ ہے۔

قول نسخ کی بجائے یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ قطع نماز سے مراد یہ ہے کہ یہ اشیاء قاطع توجہ ہیں اور یکسوئی میں مخل ہیں، اس لئے کہ عورت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے، اور گدھے اور کتے کی خباثت کی وجہ سے اس طرف دھیان ہوجاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول ولکنہ یکرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ رجب سنہ ۸۵ھ

تصویر والے مقام میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے:

سوال:۔ جس گھر میں تصویر ہو اس میں نماز مکروہ ہے، اب اس کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تصویر والے مقام میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، قال فی مکروہات الصلوٰۃ من التنویر ولبس ثوب فیہ تماثیل وان یکون فوق رأسہ او بین یدیہ او بحذائہ تمثال واختلف فیما اذا کان خلفہ والاظہر الکراہۃ (رد المحتار ص [illegible] ج ۱)

وفی قضاء الفوائت من الشامیۃ عن البحر ان من ترک واجبا من واجباتہا او ارتکب مکروہا تحریمیا لزمہ وجوبا ان یعید فی الوقت فان خرج اثم ولا یجب جبر النقصان بعدہ فلو فعل فہو افضل اھ ولیس بساقط واما کونہا واجبۃ فی الوقت مندوبۃ بعدہ کما فہمہ فی البحر وتبعہ الشارح فلا دلیل علیہ وقد نقل الخیر الرملی فی حاشیۃ البحر عن خط العلامۃ المقدسی ان ما ذکرہ فی البحر یجب ان لا یعتمد علیہ لاطلاق قولہم کل صلوٰۃ ادیت مع الکراہۃ سبیلہا الاعادۃ اھ قلت ای لانہ یشمل وجوبہا فی الوقت وبعدہ ای بناءً علی ان الاعادۃ لا تختص بالوقت وظاہر ما قدمناہ عن شرح التحریر ترجیحہ وقد علمت ایضا ترجیح القول بالوجوب فیکون الراجح وجوب الاعادۃ فی الوقت وبعدہ ویشیر الیہ ما قدمناہ عن المیزان من قولہ یجب علیہ الاعادۃ وہو اتیان مثل الاول ذاتا مع صفۃ الکمال ای کمال ما نقصہ منہا وذلک یعم وجوب الاتیان بہا کاملۃ فی الوقت وبعدہ کما مر ثم ہذا حیث کان النقصان بکراہۃ تحریم لما فی مکروہات الصلوٰۃ من فتح القدیر ان الحق التفصیل بین کون تلک الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیہ فتستحب اھ ای تستحب فی الوقت وبعدہ ایضا (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) وفی الہدایۃ فی مکروہات الصلوٰۃ ویکرہ ان یکون فوق رأسہ فی السقف او بین یدیہ او بحذائہ تصاویر او صورۃ معلقۃ (الی قولہ) والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وہذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراہۃ (وفی الفتح) قولہ وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذکور اعنی قولہ وتعاد یفید ایضا علی ما عرف (و) الحق التفصیل بین کون تلک الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیہ فتستحب فان کراہۃ التحریم فی رتبۃ الواجب فان الظنی ان افاد المنع من دلالۃ قطعیۃ اعنی بطریق الحقیقۃ مجردۃ عن القرائن الصارفۃ عنہ فالثابت

کراهة التحریم وإن افاد الزام الفعل لکن لفوات الوجوب وإن أفاد منع الترک فالتحریم أفاد منع الفعل فالمنع موجود فیهما ولذا کان لازمهما معنی واحدا وهو ترتب الاثم. منه. منحة الخالق اهـ

(فتح القدیر ص ۴۲۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ ربیع الاول [illegible]ھ

ارض مغصوبہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال: ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کما فی الشامیة قبیل باب الاذان، اس لئے اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروهات الصلوٰة من شرح الہدایة والصلوٰة جائزة فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطها وتعاد علی وجه غیر مکروه وهذا الحکم فی کل صلوٰة أدیت مع الکراهة

(فتح القدیر ص ۳۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ صفر ۹۱ھ

نماز میں مرد کا پاؤں عورت کے سر کو لگنے کا حکم:

سوال: اگر عورت کا سر مرد کے پاؤں سے بوقت سجدہ لگ جائے اور مرد میں یا عورت میں یا دونوں میں شہوت پیدا ہو جائے تو نماز مرد کی یا عورت کی فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے سر پر لباس پڑا ہوگا، اس کے اوپر سے مرد کا پاؤں لگے گا، جو کسی حال میں بھی نماز کے لئے مفسد نہیں، البتہ اگر بلا حائل مس ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد میں شہوت پیدا ہو جائے تو مرد اور عورت دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر صرف عورت میں شہوت ہوئی تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ کتب فقہ میں اس مقام پر بلا حائل کی قید نظر سے نہیں گزری، مگر حرمت مصاہرت اور ثبوت رجعت میں یہ قید مصرح ہے، اس لئے یہاں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی، لان العلة کونه من دواعی الجماع۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مرد کے مس بالشہوۃ بلا حائل سے بھی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

قال فی الدر: ولو مسته بشهوة أو قبلها بدون شهوة فسدت لا لو قبلته ولم یشتهها والفرق

ان فی تقبیلہ معنی الجماع وفی الشامیۃ عن البحر عن شرح الزاہدی انہ لو قبل المصلیۃ لا تفسد صلوتہا ومثلہ فی الجوہرۃ وعلیہ فلا فرق (رد المحتار ص ۵۰۰ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ شعبان سنہ ۹۳ھ

ٹائی کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال: ٹائی اور ہر وہ چیز جو یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان ہو مسلمان کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمان کے لئے دوسری اقوام کا مخصوص لباس اور وضع قطع اختیار کرنا ہر حالت میں ناجائز اور حرام ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من تشبہ بقوم فہو منہم، نماز کیا ایسا لباس پہننا اور بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الآخر سنہ ۹۳ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک دینی مدرسہ کا متعلم ہے، وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر مدرسہ کے لئے چرم قربانی کا کام کرتا ہے جس میں جو چرم بغیر رسید یا رسید سے ملتا ہے، لیکن تھوڑا بہت بدل کر اپنے اندازے کے مطابق جائز مصرف پر خرچ کرتا ہے، مثلاً شلوار کرتہ وغیرہ، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان اشیاء سے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟ یہاں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ صحیح جواب دے کر عند اللہ اجر عظیم کے مستحق بنئے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس لباس کو استعمال زید کے لئے حرام ہے، اور اس میں نماز مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ ذو الحجہ سنہ ۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے قالین پر نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال: مال حرام جیسے سودی کاروبار یا شراب کا کاروبار کرنے والا قالین مسجد میں ڈال دے

کہ اس پر نماز پڑھی جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ واپس کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے قالین پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، کسی مسکین پر صدقہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر صفر ۹۳ھ

چوری کے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال: زید نے ایک رومال خریدا، زید کو اس کے متعلق یہ علم نہیں تھا کہ یہ چوری کا مال ہے، خریدنے کے چند روز کے بعد صاف طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ رومال اموال مسروقہ میں سے ہے، زید مذکور نے اب تک نماز پڑھا رہا، جاننے کے بعد بھی، عند الشرع اس کی نماز کیسی ہوگی؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چوری کا علم ہو جانے کے بعد اس رومال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعادۃ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۃ محرم ۹۳ھ

پیشانی پر کپڑا ہونے کی حالت میں سجدہ:

سوال: امام صاحب کی پیشانی پر عمامہ اس قدر نیچے آجاتا ہے کہ پیشانی ڈھکی رہتی ہے اور پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا نہیں ہوتا ایسے امام کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر عمامہ کا وہ حصہ زمین سے لگا جو پیشانی سے اوپر سر پر ہے، پیشانی زمین سے نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوا۔ قال شارح التنویر: وکرہ سجودہ بکور عمامتہ الا لعذر وان صح عندنا بشرط کونہ علی جبہتہ کلہا او بعضہا کما مر، اما اذا کان الکور علی رأسہ فقط وسجد علیہ مقتصرا ای ولم تصب الارض جبہتہ ولا انفہ علی القول بہ لا یصح لعدم السجود علی محلہ (رد المحتار ص ۴۲۴ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ر شوال ۹۳ھ

قضاء حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی آدمی کو نماز کے وقت پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہوئی، اب اگر وہ آدمی حاجت پوری کرے تو خطرہ ہے کہ اس کی نماز قضاء ہو جائے گی، یا کم از کم جماعت تو ضرور فوت ہو جائے گی، تو اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے، ابھی حاجت پوری کرے یا جلدی سے وضو کرکے نماز پڑھ لے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو نماز پڑھ لے، اور اگر قضاء ہونے کا خطرہ نہیں صرف جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہو تو تقاضاء حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھے، ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، نماز شروع کرنے کے بعد تقاضا ہو تو بھی اسی حال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس پر واجب ہے کہ اسی وقت نماز قطع کردے اور فراغت کے بعد پڑھے، کما فی مکروہات الصلوٰۃ من التنویر وصلوتہ مع مدافعۃ الاخبثین، وفی الشامیۃ قال فی الخزائن سواء کان بعد شروعہ او قبلہ فان شغلہ قطعہا ان لم یخف فوت الوقت وان اتمہا اثم لما رواہ ابو داؤد بقی ما اذا خشی فوت الجماعۃ ولا یجد جماعۃ غیرہا فہل یقطعہا کما یقطعہا اذا رأی علی ثوبہ نجاسۃ قدر ما دون درہم لیغسلہا اولا کما اذا کانت النجاسۃ اقل من قدر درہم والصواب الاول (رد المحتار ص ۴۰۰ ج ۱)۔
قلت والاقرب انہ لا یجب غسل قدر الدرہم من النجاسۃ کما فی اول باب الانجاس من الشامیۃ فلا یحل قطع الصلوٰۃ لغسلہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ

نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا:

سوال: اگر کاغذ پر کسی ولی اللہ کی قبر کا نقشہ ہو اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حالانکہ نیت تقرب الی ولی اللہ نہیں ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی الحلیۃ وتکرہ الصلوٰۃ علیہ (ای علی القبر) والیہ لورود النہی عن ذلک (رد المحتار ص ۴۳۶ ج ۱) وفی الدر ولغیر ذی روح لا یکرہ لانہا لا تعبد، وفی الشامیۃ فان قیل عبد الشمس والقمر

والکواکب والشجرة الخضراء وتنداعب عینه لاشتغاله فعلی هذا ینبغی ان یکره استقبال عین هذه الاشیاء وهذا یجری لانها عین ما نص بخلاف ما اذا صورها واستقبل صورتها (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۱) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا مکروہ نہیں، کیونکہ قبر کے نقشہ کی کوئی پرستش نہیں کرتا، البتہ اگر کسی قوم میں رسم ہو تو اس میں بھی کراہت ثابت ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی الحجہ سنہ ۹۴ھ

گدے پر سجدہ کا حکم:

سوال: ہسپتال میں چارپائیوں پر گدے بہت موٹے ہوتے ہیں، ان پر سجدہ کرنے سے نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گدا سر کے مکمل بوجھ کو برداشت کر لے تو اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی، اور اگر برداشت نہ کرے بلکہ دبتا ہی چلا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر وان یجد حجم الارض وفی الشامیة تفسیره ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلک۔ (رد المحتار ص ۳۰۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ محرم سنہ ۹۵ھ

نماز میں غیر عربی میں دعاء مکروہ ہے:

سوال: اگر کسی نے نماز میں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں دعاء کی تو نماز صحیح ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہت تحریمیہ کا قول ارجح و اوسط ہے، لہٰذا اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ ودعا بالعربیة وحرم بغیرها نهر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ذکر الاقوال فلا یبعد ان یکون الدعاء بالفارسیة مکروها تحریما فی الصلوٰة وتنزیها خارجها فلیتأمل ولیراجع (رد المحتار ص ۳۸۱ ج ۱) خارج نماز میں غیر عربی میں دعاء مکروہ تنزیہی اس صورت میں ہے کہ قلبی توجہ میں عربی وغیر عربی دونوں برابر ہوں، اگر غیر عربی زیادہ توجہ کا باعث ہو تو اس میں

کوئی کراہت نہیں بلکہ یہی افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی قعدہ ۹۵ھ

نماز میں بلا قصد کوئی لفظ نکل جانا:

سوال:۔ ایک شخص نماز میں حدیث النفس میں مبتلا ہوگیا، اور اس حالت میں اس کی زبان سے اردو یا فارسی یا عربی زبان کے کسی شعر یا نثر کے صرف دو یا تین الفاظ نکل گئے، تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر کسی کو نماز جماعت میں یہ صورت پیش آئے تو کیا کرے؟ پہلی نماز کالعدم سمجھ کر دوبارہ نیت کرے اور باقی نماز امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے یا امام کے ساتھ اس نماز کو پوری کرے، اور بعد میں فرض کی پوری نماز بلا جماعت پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں اردو یا فارسی میں دعاء یا حمد وثناء کے الفاظ کہنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعادۃ ہے، عربی دعاء یا حمد وثناء کے بے مرتبط الفاظ سے احتراز کرنا چاہئے، مگر نماز کا اعادہ واجب نہیں، دعاء اور حمد وثناء کے سوا کوئی اور کلام کہنا جو کلام الناس سے ہو مفسد نماز ہے، خواہ کسی بھی زبان میں ہو۔

فساد صلوٰۃ کی صورت میں از سر نو تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرے، اور سابقہ رکعات فراغ امام کے بعد پڑھے، البتہ کراہت تحریمیہ کی صورت میں یہ نماز امام کے ساتھ پوری کرلے، پھر بعد میں اس کو لوٹائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ ربیع الآخر ۹۱ھ

انفرادی نماز میں عورت کی محاذاۃ مکروہ ہے:

سوال: اگر کہیں عورت مرد کے بالکل سامنے دائیں بائیں طرف ملی نہ کھڑی ہو بلکہ ایک مرد کی جگہ خالی ہو، تو مرد کی نماز ہو جاتی ہے؟ بلا جماعت کے عورت اور مرد ایک کمرہ میں نماز پڑھ رہے ہوں اور فرض نماز ہو تو کیا جب بھی عورت اور مرد کے درمیان ایک آدمی کی جگہ چھوڑ دی جائے؟ اگر نفل نماز مرد پڑھ رہا ہو اور عورت بھی نفل نماز پڑھتی ہو تو مرد اور عورت محرم بالکل پاس کھڑے ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، مگر مرد اور عورت کا متصل کھڑا ہونا مکروہ ہے، قال فی الدر فمحاذاۃ المصلیۃ لمصل لیس فی صلوتہا مکروہۃ لا مفسدۃ فتح ج ۱ ص ۳۳۶ (رد المحتار ص ۳۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ شعبان ۹۳ھ

شرائط صحت بناء

سوال:- اگر نماز مغرب یا کوئی نماز پڑھ رہا ہو، تین رکعتیں یا دو رکعتیں پڑھ چکا ہو اس کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ دوبارہ وضو کرنے گیا تو پوری نماز پڑھے گا یا دو رکعتیں یا ایک رکعت جو رہ گئی ہے وہ پڑھے گا؟ کن صورتوں میں بنا جائز ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جواز بناء کے لئے تیرہ شرائط ہیں:-

① حدث میں یا اس کے سبب میں کسی انسان کا کوئی دخل نہ ہو، اگر عمداً وضو توڑا یا کسی نے زخم کر کے خون نکال دیا تو بناء نہیں کر سکتا، اس لئے کہ پہلی صورت میں نفس حدث اور دوسری میں سبب حدث یعنی زخم انسان کی طرف سے ہے، کھانسنے سے خروج ریح بناء سے مانع ہے، اور چھینکنے سے خروج ریح کا مانع ہونا مختلف فیہ ہے۔

② حدث نمازی کے بدن سے ہو، اگر خارج سے کوئی نجاست اس پر گر گئی تو بناء درست نہیں۔

③ حدث موجب غسل نہ ہو، اگر نماز میں نیند آگئی اور احتلام ہو گیا تو بناء صحیح نہیں۔

④ حدث نادر الوجود نہ ہو، مثلاً قہقہہ یا بیہوشی۔

⑤ حدث کے ساتھ کوئی رکن ادا نہ کرنا، اگر حالت سجدہ میں حدث ہوا اور اتمام سجدہ کی نیت سے سر اٹھایا یا وضو کے لئے جاتے ہوئے قراءت میں مشغول رہا تو بناء نہیں کر سکتا۔

⑥ چلنے کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کرنا، مثلاً وضو کے بعد لوٹتے ہوئے قراءت کرنا، ہاں آتے جاتے تسبیح پڑھنا مانع نہیں۔

⑦ نماز کے منافی کوئی کام نہ کرنا، مثلاً قدرِ حدث کے بعد عمداً حدث یا کلام وغیرہ یا کنوئیں سے پانی کھینچنا۔

⑧ بے ضرورت کام نہ کرنا، مثلاً وضو کے لئے قریب جگہ چھوڑ کر دو صف سے زیادہ دور جانا، ہاں قریب مقام پر ازدحام یا نسیان کی وجہ سے دور جانے میں حرج نہیں۔

⑨ بلا ضرورت تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تاخیر کرنا، ازدحام کے دفع یا نکسیر وغیرہ کا خون بند نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر مضر نہیں۔

وضو کی سنتیں بھی ادا کرے، اگر وضو کے صرف چار فرائض پر اکتفاء کیا تو بناء جائز نہیں۔

⑩ حدث سابق کا ظاہر نہ ہونا، مثلاً موزہ پر مسح کی مدت ختم ہونا، متیمم کا پانی دیکھنا، خروج وقت

(۱۱) صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد آنا، البتہ اگر یاد آنے پر قضا نہ پڑھی بلکہ وقتیہ ہی ادا کرتی، پھر مزید یہ جاری رکھا حتی کہ چھ فرض نمازیں اس کے ذمہ قضا ہو گئیں، تو پہلے والی نماز صحیح ہو جائے گی۔

(۱۲) اگر مقتدی کو حدث ہو، امام کو ہو اور اس نے کوئی خلیفہ بنا دیا ہو، اور وضو سے فراغت تک جماعت ختم نہ ہوئی ہو اور مقام وضو ایسی جگہ ہو کہ وہاں سے اقتداء صحیح نہ ہو تو یہ شرط ہے کہ امام یا مقتدی ایسی جگہ پر آکر بناء کرے جہاں سے اقتداء صحیح ہو، اگر مقام وضو لائق اقتداء ہو یا وضو سے قبل جماعت ختم ہو چکی ہو یا منفرد کو حدث ہوا ہو تو ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ مقام وضو ہی میں بناء کرے یا سابق مقام پر لوٹ کر آئے، مقام وضو ہی میں بناء افضل ہے۔

(۱۳) امام کو حدث ہو تو اس کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یہ بھی منافیٔ صلوٰۃ میں داخل ہے جس کا بیان ۵ میں گزرا، مگر بوجہ خفاء اس کو مستقل ذکر کیا گیا ہے، درحقیقت شرائط بارہ ہی ہیں۔

شرائط مذکورہ سے بناء اگرچہ جائز ہے، مگر استیناف افضل ہے، البتہ وقت تنگ ہو تو بناء افضل بلکہ زیادہ تنگ ہو تو واجب ہے، استیناف کے لئے ضروری ہے کہ پہلی نماز کو سلام پھیر کر یا کسی فعل منافی سے ختم کرے، پھر نئی نماز شروع کرے، بدون سلام یا فعل منافی استیناف صحیح نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رشعبان ۸۳ھ

سوتے شخص کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا:

سوال: کوئی شخص سو رہا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بدون سترہ کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ویسے ہی لیٹا ہو سویا نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں صورتوں میں جائز ہے، البتہ نمازی کی طرف توجہ میں مخل ہونے کا خطرہ ہو تو مکروہ ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۸۲ھ

نماز میں بضرورت کرتہ درست کرنا مکروہ نہیں:

سوال: ایک امام صاحب جب بھی سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں، تو ایک ہاتھ سے اور کبھی دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف کرتہ پکڑ کر درست کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کرتہ درست کرنے کی ضرورت عموماً دو وجہ سے پیش آتی ہے، ایک یہ کہ کرتہ کندھے کے اوپر اٹک جاتا ہے جو بعض طبائع کے لئے تشویش اور خشوع میں مخل ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے سرین کے اندر کرتہ اٹک جاتا ہے، کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے کرتے کو کھینچ کر درست کرنے میں کوئی کراہت نہیں، لیکن اس کے لئے ایک ہاتھ کافی ہے، دوسرا ہاتھ استعمال کرنا مکروہ ہے، اور بلا ضرورت ایک ہاتھ کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہے، اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے،

قال فی التنویر وکرہ کفہ وعبثہ بہ وفی الشامیۃ (قولہ وعبثہ) ھو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النھایۃ وحاصلہ ان کل عمل ھو مفید للمصلی فلا بأس بہ اصلہ ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرق فی صلوتہ فسلت العرق عن جبینہ ای مسحہ لانہ کان یؤذیہ فکان مفیدا وفی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفض ثوبہ یمنۃ او یسرۃ لانہ کان مفیدا ای لا تبقی صورۃ فاما ما لیس بمفید فھو العبث اھ وقولہ کی لا تبقی صورۃ یعنی حکایۃ صورۃ الالیۃ کذا فی الحواشی السعدیۃ (رد المحتار ص [illegible] ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

نماز میں چادر کندھے سے گر جائے:

سوال:۔ نماز کی حالت میں اگر چادر یا رزائی یا دوپٹہ بائیں کندھے سے گر جائے تو کیا اس کو داہنے ہاتھ سے بائیں کندھے پر ڈال سکتے ہیں یا اسی حالت میں رہنے دیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کندھے پر ڈال لینا چاہئے، کپڑے کا لٹکنا نماز میں تشویش کا باعث ہے، اور ازالۂ تشویش کے لئے ایک بار دوبار ہاتھ چلانا جائز ہے، کتحریکہ الیسیر لسلت العرق وتسویۃ الحصا للسجود، نیز کپڑا لٹکنا سدل میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور علاج کرنا بعمل قلیل مندوب ہے، کما قالوا فی ازالۃ الکمین المنخرقین، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

نماز میں تہبند درست کرنا:

سوال:۔ نماز میں تہبند کھل جانے کا اندیشہ ہو تو کیا اس کو دونوں ہاتھوں سے باندھ سکتے ہیں

یا کس سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے ایک ہاتھ سے ایک جانب مس لیں پھر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی دیر تک توقف کرنے کے بعد دوسری جانب دوسرے ہاتھ سے درست کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الاولی ۹۱ھ

مسجد میں چٹائی کی ٹوپیاں رکھنا اور ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کثر لوگ ثواب کی نیت سے مساجد میں چٹائی کی ٹوپیاں نمازیوں کے استعمال کے لئے رکھ دیتے ہیں جس سے برہنہ سر لوگ نماز کے وقت اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو براہ کرم اس کی وجہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا جائز نہیں، اور ان کو سر پر رکھکر نماز پڑھنا مکروہ ہے،

وجوہ درج ذیل ہیں:

① ایسی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا احترام مسجد کے خلاف ہے، بالخصوص جبکہ ان کے تنکے نکل کر مسجد میں بکھرتے ہیں اور ان پر میل کی تہ نظر آتی ہے، اور پسینے اور میل کی بو آتی ہے، کیا کوئی شخص ایسی ٹوپیاں کو اپنے مکان کی زینت بنانے کو تیار ہے؟ اگر نہیں تو خدا کے گھر کے لئے اس کو کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

② اس قسم کی ضروریات مسجد میں رکھنے سے عوام کے ذہن میں یہ خیال ترقی کر رہا ہے کہ وہ مسجد کو عبادت گاہ کی بجائے خیراتی اور رفاہی ادارہ سمجھنے لگے ہیں، اور یہ مسجد کے مقصد کے خلاف ہے، اور اس میں مسجد کی توہین ہے۔

③ جو لباس پہن کر انسان کسی مجلس میں جانے سے شرماتا ہو ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر دوام مکروہ تحریمی کے قریب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الآخرۃ ۹۰ھ

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا:

سوال:۔ مسجد کے صحن میں باہر نماز با جماعت ادا کر رہے تھے، بارش زور سے شروع ہو گئی، تو

کیا نماز توڑ کر اندر مسجد میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں، البتہ بارش سے کسی کو مرض کا خطرہ ہو یا بھیگنے سے ۳ ماشہ (۲ء۰۶ گرام) چاندی کی قیمت کے برابر مالی نقصان ہو رہا تھا تو ایسا شخص نماز توڑ سکتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب سنہ ۹۸ھ

نماز میں کھنکارنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تنحنح مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مطلقاً مفسد نہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر طبعی ضرورت سے بلا اختیار کھانسی آگئی یا کسی صحیح غرض سے کھنکارا مثلاً قراءت کے لئے آواز صاف کرنا، امام کو تنبیہ، اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع مقصود ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوٰۃ والتنحنح بحرفین بلا عذر اما بہ بان نشأ من طبعہ فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوتہ او لیہتدی امامہ او للاعلام انہ فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ بحرفین) یعلم حکم الزائد علیہما بالاولی لکن یتوہم ان الزائد لو کان بعذر یفسد ویخالفہ ظاہر ما فی النہایۃ عن المحیط من انہ ان لم یکن مدفوعا الیہ بل لاصلاح الحلق لیتمکن من القراءۃ ان ظہر لہ حروف نحو قولہ اح اح وتکلف لہ کذلک کان الفقیہ اسمٰعیل الزاہد یقول یقطع الصلوٰۃ عندہما لانہا حروف مہجاۃ والصحیح خلافہ کما یأتی (قولہ بان نشأ من طبعہ) ای بان کان مدفوعا الیہ (رد المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ محرم سنہ ۹۹ھ

سہواً سلام پھیر کر دوسری نیت باندھ لی:

سوال: زید مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا جبکہ زید کی تین رکعت نماز ہوئی تھی، دعا کے بعد زید نے سنتیں شروع کر دیں، سنتوں کی تکبیر تحریمہ کے بعد یاد آیا کہ امام کے پیچھے تین رکعت پر سلام پھیر دیا ہے، زید نے ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا، تو نماز ہو گئی یا اعادہ

واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سنتوں کی تکبیر تحریمہ سے فرض کی تحریمہ باطل ہوگئی اس لئے یہ نماز صحیح نہیں ہوئی، اعادہ فرض ہے، قال فی العلائیۃ ولا تبطل بنیۃ القطع ما لم یکبر بنیۃ مغایرۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ بنیۃ القطع) وکذا بنیۃ الانتقال الی غیرها ط (قولہ ما لم یکبر بنیۃ مغایرۃ) بان یکبر ناویا النفل بعد شروع الفرض وعکسہ او الفائتۃ بعد الوقتیۃ وعکسہ او الاقتداء بعد الانفراد وعکسہ واما اذا کبر بنیۃ موافقۃ کأن نوی الظهر بعد رکعۃ الظهر من غیر تلفظ بالنیۃ فان النیۃ الاولی لا تبطل ویبنی علیها ولو بنی علی الثانیۃ فسدت الصلوۃ (رد المحتار ج۱)

وفی العلائیۃ ویفسدها انتقالہ من صلوۃ الی مغایرتها ولو من وجہ حتی لو کان منفردا فکبر ینوی الاقتداء او عکسہ صار مستأنفا بخلاف نیۃ الظهر بعد رکعۃ الظهر الا اذا تلفظ بالنیۃ فیصیر مستأنفا مطلقا، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ویفسدها انتقالہ الخ) ای بان ینوی بقلبہ مع التکبیرۃ الانتقال المذکور قال فی البحر بان صلی رکعۃ من الظهر مثلا ثم افتتح العصر او التطوع بتکبیرۃ فان کان صاحب ترتیب کان شارعا فی التطوع عندهما خلافا لمحمد او لم یکن بان سقط للضیق او للکثرۃ صح شروعہ فی العصر لانہ نوی تحصیل ما لیس بحاصل فخرج عن الاول ضمنا للخروج عن الاول صحۃ الشروع فی المغایر ولو من وجہ فلذا لو کان منفردا فکبر ینوی الاقتداء او عکسہ او امامۃ النساء فسد الاول وکان شارعا فی الثانی وکذا لو نوی نفلا او واجبا او شرع فی جنازۃ فجیء باخری فکبر ینویهما او الثانیۃ یصیر مستأنفا علی الثانیۃ کما فی نهر الفائق الخ (قولہ او عکسہ) بالنصب عطفا علی مقدر (قولہ بخلاف نیۃ الظهر الخ) ای نیتہ مع التکبیرۃ کما مر قال فی البحر یعنی لو صلی رکعۃ من الظهر ثم کبر ینوی الاستئناف للظهر بعینها لا یفسد ما اداہ ویحتسب بتلک الرکعۃ حتی لو صلی ثلاث رکعات بعدها ولم یقعد فی آخرها حتی صلی رابعۃ فسدت الصلوۃ ولغت النیۃ الثانیۃ (قولہ مطلقا) ای سواء انتقل الی المغایرۃ او المتحدۃ لان التلفظ بالنیۃ کلام مفسد للصلوۃ الاولی فصح الشروع الثانی (رد المحتار ص ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ صفر سنہ ۹۱ھ

نماز سے فراغت کے بعد وضو میں شک کا حکم:

سوال:- اگر کسی شخص کو نماز کے بعد شک ہو کہ میرا وضو تھا یا نہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز ہو گئی یا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، الیقین لا یزول الا بالیقین کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اس کا وضو ثابت نہیں، اس لئے نماز صحیح نہ ہو مگر نماز سے فراغت کے بعد اس شک کی نوعیت وقوع الشک فی ارکان الصلوٰۃ بعد الفراغ جیسی ہو گئی، جو غیر معتبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز صحیح ہے، معہذا اعادہ احوط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۱ھ

کھاد والی گھاس پر نماز پڑھنا:

سوال: میرے محلہ کی مسجد شریف کے صحن میں جو مسجد سے ملحق (متصل) ہے موجودہ انتظامیہ بجائے پختہ کرنے کے گٹر یا گوبر کی کھاد ڈال کر گھاس لگا رہی ہے، اور ظاہر ہے گھاس کو زندہ رکھنے کے لئے پانی بار بار دیا جاتا رہے گا، کیا یہ جگہ کسی قسم کی نماز کے لئے موزوں ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس گھاس پر نماز دو صورتوں سے صحیح ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ کھاد بالکل مٹی بن جائے اور اسکا علیحدہ وجود قطعاً نظر نہ آئے، دوسری صورت یہ کہ گھاس اتنی گھنی اور بڑی ہو کر اسمیں سے کھاد تک نمازی کا کوئی عضو نہ پہنچے، کھاد سے نجس پانی جو گھاس کو لگا ہوگا وہ پانی جب گھاس پر سے خشک ہو جائے گا گھاس پاک ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ شوال سنہ ۹۵ھ

ریح روک کر نماز پڑھنا:

سوال: پیٹ میں ہمیشہ خرابی رہنے کی وجہ سے اگر بار بار وضو ٹوٹے ریح کے ذریعہ تو اس ریح کو روک کر نماز تراویح یا فرائض وغیرہ پڑھا سکتے ہیں اور خود پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر دوسرے وقت میں اطمینان سے پڑھنے کا موقع مل جاتا ہو تو ریح کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر منفرداً کسی طور پر اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہوں تو جماعت نہ پڑھیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ رمضان سنہ ۹۶ھ

ناپاک کپڑا ہو تو ناپاک میں نماز پڑھ لے:

سوال: زید کے کپڑے ناپاک ہوگئے اور نماز کا وقت ہوگیا، پانی موجود نہیں، نماز قضاء کرے یا ناپاک کپڑوں ہی میں ادا نماز پڑھ لے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس وقت ناپاک کپڑے ہی میں پڑھ لے مگر اسکے بعد دوسری نماز کے وقت کے اندر پاک کپڑا ملنے کا ظن غالب ہو تو اس وقت نماز پڑھنا فرض نہیں، معہذا بہتر یہ ہے کہ اس وقت بھی پڑھ لے اور بعد میں قضا بھی پڑھے کما قالوا فی العاجز عن القیام ویغلب ظنہ القدرۃ بعدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ر ذی قعدہ [illegible]

نماز میں چھینک پر الحمد للہ کہنا:

سوال: کسی کو نماز میں چھینک آئی اور اسنے قصداً یا بلا قصد الحمد للہ کہا تو یہ جائز ہے یا مکروہ ہے یا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چھینک کے بعد الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر قصداً نہیں کہنا چاہئے، قال فی الہدایۃ ومن عطس فقال لہ آخر یرحمک اللہ وھو فی الصلوۃ فسدت صلوتہ، وفی الشرح لانہ یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامھم بخلاف ما اذا قال العاطس او السامع الحمد للہ علی ما قالوا لانہ لم یتعارف جوابا (شرح الہدایۃ ص ۳۱۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

کسی کی چھینک پر نماز میں یرحمک اللہ کہنا:

سوال: زید نماز پڑھ رہا تھا، اسنے کسی نمازی یا غیر نمازی کی چھینک سنکر یرحمک اللہ کہدیا، قصداً یا بلا قصد، چھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو یا نہ کہا ہو، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ یرحمک اللہ کہنا جائز ہے یا مکروہ یا مفسد؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان سب صورتوں میں یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوۃ وتشمیت عاطس بیرحمک اللہ ولو من العاطس لنفسہ لا (رد المحتار)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۹ر صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسائل زلۃ القاری

دو رکعتوں کی قراءت کے درمیان ایک چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال:- پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی ہو اس کے بعد ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت پڑھنا جائز ہے یا متصل ساتھ والی سورت پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورت کے بعد والی سورت اس سے اتنی زیادہ طویل ہو جس سے دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ ہے تو اس کا ترک کرنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ ایک سورت کا ترک مکروہ ہے، دو یا زیادہ سورتوں کے ترک میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالی ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ اطالۃ الرکعۃ الثانیۃ اطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ شرح المنیۃ کما اذا کانت سورتان قصیرتان (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم۔

۲۴ رمضان ۹۱ھ

پہلی رکعت میں سورۂ ناس پڑھ لی:

سوال:- ایک شخص نے غلطی سے رکعت اولیٰ میں سورۂ ناس پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟ اوپر سے پڑھنا مکروہ ہے، اور ایک ہی سورت کا تکرار بھی مکروہ ہے، ایسی مجبوری میں کیا کرے؟ دوسری رکعت میں سورۂ فلق پڑھے یا اس میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے؟ حکم شرعی تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

دوسری رکعت میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے، سہو کی حالت میں سورت کا تکرار مکروہ نہیں، قال فی الفتح قرأ فی الاولیٰ بقل اعوذ برب الناس یقرأ فی الثانیۃ ہذہ السورۃ ایضا (فتح القدیر ص ۲۳۳ ج ۱) وفی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدہا فی الثانیۃ، وفی الشامیۃ افاد انہ یکرہ تنزیہا وعلیہ یحمل جزم القنیۃ بالکراہۃ ویحمل فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لذلک علی بیان الجواز ہذا اذا لم یضطر فان

اضطر بان قرأ فی الاولی قل اعوذ برب الناس اعادھا فی الثانیۃ ان لم یختم نعم لان التکرار اھون من القراءۃ منکوسا بزازیۃ ولما لو ختم القرآن فی رکعۃ فیأتی قریبا انہ یقرأ من البقرۃ (رد المحتار ص ۵۰۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ شعبان سنہ ۹۳ھ

پہلی رکعت میں سورۂ ناس شروع کرکے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال: امام نے پہلی رکعت میں غلطی سے سورۂ ناس شروع کردی، مگر فوراً ہی اس کو چھوڑ کر سورۂ فلق پڑھ لی، اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

سورۂ ناس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے، اس کو پوری کرکے دوسری رکعت میں بھی یہی سورت پڑھنی چاہئے، قال فی الفتح ولو قصد سورۃ وافتتح غیرھا فاراد ترکھا الی المقصودۃ کرہ ذلک ولو کان حرفا واحدا (فتح القدیر ص ۲۴۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ شعبان سنہ ۹۳ھ

دوسری رکعت میں اوپر کی سورت شروع کرکے چھوڑنا مکروہ ہے

سوال: امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۂ تبت پڑھی، اور دوسری میں اذا جاء شروع کردی، مگر ابھی ایک آیت بھی نہ پڑھی تھی کہ اس کو چھوڑ کر سورۂ اخلاص پڑھ لی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

دوسری رکعت میں سورۂ نصر ہی پوری کرنا چاہئے تھی، اس کو چھوڑ کر سورۂ اخلاص پڑھنا مکروہ ہے۔

فی شرح التنویر عن القنیۃ قرأ فی الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ، وفی الشامیۃ اذ التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سہوا فلا، کما فی شرح المنیۃ واذا انتفت الکراھۃ فاعراضہ عن التی شرع فیھا لا ینبغی وفی الخلاصۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ آیۃ او آیتین اراد ان یترک تلک السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ اھ وفی الفتح ولو کان ای المقروء حرفا واحدا اھ (رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ شعبان سنہ ۹۳ھ

ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف انتقال:

سوال: ایک سورت کو چھوڑ کر دوسری کی طرف انتقال سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس میں فرض و نفل کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

نماز ہو جائے گی، مگر عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، فرائض اور نوافل دونوں کا ایک ہی حکم ہے،
قال ابن الهمام رحمه الله تعالى قال في الخلاصة هذا كله في الفرائض اما في النوافل فلا يكره وعندي في الكلية نظر فانه صلى الله عليه وسلم نهى بلالا عن الانتقال من سورة الى سورة وقال له اذا ابتدأت بسورة فاتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة الى سورة في التهجد. (فتح القدير ص ۲۲۲ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۵ شعبان

نماز میں خلاف ترتیب قراءت مکروہ ہے:

سوال: نماز میں منکوس قرآن مجید پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

سجدۂ سہو نہیں، البتہ عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، سہواً مکروہ نہیں، ایک ہی رکعت میں عمداً ایسا کیا تو فرض اور نفل دونوں میں مکروہ ہے، اور اگر دوسری رکعت میں اوپر سے پڑھا تو صرف فرض میں مکروہ ہے نفل میں نہیں، قال في الهندية واذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الاخرى او في تلك الركعة سورة فوق تلك السورة يكره وكذا اذا قرأ في ركعة آية ثم قرأ في الركعة الاخرى او في تلك الركعة آية اخرى فوق تلك الآية (الى قوله) هذا كله في الفرائض اما في السنن فلا يكره (عالمگيرية ص ۷۸ ج ۱) وفي الشامية ان التنكيس او الفصل بالقصيرة انما يكره اذا كان عن قصد فلو سهوا فلا وايضا انما تجب رؤيته ولا يكره في النفل شيء من ذلك واعترض ح ايضا بانهم نصوا بان القراءة على الترتيب من واجبات القراءة فلو عكسه خارج الصلاة يكره فكيف لا يكره في النفل تأمل واجاب ط بان النفل لاتساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلا مستقلا فيكون كما لو قرأ انسان سورة ثم سكت ثم قرأ ما فوقها فلا كراهة فيه. (رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۵ شعبان

قرآن دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے :

سوال : قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں جبکہ ورق نہ پلٹے جائیں ، اگر فاسد ہوگی تو فساد کی وجہ کیا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی ، اگرچہ اوراق نہ پلٹے ، اس لئے کہ یہ خارج سے تلقن ہے جو کہ مفسد ہے جیسا کہ کسی خارج نماز آدمی سے لقمہ لینا مفسد ہے ، فی مفسدات الصلوٰۃ من شرح التنویر وقراءتہ من مصحف ای ما فیہ قرآن مطلقاً لانہ تعلم الخ ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ انہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ (رد المحتار ص ۵۸۴ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۱۵ جمادی الآخرۃ [illegible]

قراءت میں فاحش غلطی کی پھر صحیح کر لیا تو نماز ہوگئی :

سوال : اگر کسی نے غلطی سے اما من ثقلت موازینہ فامہ ھاویۃ پڑھ لیا مگر پھر فوراً ہی صحیح کر لیا ۔ تو نماز صحیح ہوگئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہوگئی ، فی الہندیۃ ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلوتہ جائزۃ (عالمگیریۃ ص ۸۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۵ شعبان [illegible]

سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا :

سوال : امام صاحب نے عشاء کی نماز کی پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیہم البینۃ پڑھا ، رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ تک نہیں پڑھا ، وما تفرق الذین سے آخر سورت تک پڑھا ، نماز کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ نماز دہرائی جائے ، کیونکہ شروع میں تین آیتوں کی مقدار نہیں پڑھا گیا ، مگر امام صاحب نے کہا کہ چونکہ صرف ایک آیت چھوڑی ہے باقی سورت پوری پڑھ لی ، نماز ہوگئی ، اس بارے میں کیا فتویٰ ہے ، نماز دہرائی جائے یا ہوگئی ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہوگئی ، دہرانے کی ضرورت نہیں ، بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے ، قال فی الشامیۃ لو

انتقل في الركعة الواحدة من آية الى آية يكره وان كان بينهما آيات بلا ضرورة فان سها ثم تذكر يعود مراعاة لترتيب الآيات. شرح المنية (رد المحتار ص ۵۰۱ ج ۱) یہ حکم جب ہے کہ دوسری آیت کو پہلی کے ساتھ ملانے سے فساد معنی لازم نہ آئے جیسا کہ صورت سوال میں ہے، اگر ملانا مفسد معنی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں نماز ہو جائے گی، اور اگر بدون وقف دوسری آیت ملائی تو نماز نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی الحجہ [illegible]ھ

سوال مثل بالا:

سوال: امام صاحب نے سورۂ غاشیہ پڑھی تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ کے بعد چند آیات چھوڑ کر فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ سے پڑھا اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر آنیۃ پر وقف کئے بغیر آگے فیہا عین جاریۃ پڑھا تو فساد معنی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، وقف کیا ہو تو نماز صحیح ہے، ایک آیت کی بجائے دوسری آیت پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ معنی میں فساد نہ آئے تو بالاتفاق نماز صحیح ہے، اور اگر معنی میں فساد آگیا تو پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں بالاتفاق نماز ہو جائے گی، اور وقف نہیں کیا تو اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ مفسد ہے، قال فی الہندیۃ:

وان ذكر آية مكان آية ان وقف على الاولى وقفا تاما ثم ابتدأ بآية اخرى او ببعض آية لا تفسد صلوته كما لو قرأ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ووقف ثم ابتدأ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ لا تفسد صلوته ولكن لو قرأ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ووقف ثم قرأ أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ وان لم يقف ووصل ان لم تغير الاولى بالثانية كما لو قرأ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَزَاءً الْحُسْنٰى او قرأ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ أُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا لا تفسد صلوته وان تغير المعنى بان قرأ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي جَحِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي نَعِيمٍ او قرأ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ او قرأ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا تفسد صلوته لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالى به. وقال بعضهم لا تفسد صلوته لعموم البلوى والاول اصح. وقال قبيل هذا وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى فيه روايتان الصحيح هو الفساد لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالى به [illegible]

وفیہا ویتجنبہا الاشقی قرأ الاتقی بالتاء والقاف ان وصل بہ الذی یصلی النار الکبری تفسد صلوتہ وان لم یصل بل وقف ثم ابتدأ بالذی یصلی النار الکبری لا تفسد صلوتہ وکذا لو قرأ وسیجنبہا الاتقی الذی یتجنبہا الاشقی الذی ان وصل بہ الذی یؤتی مالہ یتزکی تفسد صلوتہ والا فلا (خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۱۴۲ ج ۱)

وفی العلائیۃ ومع الثانی الفساد ان غیر المعنی نحو رب العالمین للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو ان الفجار لفی جنت وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف وقفا تاما اما لو وقف ثم قال لفی جنت فلا تفسد اھ (رد المحتار ص ۵۹۵ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم

۲۹ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

الاشقی کی بجائے الاتقی پڑھ گیا:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز جمعہ پڑھاتے ہوئے پہلی رکعت میں سورۃ الاعلی پڑھی اور اس کی آیت سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی وَیَتَجَنَّبُہَا الْاَشْقَی الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی کی بجائے وَیَتَجَنَّبُہَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی الی آخر سورۃ اللیل ختم کردی، پھر بغیر درست کئے پہلی رکعت کا رکوع کردیا، نماز درست ہوگئی یا فاسد ہوگئی، دوبارہ ضروری ہے؟ جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یخشی پر وقف کرکے آگے پڑھا تو نماز ہوگئی ورنہ نہیں، قال فی العلائیۃ ومع الثانی الفساد ان غیر المعنی نحو رب العالمین للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو ان الفجار لفی جنت، وفی الشامیۃ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف وقفا تاما اما لو وقف ثم قال لفی جنت فلا تفسد (رد المحتار ص ۵۹۵ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم

۵ ربیع الآخر ۹۹ھ

دوسری رکعت کے اطالہ مکروہہ کی مقدار:

دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بڑی سورت پڑھنا مکروہ ہے، اس زیادتی کی مقدار کیا ہے؟ کتنی آیتیں زیادہ ہوں تو کراہت ہوگی؟ نیز یہ کراہت نوافل میں بھی ہے کہ صرف فرض میں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نوافل میں بالاتفاق اور فرائض میں علی الراجح دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اطالہ کی مقدار میں راجح اور سہل قول یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں تفاوت بیّن ہو، قال فی العلائیۃ وإطالۃ الثانیۃ علی الاولی یکرہ تنزیہا اجماعا ان بثلاث آیات ان تقاربت طولا وقصرا والا اعتبر الحروف والکلمات واعتبر الحلبی فحش الطول لا عدد الآیات واستثنی فی البحر ما وردت به السنۃ واستظہر فی النفل عدم الکراہۃ مطلقا وان باقل لا یکرہ لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صلی بالمعوذتین۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی بعد نقل کلام الحلبی والذی تحصل من مجموع کلامہ وکلام القنیۃ ان اطالۃ الثانیۃ بثلاث آیات مقید بالسور القصیرۃ المتقاربۃ الآیات لظہور الاطالۃ حینئذ فیہما اما السور الطویلۃ او القصیرۃ المتفاوتۃ فلا یعتبر العدد فیہما بل یعتبر ظہور الاطالۃ من حیث الکلمات وان اتحدت آیات السورتین فی العدد افہمہ واللہ تعالی اعلم (قولہ واستثنی فی البحر ما وردت به السنۃ) ای کقراءتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الجمعۃ والعیدین فی الاولی بالاعلی وفی الثانیۃ بالغاشیۃ فانہ ثبت فی الصحیحین مع ان الاولی تسع عشرۃ آیۃ والثانیۃ ستۃ وعشرون وعلی ما مر عن شرح المنیۃ لا حاجۃ الی الاستثناء لان ہاتین السورتین طویلتان ولا تفاوت ظاہر بینہما من حیث الکلمات والحروف بل ہما متقاربان (قولہ مطلقا) والاصح کراہۃ اطالۃ الثانیۃ علی الاولی فی النفل ایضا الحاقا لہ بالفرض فیما لم یرد بہ تخصیص من التوسعۃ کجوازہ قاعدا بلا عذر ونحوہ واما اطالۃ الثالثۃ علی الثانیۃ والاولی فلا تکرہ لانہ شفع آخر (رد المحتار ص ۵۰۰ ج ۱)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی کا سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ میں تفاوت باعتبار حروف کلمات کو غیر ظاہر قرار دینا غیر ظاہر ہے، ظاہر یہ ہے کہ حلبی رحمہ اللہ تعالی کی تقریر کے مطابق سورتوں میں اس قدر تفاوت غیر ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم

۲۲ رمضان ۹۳ھ

باب الوتر والنوافل

قنوت وتر میں کوئی دوسری دعا پڑھنا:

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں قنوت پڑھنا ضروری نہیں اور نہ ہی دعاء قنوت کا سیکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وتر کی تیسری رکعت میں سورت کے بعد کوئی دعا پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی دعا نہیں پڑھی تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، کوئی دعاء ربنا آتنا الخ یا کوئی دوسری دعا پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی البتہ دعاء مشہور اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ پڑھنا مسنون ہے، دعاء مشہور کا نہ سیکھنا یا باوجود یاد ہونے کے عمداً ترک کرنا گناہ ہے، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ فی واجبات الصلوٰۃ وقراءۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء، وفی الشامیۃ ای القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان قال فی النھر واما خصوص اللّٰھم انا نستعینک فسنۃ فقط حتی لو اتی بغیرہ جاز اجماعا (رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۳) وایضا فی باب الوتر من شرح التنویر وقنت فیہ ویسن الدعاء المشھور وفی الشامیۃ ومن لا یحسن القنوت یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الآیۃ وقال ابو اللیث یقول اللّٰھم اغفر لی یکررھا ثلاثا وقیل یقول یا رب ثلاثا ذکرہ فی الذخیرۃ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الآخرہ [illegible]ھ

تکبیر قنوت چھوٹ جانے کا حکم:

سوال: وتر میں قنوت کی تکبیر چھوٹ جانے سے سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس کے وجوب میں اختلاف ہے، شامیہ میں عدم وجوب کو ترجیح دی ہے، مع ہذا سجدۂ سہو

کرنے میں احتیاط ہو، ترک کرنے کی گنجائش ہے۔ (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السهو وما ألحق به أی بالقنوت تکبیرہ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکه وذکر فی الظهیریة انه لو ترکه لا روایة فیه وقیل یجب السجود اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا اھ وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانه الاصل ولا دلیل علیه بخلاف تکبیرات العید اھ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ صفر سنہ ۸۹ھ

دعاء قنوت کا تکرار:

سوال:- دعاء قنوت وتروں میں دو دفعہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں کوئی غیر معین دعاء پڑھنا واجب ہے، اور جو دعاء ماثور عام طور پر وتر میں پڑھی جاتی ہے سنت ہے، اس کے علاوہ اور دعائیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، لہٰذا اس موقع پر جتنی دعائیں بھی پڑھی جائیں یا ان کا تکرار کر لیا جائے، بہرکیف سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

دعاء قنوت سے ترک یا تکرار:

سوال:- اگر وتر میں دعاء قنوت آدھی پڑھی یا چھوڑنے کے بعد پھر ابتداء سے شروع کر کے پوری پڑھی تو کیا ان صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قنوت میں کوئی بھی دعاء مختصر یا طویل پڑھ لی جائے تو واجب ادا ہو جاتا ہے، دعاء معروف پوری پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں، لہٰذا اس میں سے کسی حصہ کے ترک یا تکرار یا پوری دعاء کے تکرار سے سجدۂ سہو نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ محرم سنہ ۹۰ھ

پانچوں نمازوں میں سنتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں:

سوال:- ایک شخص پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، اور تہجد بھی پڑھتا ہے، مگر سنتیں نہیں پڑھتا، اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتیں پڑھنے کا حکم دینا کہیں ثابت نہیں، کوئی عالم ثابت نہیں کر سکتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

جو شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں نہیں پڑھیں وہ جاہل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنتیں پڑھنا اور امت کو ترغیب دینا اور بعض سنتوں کے ترک پر وعید فرمانا صریح اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(۱) عن عائشة رضی اللہ تعالی عنہا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظہر اربعا وبعدها رکعتین وبعد المغرب ثنتین وبعد العشاء رکعتین وقبل الفجر رکعتین (رواه مسلم وابوداؤد واحمد بن حنبل)

(۲) عن ابی ایوب رضی اللہ تعالی عنہ کان یصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الزوال اربع رکعات فقلت ما هذه الصلوة التی تداوم علیها فقال هذه ساعة تفتح ابواب السماء فیها فاحببت ان یصعد لی فیها عمل صالح فقلت افی کلهن قراءة قال نعم فقلت بتسلیمة واحدة ام بتسلیمتین فقال بتسلیمة واحدة (رواه الطحاوی وابوداؤد والترمذی وابن ماجة) قال فی الشامیة رواه من غیر فصل بین الجمعة والظہر فیکون سنة کل واحد منهما اربعا۔

(۳) روی ابن ماجة رحمه اللہ تعالی باسناده عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعة اربعا لا یفصل فی شیء منهن (ابن ماجة)

(۴) عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالی عنہ انه صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان منکم مصلیا بعد الجمعة فلیصل اربعا (رواه مسلم)

(۵) عن عائشة رضی اللہ تعالی عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ثابر علی ثنتی عشرة من السنة بنی اللہ له بیتا فی الجنة اربع رکعات قبل الظہر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر (رواه الترمذی وابن ماجة)

(۶) روی الجماعة الا البخاری رحمه اللہ تعالی من حدیث ام حبیبة رضی اللہ تعالی عنہا انها سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد مسلم یصلی فی کل یوم اثنتی عشرة رکعة تطوعا من غیر الفریضة الا بنی اللہ له بیتا فی الجنة زاد النسائی والترمذی اربعا قبل الظہر ورکعتین بعدها

وركعتين بعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل صلوة الغداة الخ۔

⑦ لا تدعوا ركعتي الفجر ولو طردتكم الخيل (رواه ابوداود)

⑧ ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها (رواه مسلم)

⑨ لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شيء من النوافل اشد منه تعاهدا على ركعتي الفجر (رواه البخاري)

⑩ قال عليه الصلوة والسلام من ترك اربعا قبل الظهر لم تنله شفاعتي (شامي ج۱)

⑪ واما الاربع قبل العشاء فاخرج ابن عابدين رحمه الله تعالى في حاشيته على البحر المسماة بمنحة الخالق فيها حديثا ثم قال وايضا يستدل عليها بعموم قوله عليه السلام بين كل اذانين صلوة بين كل اذانين صلوة بين كل اذانين صلوة لمن شاء (رواه الجماعة) واما كونها اربعا فيمشي على قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى حيث قال ان الافضل في صلوة الليل كونها اربع ركعات او بالقياس على صلوة الظهر والعصر والوجه ظاهر۔

فقط والله تعالى اعلم

۹ صفر سنہ ۸۸ھ

سنت مؤکدہ اور نفل ایک سلام سے پڑھنا:

سوال:۔ مندرجہ ذیل فتوی کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں:۔

اگر کوئی شخص دو رکعت سنت بعد ظہر یا بعد مغرب کو دو رکعت نفل سے جمع کرکے ایک ہی تحریمہ اور ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: صحیح ہے، چاہے نیت سنت کی کرے یا نفل کی یا مطلق نماز کی، سنت بھی ادا ہو جائے گی اور نفل بھی، اس کی تحقیق تفصیل کے ساتھ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے، نیز رد المحتار وغیرہ میں بھی ہے، قال في الدر المختار وسن ست بعد المغرب ليكتب من الاوابين (الى قوله) وهل تحسب المؤكدة من المستحب ويؤدى الكل بتسليمة واحدة اختار الكمال نعم وفي رد المحتار بعد ذكر الاختلاف واختار هو انه اذا صلى اربعا بتسليمة او تسليمتين وقع عن السنة والمندوب وحقق ذلك بما لا مزيد عليه واقره في شرح المنية والبحر والنهر انتهى۔

تحقیق بالا کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا بیانا شافیا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تحقیق بالا صحیح ہے، مگر خروج عن الاختلاف کے لئے علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہی بہتر ہے، صورت تحریمہ کے عدم جواز پر ردالمحتار کے اس جزئیہ سے شبہہ نہ ہو صلی اربعا فوقع رکعتان بعد طلوع الفجر لا تجزیہ عن رکعتیہ علی الاصح تجنیس لان السنۃ ما واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بتحریمۃ مبتدأۃ. وکذا فی الشامیۃ العناد رحمہ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۳۲) کیونکہ سنن فجر میں مواظبت بتحریمۃ مبتدأۃ ثابت ہے، اور صورت مسئولہ میں مواظبت علی عدم الضم ثابت نہیں، بعد الظہر رکعتین والی اور اربع رکعات دونوں قسم کی روایات ہیں، اربع رکعات والی روایت میں بتسلیمتین کی تصریح نہیں، اور متبادر بتسلیمۃ واحدۃ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ صفر سنہ ۸۵ھ

دو رکعت نفل میں قعدہ کے بعد سہواً کھڑا ہو گیا:

سوال: دو رکعت نفل کی نیت باندھی اور قعدہ کے بعد سہواً کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت کو مقید بسجدہ کرنے سے قبل یاد آگیا، تو عود کرنا بہتر ہے یا کہ چار رکعت کا پورا کرنا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شفع ثانی پورا کر لینا بہتر ہے، اس لئے کہ عود میں شفع ثانی کا ابطال لازم آتا ہے، معہذا شفع ثانی کی تکمیل ضروری نہیں، کیونکہ وجوب اتمام مقید ہے شروع قصداً سے، اور صورت مسئولہ میں شروع قصداً نہیں، لزم النفل شرع فیہ قصداً (رد المحتار ج ۱ باب الوتر والنوافل) (مزید دلائل و تفصیل باب صفۃ الصلوۃ و ما یتعلق بہا میں عنوان "توہم فساد کی بنا پر الخ" میں ملاحظہ ہو۔ مرتب)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب سنہ ۸۵ھ

قنوت وتر کے ساتھ قنوت نازلہ ملانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص وتر کے اندر دعاء قنوت کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں اللّٰہم انا نستعینک الخ اور اللّٰہم اہدنا الخ پڑھنا ثابت ہے، ان دونوں کے

مزید جوڑ دینا چاہیے ملاحظہ ہو۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی شرح المنیۃ والصحیح ان عدم التوقیت فیما عدا المأثور لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتفقوا علیہ ولانہ ربما یجری علی اللسان ما یشبہ کلام الناس اذا لم یوقت۔ ثم ذکر اختلاف الالفاظ الواردۃ فی اللّٰہم انا نستعینک الخ ثم ذکر ان الاولیٰ ان یضم الیہ اللّٰہم اھدنی الخ وان ما عدا ھذین فلا توقیت فیہ ومنہ ما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان یقول بعد ان عذابک الجد بالکفار ملحق اللّٰہم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والّف بین قلوبہم واصلح ذات بینہم وانصرہم علیٰ عدوک وعدوہم اللّٰہم العن کفرۃ اہل الکتاب الذین یکذبون رسلک ویقاتلون اولیائک اللّٰہم خالف بین کلمتہم وزلزل اقدامہم وانزل علیہم بأسک الذی لا یرد عن القوم المجرمین (رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شوال سنہ ۷۶ھ

وتر میں دو تشہد کا ثبوت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وتر کی تین رکعت بیک سلام آخر میں پڑھی جائیں تو وتر کی صرف آخری رکعت ہی میں تشہد پڑھا جائے یا دوسری رکعت میں بھی پڑھنا چاہیے جس طرح کہ مغرب کی نماز فرض تین رکعت میں دوسری اور تیسری رکعت میں تشہد پڑھا جاتا ہے۔

زید کہتا ہے کہ تین رکعت وتر میں صرف آخری رکعت میں ایک ہی بار تشہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) سے ثابت ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کوئی صحیح حدیث جس میں دو دفعہ تشہد ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین رکعت وتر پڑھتے تو دوسری اور تیسری رکعت دونوں میں تشہد پڑھنا ثابت ہو تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث ذیل میں دو تشہد کی صراحت ہے:

(۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر ثلاث کثلاث المغرب رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

(۲) عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ تشہد فی کل رکعتین، الحدیث (مشکوٰۃ ص ۷۷) یہ حدیث اگرچہ نفل

کے بارے میں ہے لیکن تشہد فی کل رکعتین کا عموم وتر کو بھی شامل ہے،

(۳) عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال الوتر ثلاث کوتر النهار صلوٰة المغرب رواه الطحاوی، فیه دلالة علی ان الوتر ثلاث رکعات وتشبیهه بصلوٰة المغرب یفید وجوب القعدة علی الرکعتین ایضاً کما فی المشبه به ویفید بعمومه نقصه عن الثلث ایضاً کما فی المغرب وهذا اثر صحیح موصول،

(۴) عن حفص بن سلیمان عن ابان بن ابی عیاش عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال ارسلت امی لیلة لتبیت عند النبی صلی الله علیه وسلم فتنظر کیف یوتر فصلی ما شاء الله ان یصلی حتی اذا کان آخر اللیل واراد الوتر قرأ بسبح اسم ربک الاعلیٰ فی الرکعة الاولیٰ وقرأ فی الثانیة قل یا ایها الکفرون ثم قعد ثم قام ولم یفصل بینهما بالسلام ثم قرأ بقل هو الله احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء الله ان یدعو ثم کبر ورکع اه اخرجه الحافظ ابن عبد البر فی الاستیعاب له ولم یتکلم علیه بشیء (اعلاء السنن ج ۶ ص ۱۵) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رمضان ۹۶ھ

جماعت وتر کی رمضان کے ساتھ تخصیص:

سوال:- رمضان شریف کے سوا باقی سال میں وتر کی جماعت کیوں نہیں کرائی جاتی؟ اس کی کیا علت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے، اس لئے یہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے،

قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ الذی یظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلاً فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رمضان ۹۶ھ

سنن ونوافل کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے:

سوال:- جمعہ کے بعد والی سنن ونوافل کی نیت میں بعد جمعہ کہنا مستحب ہے یا اس وقت کا نام لے، مثلاً اس طرح "چار رکعت سنت بعد جمعہ منہ میرا قبلہ کی طرف اللہ اکبر" اور دل میں

کیا ارادہ کیا جائے گا، بعد جمعہ کا یا اس وقت کا؟ اور جمعہ سے قبل والی سنت میں جمعہ کہا جائے گا یا کیا؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

سنن ونوافل میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے، خواہ جمعہ کی سنتیں ہوں یا دوسرے اوقات کی، صرف دل سے نیت کافی ہے، زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں، کہہ لے تو بہتر ہے، قال فی التنویر والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ وھو ان یعلم بداھۃ ای صلوۃ یصلی والتلفظ بہا مستحب، وقیل سنۃ (الی قولہ) وکفی مطلق نیۃ الصلوۃ لنفل وسنۃ وتراویح وفی الشرح علی المعتمد اذ تعیینہا بوقوعہا وقت الشروع والتعیین احوط (رد المحتار ص ۳۰۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۰ ربیع الاول ۸۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- زید کی ظہر سے قبلیہ چار سنت چھوٹ گئیں، جماعت ختم ہونے کے بعد زید نے دو سنت کی نیت کرکے نماز شروع کی، قعدہ کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا، اور چار کی نیت کر لی، تو یہ چار قبل از جماعت والی ادا ہوئیں یا دو بعد الفرائض والی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سنت ونفل میں بدون تعیین رکعات مطلق نماز کی نیت کافی ہے، لہٰذا قبلیہ چار رکعتیں ہو گئیں، دو رکعتیں بعدیہ پڑھ لے، قال فی التنویر وکفی مطلق نیۃ الصلوۃ لنفل وسنۃ وتراویح، وفی الشامیۃ بان یقصد الصلوۃ بلا قید نفل او سنۃ او عدد (رد المحتار ص ۳۰۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ ۹۰ھ

قبلیہ سنت مؤکدہ چھوٹ گئیں تو وقت کے اندر قضا سنت مؤکدہ ہو گی:

سوال:- جمعہ وظہر کی سنت مؤکدہ قبلیہ اگر پہلے فرض کے نہ پڑھی جائیں تو بعد فرض کے پڑھنا سنت مؤکدہ ہی رہے گا یا نفل؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بعد الفرائض بھی سنت مؤکدہ ہی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ

علی انہا سنۃ (ای انما قلنا وما فی الخانیۃ وغیرہا من انہا نفل عندہ سنۃ عندھما فھو من تصرف المصنفین لان المذکور فی المسألۃ الاختلاف فی تقدیمہا او تاخیرہا والاتفاق علی قضائہا وھو اتفاق علی وقوعہا سنۃ کما حققہ فی الفتح وتبعہ فی البحر والنھر و شرح المنیۃ (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال ۹۰ھ

وتر کے بعد فرض کا فساد معلوم ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں:

سوال:- زید نے عشاء کی سنتوں کے بعد چار فرض تنہا ادا کئے مگر بھول کر چار کی بجائے دو پڑھے اور بعد کی سنتیں اور نفل اور وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ فرض دو رکعت پڑھے گئے ہیں تو اب سنتوں اور وتر کا اعادہ بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر فرض کے تابع نہیں، مگر دو رکعت سنت مؤکدہ فرض کے تابع ہیں، لہٰذا فرض صحیح نہ ہونے کی صورت میں وتر کا اعادہ لازم نہیں، صرف دو سنت کا اعادہ کرے، قال فی الشامیۃ عن ح لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنۃ بہ یعید العشاء والسنۃ لا الوتر (رد المحتار ص ۱۸ ج ۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ صفر ۹۰ھ

وتر کے بعد معلوم ہوا کہ فرض میں سجدۂ سہو نہیں کیا:

سوال:- زید نے نماز پڑھائی اور اس میں سجدۂ سہو واجب ہوگیا لیکن بوجہ جہالت کے اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا، جب مقتدیوں نے سنن ونوافل و وتر سے فراغت حاصل کی تب جناب زید صاحب کو علم ہوا کہ میرے اوپر سجدۂ سہو واجب تھا پھر اس نے دوبارہ جماعت کرائی تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مقتدی اب جو سنن وغیرہ پڑھ چکے تھے وہ بھی اب فرض کے ساتھ لوٹائیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دو رکعت سنت مؤکدہ دوبارہ پڑھیں، وتر چونکہ مستقل نماز ہے اس لئے اس کو نہ لوٹائیں، قال فی الشامیۃ لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنۃ بہ یعید العشاء والسنۃ لا الوتر لانہ اداہ ناسیا ان العشاء فی ذمتہ فسقط الترتیب (رد المحتار ص ۱۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول ۹۰ھ

فرض صحیح نہ ہونے تو بعد والی سنت دوبارہ پڑھے:

سوال: کسی کے فرض عشاء نہ ہوئے، مثلاً سجدۂ سہو واجب تھا اور یاد نہ آیا، اور سلام کے بعد دوسری نماز یعنی سنن ونوافل ووتر کے بعد یاد آیا، تو فرض کا اعادہ کرنے کے بعد سنن، نوافل، وتر کا اعادہ بھی لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وتر غلطی سے دو پڑھ گیا اور اس کے بعد نفل بھی پڑھ لئے، اور نفل کے بعد یاد آیا، تو کیا نفل کا اعادہ بھی واجب ہے یا نہیں یا صرف وتر کا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

سنن بعدیہ فرض کے تابع ہیں، لہٰذا ان کا اعادہ ضروری ہے، وتر ونوافل کا اعادہ ضروری نہیں، قال فی الشامیة لو صلی الوتر ناسیا انه لم یصل العشاء ثم صلاها لا یعید الوتر لقولهم انه لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به یعید العشاء والسنة لا الوتر لانه اداه ناسیا ان العشاء فی ذمته فسقط الترتیب افاده ح (رد المحتار ص ۵۰۹ ج ۱)

فقط والله تعالی اعلم

۲۲ ربیع الاول ۸۹ھ

فرض یا تراویح منفرداً پڑھنے والے کی جماعتِ وتر میں شرکت:

سوال: اگر کوئی شخص فرض کی جماعت ختم ہونے کے بعد آیا، اور اکیلے فرض پڑھ کر تراویح میں شریک ہو گیا، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر تراویح میں بھی جماعت نہ ملی ہو تو کیا وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

شامیہ کی تحریر کے مطابق اگر فرض اور تراویح یا صرف فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شرکت مکروہ ہے، اور اگر فرض جماعت سے پڑھے مگر تراویح منفرداً پڑھیں، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، قال فی العلائیة ولو لم یصلها ای التراویح بالامام او صلاها مع غیره له ان یصلی الوتر معه بقی لو ترکها الکل هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی تحت (قوله ولو لم یصلها الخ) رأیت القهستانی ذکر تصحیح ما ذکره المصنف ثم قال لکنه اذا لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر اهـ فقوله ولو لم یصلها ای وقد صلی الفرض معه لکن ینبغی ان یکون قول القهستانی معه احترازا عن صلوتها[ه] منفرداً اما لو صلاها جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه

ـه ضمیر راجع الی الامام فکان ینبغی تذکیره وکذا فی قوله صلاها والله اعلم ۱۲ منه

لا ترامة ثامن (قوله بل لو) الذی یظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح علی انهم اختلفوا فی افضلیة صلاتها بالجماعة بعد التراویح کما یأتی (رد المحتار ص۴۷۲ ج۱)

وقال الرافعی رحمه الله تعالی (قوله الذی یظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح) الذی یظهر ان جماعته تبع لجماعة الفرض لا التراویح فان المفهوم من قول المصنف ولا یصلی الوتر بجماعة الا انه یصلی جماعة فی رمضان فیعمل بعمومه حتی یوجد ما یقتضی تخصیصه بما اذا صلی التراویح جماعة نعم التقیید بما اذا صلی الفرض جماعة نقله القهستانی (التحریر المختار ص۹۲ ج۱)

مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ بہرصورت وتر کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے، البتہ اگر کسی نے بھی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو یہ لوگ تراویح اور وتر کی جماعت نہ کریں۔ اس صورت میں تراویح کی جماعت سے ممانعت مصرح ہے، وتر کی صراحت نظر سے نہیں گزری، مگر ظاہر ہے کہ اس کا حکم بھی یہی ہے، اس لئے کہ جماعت وتر یا جماعت تراویح یا جماعت فرض کے تابع ہے۔ قال الحلبی رحمه الله تعالی فی شرح المنیة الصغیر فاتته ترویحة او ترویحتان وقام الامام الی الوتر یوتر مع الامام ثم یقضی ما فاته واذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لا یتبعه فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معه التراویح لا یتبعه فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعه فی ذلک کله حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح ۔ وفی القنیة لو ترکوا الجماعة فی الفرض لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعة (صغیری ص۲۱۰) وفی الدر ولو صلاه وحده یصلیها معه (وفی الشامیة اما لو صلیت بجماعة الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحده فله ان یصلیها مع ذلک الامام لان جماعتهم مشروعة فله الدخول فیها معهم لعدم المحذور (رد المحتار ص۴۰۳ ج۱) علائیہ وشامیہ کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ تراویح با جماعت پڑھ سکتا ہے، جس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اس صورت میں وتر با جماعت جائز ہو، اس لئے کہ تراویح فرض کے تابع ہیں اور وتر مستقل نماز ہے۔ قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالی (قوله فلیراجع) قضیة التعلیل فی المسألة السابقة بقولهم لانها تبع ان یصلی الوتر بجماعة فی هذه الصورة لانه لیس بتبع

للتراویح ولا للعشاء عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ (طحطاوی علی الدر ص ۲۹۷ ج ۱) جب جماعت فرض سے مختلف تابع یعنی تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے تو مستقل نماز یعنی وتر کی جماعت میں بطریق اولیٰ شرکت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ رجب سنہ ۸۶ھ

فرض اور وتر میں امام مختلف ہو تو کراہت نہیں:

سوال:- ایک امام نے فرض نماز پڑھائی اور وتر دوسرے امام نے پڑھائے، تو جائز ہے یا نہیں یا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا کراہت جائز ہے، لما نقلنا فی المسألۃ السابقۃ عن الشامیۃ ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازا عن صلوتہا منفردا اما لو صلاہا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لا کراہۃ تأمل (رد المحتار ص ۶۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ رجب سنہ ۸۶ھ

جماعت فجر کے وقت سنت پڑھنا:

سوال:- جماعت فجر کی کھڑی ہوجائے تو سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ سکتا ہے تو کس صورت میں پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے ساتھ تشہد ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے جہاں تک ہوسکے مقام جماعت سے علیحدہ ہو کر پڑھے، مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو کسی دیوار یا ستون کی آڑ میں پڑھے، صف کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ مسجد کے دو حصے ہوں تو دوسرے حصہ میں پڑھنے کی گنجائش ہے۔

قال فی شرح التنویر واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتہا ترکہا لکون الجماعۃ اکمل والا بان رجا ادراک رکعۃ فی ظاہر المذہب وقیل التشہد واعتمدہ المصنف والشرنبلالی تبعا للبحر لکن ضعفہ فی النہر لا یترکہا بل یصلیہا عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکہا لان ترک المکروہ مقدم علی السنۃ، وفی الشامیۃ (قولہ لکن

لہ انظر الحاشیۃ الماضیۃ ۱۲ رشید احمد

ضعفه في النهر قلت لكن قواه في فتح القدير والحلية. قوله (لان المدار) على ادراك فضل الجماعة
وقد اتفقوا على ادراكه بادراك التشهد فيأتي بالسنة اتفاقا كما رجحه في الشرنبلالية ايضا
واقره في شرح المنية وشرح نظم الكنز وحاشية الدرر لنوح افندي وتبعهما الشيخ اسمعيل
ونحوه في القهستاني وجزم به الشارح في مواقيت الصلوة. قوله (عند باب المسجد) اي
خارج المسجد كما صرح به القهستاني وقال في العناية لانه لو صلاها في المسجد كان متنفلا
فيه عند اشتغال الامام بالفريضة وهو مكروه فان لم يكن على باب المسجد موضع للصلوة
يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد واشدها كراهة ان يصليها مخالطا
للصف مخالفا للجماعة والذي يلي ذلك خلف الصف من غير حائل اهـ ومثله في النهاية
والمعراج. وقال بعده قوله (والا تركها) اي اذا كان للمسجد موضعان والامام في احدهما
ذكر في المحيط انه قيل لا يكره لعدم مخالفة القوم وقيل يكره لانهما كمكان واحد قال
فاذا اختلف المشايخ فيه فالافضل ان لا يفعل قال في النهر وفيه افادة انها تنزيهية اهـ
لكن في الحلية قلت وعدم الكراهة اوجه للآثار التي ذكرناها اهـ (رد المحتار [illegible]) فقط والله تعالى اعلم
۱۱ رمضان المبارک سنہ [illegible]

سنت فجر ایسی جگہ پڑھنا جہاں قرأت امام سنائی دے:

سوال: اگر کسی مسجد کا ایک درجہ ہو اور اس میں جماعت فجر ہو رہی ہو تو صبح کی سنت کس جگہ ادا کریں؟ اگر صف کے پیچھے ادا کریں تو قرأت سنائی دے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت فجر گھر میں ادا کر کے مسجد جانا چاہئے خصوصاً جبکہ قیام جماعت کا وقت ہو چکا ہو، اگر گھر میں سنت نہیں پڑھی تو مسجد سے باہر پڑھے، اگر باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی ستون یا دیوار کی آڑ میں پڑھے، امام کی قرأت سنائی دینے میں کوئی حرج نہیں، صف کے پیچھے بلا حائل سنت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۹ رمضان المبارک سنہ [illegible]

نفل کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا:

سوال: زید نفل نماز کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا، سجدۂ سہو کر کے نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا؟
اگر قعدۂ اخیرہ کے سہواً کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت بھی پڑھ لی اور پھر یاد آیا تو کیا حکم ہوگا؟

سجدۂ سہو سے دوسری صورت میں ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلی صورت میں اگر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آگیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر تیسری کے سجدے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، اگر تین ہی پر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہوگئی، دو رکعتیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

دوسری صورت میں سجدۂ سہو سے دو رکعتیں صحیح ہوگئیں چونکہ تیسری کی طرف قیام سہواً ہوا ہے اس لئے اس کے نقض سے شفع ثانی کی قضاء واجب نہیں، اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ چار رکعتیں پوری کرلے، چار پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں۔ قال فی التنویر وقضی رکعتین لو نوی اربعا ونقض فی الشفع الاول او الثانی وفی الثلاثیة ای وتشہد للاول والا یفسد الکل اتفاقا والاصل ان کل شفع صلوٰة الا بعارض اقتداء او نذر او ترک قعود اول وفی الشامیة (قولہ او الثانی) ای ولو نقض رکعتین فی الشفع الاول بعد ما تم الشفع الثانی فی خلالہ قبل القعود فیقضی الثانی فقط لتمام الاول لکن ینبغی وجوب اعادة الاول لترک واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سہو کما ہو الحکم فی کل صلوٰة ادیت مع ترک واجب (قولہ او ترک قعود اول) لان کل شفع صلوٰة علی حدة یقتضی افتراض القعدة عقبیہ فیفسد بترکہا کما ہو قول محمد وہو القیاس لکن عندہما لما قام الی الثالثة قبل القعدة فقد جعل الکل صلوٰة واحدة شبیہة بالفرض وصارت القعدة الاخیرة ہی الفرض وہو الاستحسان وعلیہ فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوٰة المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدة وہو الرکعة الاخیرة لان التنفل بالرکعة الواحدة غیر مشروع فیفسد ما قبلہا (رد المحتار ص ۴۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ شوال سنہ ۹۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- اگر نفل کی دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا، سہواً کھڑا ہوگیا اور تیسری رکعت کے سجدے کے بعد یاد آیا اور چوتھی رکعت ملا کر آخر میں سجدۂ سہو کر لیا، تو اس کی دو رکعتیں ہوئیں یا چار؟ نفل کے ہر دوگانہ پر قعدہ فرض ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں صرف دو رکعتیں ہوں گی، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قیاس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ پوری نماز فاسد ہو، شفع اول ترک فرض قعدہ کی وجہ سے اور شفع ثانی اس لئے کہ وہ شفع اول پر مبنی ہے والمبنی علی الفاسد فاسد، مگر استحساناً چاروں رکعتیں صحیح ہیں، اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہاً بالفرض کی وجہ سے نوافل کے قعدۂ اولیٰ کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہوگئی، اور ترک واجب کے نقصان کا تدارک سجدۂ سہو سے ہوگیا۔

چونکہ فرض چار سے زائد نہیں اس لئے صورت مذکورہ میں استحساناً صحت صرف چار رکعات کے ساتھ مخصوص ہے، چار سے زائد رکعات پڑھنے کی صورت میں نماز فاسد ہے، اسی طرح تین رکعتیں پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی، اس میں اگرچہ نماز مغرب سے تشبہ موجود ہے، مگر نفل کی ایک رکعت غیر مشروع ہے اور وہ ماقبل کو بھی فاسد کر دیتی ہے، قال فی الدر: والاصل ان کل شفع صلوٰۃ الا بعارض اقتداء او نذر او ترک قعود اول، وفی الشامیۃ (قولہ او ترک قعود اول) بان کان کل شفع صلوٰۃ علی حدۃ یقتضی افتراض القعدۃ عقیبہ فیفسد بترکہا کما ہو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وہو القیاس لکن عندہما لما قام الی الثالثۃ قبل القعدۃ فقد جعل الکل صلوٰۃ واحدۃ شبیہۃ بالفرض وصارت القعدۃ الاخیرۃ ہی الفرض وہو الاستحسان وعلیہ فلو تطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوٰۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدۃ وہو الرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ما قبلہا ولو تطوع بست رکعات بقعدۃ واحدۃ فہل یجوز والاصح لا لان الاستحسان جواز الاربع بقعدۃ اعتبارا بالفرض ولیس فی الفرض ست رکعات تؤدی بقعدۃ فیعود الامر الی اصل القیاس کذا فی البدائع (رد المحتار ص ۴۴۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ ذیقعدہ سنہ ۹۱ھ

وتر کا آخری قعدہ بھول گیا:

سوال:- اگر وتر کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا ہو اور چوتھی رکعت بھی ادا کرلیا، پھر یاد آیا تو سجدۂ سہو کرنے کے بعد وتر ہوتے یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہے؟ اور اگر قعدۂ اخیرہ کرکے چوتھی رکعت کو کھڑا ہوگیا اور سجدہ کے بعد یاد آیا تو پھر بھی سجدۂ سہو سے وتر ادا ہوئے یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کا واجب ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وتر میں قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور چوتھی رکعت ادا کر لی تو وتر ادا نہ ہوں گے، بلکہ یہ رکعات نفل ہو جائیں گی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، وتر دوبارہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ اگر فرض نماز کی چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پانچویں رکعت ادا کر لی تو اس رکعت کو ضیاع سے بچانے کے لئے چھٹی رکعت بھی ملائے گا، اور یہ سب رکعات نفل ہو جائیں گی، قال فی التنویر ولو سہا عن القعود الاخیر عاد ما لم یقیدہا بسجدۃ وان قیدہا تحول فرضہ نفلا برفعہ وضم سادسۃ ان شاء ولا یسجد للسہو علی الاصح (رد المحتار ص ۶۹۸ ج ۱)

اور اگر وتر کے قعدۂ اخیرہ کے بعد چوتھی رکعت پڑھی تو وتر صحیح ہو گئے، بہتر ہے کہ ایک رکعت اور ملا لے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں، کما فی التنویر وان قعد فی الرابعۃ ثم قام عاد وسلم وان سجد للخامسۃ سلم وضم الیہا سادسۃ لتصیر الرکعتان نفلا وسجد للسہو (رد المحتار ج ۱)

دونوں صورتوں میں وتر کو فرض پر قیاس کیا جائے گا، اس لئے کہ وتر بھی عملاً فرض ہے کما قال صاحب التنویر وہو فرض عملا (رد المحتار ص ۶۳۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰ شوال سنہ ۸۰ھ

سنتِ فجر کی چار رکعتیں پڑھ لیں :

سوال :- فجر کی سنت کا آخری قعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت پڑھنے کے بعد یاد آیا، اور چوتھی رکعت بھی ملا لی اور سجدۂ سہو کر کے نماز تمام کی، تو سنت ہوئی یا نہیں؟ یعنی دو سنت اور دو نفل، یا چاروں نفل ہوں گی، اور سنت پھر ادا کرنی پڑے گی؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں دو رکعت سنت ہو گئیں، اور دو نفل، چونکہ یہ نفل قصداً نہیں پڑھے اس لئے وقت مکروہ میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ :

صورتِ مذکورہ میں چوتھی رکعت ملانا واجب ہے، اس لئے کہ تیسری پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور شفع اول چونکہ قصداً شروع کیا ہے اس لئے اس کا اتمام واجب ہے، افساد جائز نہیں، البتہ اگر فجر کے فرض میں یہ صورت پیش آ گئی تو بہتر ہے کہ تیسری رکعت پر سلام پھیر دے چوتھی نہ ملائے، اس لئے کہ ترک قعدہ سے فرض نفل ہو گئے تو نفل کا شفع اول قصداً شروع نہیں ہوا

لہٰذا اس کا اتمام واجب نہیں، اور مکروہ وقت میں اگرچہ ایسے نوافل کا اتمام جائز ہے مگر ترک اولیٰ ہے، اگر عصر میں قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملانا واجب نہیں، پانچویں پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ اقتصار جائز ہے، لما ذکرنا فی صلوٰۃ الظہر البتہ عصر میں چھٹی رکعت ملانا بہتر ہے، اس لئے کہ ترک قعدۂ اخیرہ سے فرض نفل ہو گئے تو وقت مکروہ نہ ہوا کراہت فرض عصر کے بعد ہے، اور صورت مذکورہ میں فرض ادا ہی نہیں ہوئے، لہٰذا اتمام اولیٰ ہے کما فی الشامیۃ وغیرہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ذی الحجہ ۸۸ھ

اشراق، چاشت اور اوابین کی رکعات:

سوال:- اشراق، چاشت، اوابین کی کم سے کم کتنی رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ کتنی رکعتیں ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اشراق و چاشت دونوں کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، اشراق کی زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں اور چاشت کی زیادہ سے زیادہ بارہ، اوابین دو رکعت سنت مؤکدہ سمیت کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الفجر فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ وعمرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تامۃ تامۃ تامۃ (ترمذی ص۱۰۰ ج۱) عن نعیم بن ہمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یقول اللہ عزوجل یا ابن آدم لا تعجزنی من اربع رکعات فی اول نہارک اکفک آخرہ (ابوداؤد ص۱۸۳ ج۱) وفی العلائیۃ عن المنیۃ اقلہا (صلوٰۃ الضحیٰ) رکعتان واکثرہا اثنا عشر واوسطہا ثمان وہو افضلہا کما فی الذخائر الاشرفیۃ لثبوتہ بفعلہ وقولہ علیہ السلام واما اکثرہا فبقولہ فقط، وفی الشامیۃ (قولہ واکثرہا اثنا عشر) لما رواہ الترمذی والنسائی بسند فیہ ضعف انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی الضحیٰ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرا من ذہب فی الجنۃ، وقد تقرر ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الفضائل، شرح المنیۃ (رد المحتار ص۶۳۹ ج۱) عن محمد بن عمار بن یاسر قال رأیت عمار بن یاسر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال رأیت حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وان کانت مثل زبد البحر للطبرانی (مجمع الفوائد ص ۲۱۱ ج ۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی بعد المغرب عشرین رکعۃ بنی اللہ له بیتا فی الجنۃ (ترمذی ص ۹۰ ج ۱، ابن ماجۃ ص ۹۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ محرم ۸۸ھ

دو رکعت سنت مؤکدہ اوابین میں داخل ہیں:

سوال: اوابین کے نوافل کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے ہیں؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے، اسی کو اوابین کہتے ہیں" اور حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے: "یستحب ست بعد المغرب" (در مختار ج ۱ التنویر ج ۱ ص ۰۰۰) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ اوابین کے کم از کم نوافل چھ ہیں، اور بہشتی زیور کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات علماء کا خیال ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ اوابین کے نوافل صرف چار ہیں، چھ نوافل جو مشہور ہیں ان میں مغرب کی دو سنتیں مؤکدہ بھی شامل ہیں، یعنی مغرب کے فرض اور سنتوں کے علاوہ اوابین کے نوافل کم از کم چار پڑھنا کافی ہے کیا یہ خیال صحیح ہے؟ اس طرح اوابین کے نفل کی تعداد کم از کم چھ متعین ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوء عدلن له بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ (رواہ الترمذی ص ۹۰ ج ۱) وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی بعد المغرب عشرین رکعۃ بنی اللہ له بیتا فی الجنۃ، (رواہ الترمذی ص ۹۰ ج ۱) قال علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ المفھوم ان الرکعتین الراتبتین داخلتان فی الست وکذا فی العشرین المذکورۃ فی الحدیث الآتی، قالہ الطیبی (مرقاۃ ص ۱۴۲ ج ۳) وفی شرح التنویر وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمۃ او ثنتین او ثلاث والاول ادوم واشق وھل تحسب المؤکدۃ من المستحب

ویؤدی الکل بتسلیمة واحدة اختاره الکمال نعم. وفی الشامیة (قوله اختاره الکمال) ذکر الکمال فی فتح القدیر انه وقع اختلاف بین اهل عصره فی ان الاربع المستحبة هل هی اربع مستقلة غیر رکعتی الراتبة او اربع بهما وعلی الثانی هل تؤدی معهما بتسلیمة واحدة او لا فقال جماعة لا واختار هو انه اذا صلی اربعا بتسلیمة او تسلیمتین وقع عن السنة والمندوب، وحقق ذلک بما لا مزید علیه واقره فی شرح المنیة والبحر والنهر (رد المحتار ص ۴۳۱ ج ۱) مذکورہ بالا حدیثوں اور شامیہ کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اوّابین کی تعداد کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں ہیں، اور مغرب کی دو سنتیں اوّابین میں داخل ہیں، بہشتی زیور کے حاشیہ میں محررہ حوالہ کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال [illegible]ھ

اشراق، چاشت اور تہجد کے اوقات:

سوال:۔ مندرجہ ذیل نوافل کے اوقات وضاحت سے تحریر فرمائیں:

① اشراق کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے منٹ بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت طلوع آفتاب کے بعد کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟

② چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟

③ تہجد کا وقت غروب آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے پہلے تک رہتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

① طلوع کے بعد جب آفتاب میں اتنی تیزی آجائے کہ اس پر کچھ دیر تک نظر جمانا مشکل ہو تو اشراق کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اس کی مقدار ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتی ہے، میری کتاب "صبح صادق" میں نقشہ اوقات اشراق کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے، یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے اور احسن الفتاویٰ جدید جلد دوم میں بھی۔

اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے، مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے۔

② چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہو کر نصف النہار تک ہے، اور اس کا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے، قال فی الهندیة وندب اربع

فصلاتها الضحى على الصحيح من بعد الطلوع الى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار (رد المحتار ص ۶۳۹ ج ۱)

③ وقت تہجد عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے، غروب آفتاب سے ابتداء عشاء اور صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وقت کی گھنٹوں سے تعیین نہیں کی جا سکتی، اس لئے کہ یہ وقت ہر جگہ اور ہر موسم میں مختلف ہوتا ہے، البتہ ایک گھنٹہ سے کم کبھی نہیں ہوتا، مختلف مقامات کے اوقات عشاء و صبح صادق کا نقشہ میری کتاب "صبح صادق" میں ملاحظہ ہو۔

جو شخص رات کی ایک تہائی تہجد میں مشغول رہنا چاہے اس کے لئے افضل وقت یہ ہے کہ رات کے تین حصے کرکے درمیانی حصہ میں تہجد پڑھے، اول و آخر میں سوئے، اور اگر نصف شب تہجد میں گزارنا چاہے تو آخری نصف افضل ہے۔

اگر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت بنیت تہجد پڑھ کر سو جائے اور پھر اٹھ کر تہجد پڑھنے کا ارادہ بھی رکھے، اگر آنکھ نہ کھلی تو تہجد کا ثواب مل جائے گا۔

لحديث ثوبان رضي الله تعالى عنه مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنا في سفر فقال ان هذا السفر جهد وثقل فاذا اوتر احدكم فليركع ركعتين فان استيقظ والا كانتا له (شرح معاني الآثار ص ۱۶۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

نوافل کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ ہے:

سوال: عموماً ہمارے اکابر علماء شبینہ سے منع فرماتے ہیں، اور وجوہ کراہت میں ایک وجہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے، مگر ایک عالم فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت صرف غیر رمضان میں مکروہ ہے، رمضان میں مکروہ نہیں، ان کی تحریر ارسال ہے، امید ہے کہ اس کا شافی جواب تحریر فرمائیں گے۔

في الدر ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اي يكره ذلك لو على سبيل التداعي بان يقتدي اربعة بواحد، وفي الرد عن البدائع ان الجماعة في التطوع ليست بسنة الا في قيام رمضان، وبعد اسطر، والنفل بالجماعة غير مستحب لانه لم تفعله الصحابة في غير رمضان (رد المحتار ص ۶۶۰ ج ۱) وفي الفتح عن الكافي ويكره صلوة التطوع جماعة ما خلا قيام رمضان (فتح القدير ص ۳۳۰ ج ۱) وفي الموطا

للامام محمد قال محمد وبهذا نأخذ لا بأس بالصلوٰة فی شهر رمضان ان یصلی الناس بامام تطوعاً لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک (موطا محمد ص ۱۱۱)

عبارات بالا میں تطوع، نفل اور قیام رمضان کے الفاظ ہیں، ان میں سے تطوع اور نفل کا عموم ظاہر ہے، اسی طرح قیام رمضان بھی تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نوافل کو بھی شامل ہے۔ قال الحافظ العینی ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعة فی لیالی رمضان ویقال یرید صلوٰة التراویح وقال بعضهم لا یختص ذلک بصلوٰة التراویح بل فی ای وقت صلی تطوعاً حصل له ذلک الفضل (عمدة القاری ص ۲۳۳ ج ۱) وقال ایضاً فی باب فضل من قام رمضان قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیامه صلوٰة التراویح قلت قال النووی المراد بقیام رمضان صلوٰة التراویح ولکن الاتفاق من این اخذه بل المراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام سواء کان قلیلاً او کثیراً (عمدة القاری ص ۱۲۳ ج ۱۱) وقال الحافظ العسقلانی والمراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام کما قدمناه فی التهجد سواء وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰة التراویح یعنی انه یحصل بها المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یکون الا بها واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰة التراویح (فتح الباری ص ۲۱۰ ج ۴)

الجواب باسم ملهم الصواب

اس تحریر میں بعض اکابر کی ایک قدیم تحریر کا مضمون نقل کیا گیا ہے، جس کا جواب بھی اسی وقت کے مختلف علماء نے لکھ دیا تھا، مذہب حنفی میں امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں تو یہ جماعت بالاتفاق مکروہ ہے، اور مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ جماعت اگرچہ بلا کراہت جائز ہے، مگر اس میں بھی جماعت کی فضیلت اور ثواب نہیں، قال فی العلائیة یکره ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکره وثلاثة بواحد فیه خلاف بحر عن الکافی وهل یحصل بهذا الاقتداء فضیلة الجماعة ظاهر ما قدمناه من ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة یفید عدمه تأمل (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)

وقال الطحطاوی والتداعی بسببه الاجتماع لان اجتماعهم علی ذلک یدعون

بزاهم الى الان خول سهم (طحطاوی علی الدر المختار ص ۲۹۰ ج ۱)

یہ حکم رمضان اور غیر رمضان دونوں کو عام ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی "مطلب فی احیاء لیالی العیدین والنصف من شعبان وعشر ذی الحجۃ ورمضان" (وفی الامداد) ویحصل القیام بالصلوٰۃ نفلا فرادیٰ من غیر عدد مخصوص، وبقراءۃ القرآن والاحادیث وسماعھا وبالتسبیح والثناء والصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال (تنبیہ) اشار بقولہ فرادیٰ الی ما ذکرہ بعد فی متنہ من قولہ ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد وتمامہ فی شرحہ وصرح بکراھۃ ذلک فی الحاوی القدسی وقال ما روی من الصلوات فی ھذہ الاوقات یصلی فرادیٰ غیر التراویح۔
(رد المحتار ص ۶۳۲ ج ۱)

وقال الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ واعلم ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ علی ما تقدم ما عدا التراویح وصلوٰۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من صلوٰۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب وصلوٰۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان وصلوٰۃ القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ وقال حافظ الدین البزازی شرع فی نفل فافسدہ واقتدی احدھما بالآخر فی قضائہ لا یجوز لاختلاف السبب ولکن القضاء او النذر لا یجوز وعن ھذا کرہ الاقتداء فی صلوٰۃ الرغائب وصلوٰۃ البراءۃ ولیلۃ القدر (شرح المنیۃ ص ۴۳۲) ان عبارات میں رمضان وغیر رمضان دونوں میں جماعت نوافل کی کراہت مصرح ہے۔

وقال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیا یصلون فرادیٰ لا بجماعۃ لان الثانیۃ تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعۃ مکروہ (بدائع ص ۲۹۰ ج ۱)

ونقل ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ عن الخلاصۃ ولو صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیا یصلون فرادیٰ (البحر الرائق ص ۶۶ ج ۲) وقال ایضا وانما لم یذکر (التراویح) مع السنن المؤکدۃ قبل النوافل المطلقۃ لکثرۃ شعبھا واختصاصھا بحکم من بین سائر السنن والنوافل وھو الاداء بجماعۃ (البحر ص ۴۱ ج ۲)
وقال ایضا فی الاشباہ یکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ الرغائب وصلوٰۃ البراءۃ ولیلۃ القدر
(الاشباہ والنظائر ص ۳۱۱)

وقال الشيخ الحموي اداء النفل بجماعة على سبيل التداعي مكروه الا ما استثني كصلوٰة التراويح (الاشباه ص ۲۰۹ ج ۱)

وقال العلامة البابرتي رحمه الله تعالى ذكر التراويح في فصل على حدة لاختصاصها بما ليس لمطلق النوافل من الجماعة (عناية على هامش الفتح ص ۳۳۲ ج ۱)

وفي الهندية ولو صلى التراويح ثم ارادوا ان يصلوها ثانيا يصلون فرادى كذا في التاتارخانية (عالمگیریه ص ۱۱۶ ج ۱)

وفي البزازية صلوها بجماعة ثم ارادوا ان يعيدوها بالجماعة يكره بل يصلون فرادى لان النفل بجماعة على التداعي يكره الا بالنص (بزازية على هامش الهندية ص ۴ ج ۴)

وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري ولو زاد على العشرين بالجماعة يكره عندنا لان صلوٰة التطوع بالجماعة مكروه (خلاصة الفتاوى ص ۶۴ ج ۱)

وقال العلامة الطحطاوي رحمه الله تعالى (في) (الجماعة) سنة عين الا في التراويح فانها فيها سنة كفاية ووتر رمضان فانها فيه مستحبة واما وتر غيره وتطوعه فمكروهة فيهما على سبيل التداعي (طحطاوي على المراقي ص ۱۵۶)

وفي شرح التنوير ولا تقضى اذا فاتت اصلا ولا وحده في الاصح وقال الطحطاوي وقيل يقضيها منفردا (طحطاوي على الدر المختار ص ۲۹۶ ج ۱)

وفي شرح التنوير لو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لانها تبع وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى اي لان جماعتها تبع لجماعة الفرض فانها لم تقم الا بجماعة الفرض فلو اقيمت بجماعة وحدها كانت مخالفة للوارد فيها فلم تكن مشروعة (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)

وفي شرح التنوير ولو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى الذي يظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وان كان الوتر نفسه اصلا في ذاته لان سنة الجماعة في الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراويح (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ تراویح اور وتر کی جماعت بھی بالتبع مشروع ہے، مطلقاً نہیں، تو نوافل کی جماعت بطریق اولیٰ مشروع نہ ہوگی، لانها ادنی حالا منهما، بلکہ نوافل کو نذر سے واجب کرلیا ہو تو بھی ان کی جماعت مشروع نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر

اگر نوافل باجماعت کی نذر کی جو تو بھی کراہت سے خالی نہیں، قال فی شرح التنویر وفی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلوۃ رغائب وبراءۃ وقدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بهذا الامام بالجماعۃ اھ قلت وتتمۃ عبارۃ البزازیۃ من الامامۃ ولا ینبغی ان یتکلف کل هذا التکلف لامر مکروہ، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالى (قوله قلت الخ) لم ینقل عبارۃ البزازیۃ بتمامها ونصها ولا ینبغی ان یتکلف لالتزام ما لم یکن فی الصدر الاول کل هذا التکلف لاقامۃ امر مکروہ وهو اداء النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی فلو ترک امثال هذه الصلوات تارک لیعلم الناس انه لیس من الشعار فحسن اھ وظاهره انه بالنذر لم یخرج عن کونه اداء النفل بالجماعۃ (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) وقال الرافعی (قوله لم ینقل عبارۃ البزازیۃ بتمامها الخ) وحاصل ما فی هذه الکتب "الاقتداء فی صلوۃ الرغائب وصلوۃ البراءۃ ولیلۃ القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بهذا الامام بالجماعۃ لعدم امکان الخروج عن العهدۃ الا بالجماعۃ ولا ینبغی الخ (التحریر المختار ص ۹۲ ج ۱) وقال الطحطاوی (قوله لامر مکروہ) فیه منافاۃ للاستثناء فان مقتضاه عدم الکراهۃ ومراده بالتکلف النذر وقد یقال ان المکروہ هو الاجتماع والاستثناء من کراهۃ الاقتداء فلا منافاۃ (طحطاوی علی الدر ص ۲۹۰ ج ۱)

قال ابن عابدین رحمه الله تعالى شکوا هل صلوا تسع تسلیمات او عشرا یصلون تسلیمۃ اخری فرادی فی الاصح للاحتیاط فی اکمال التراویح والاحتراز عن التنفل بالجماعۃ (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱)

وقال الشیخ عبد الحق الدهلوی رحمه الله تعالى اذا فاتت التراویح هل تقضی بعد وقتها بالجماعۃ او بغیر الجماعۃ فالجواب لا تقضی بجماعۃ (ما ثبت بالسنۃ ص ۲۰۹) وقال ایضا اذا شکوا انهم صلوا تسع تسلیمات او عشرا اختلف المشائخ فیه (الی قوله) والصحیح انهم یصلون تسلیمۃ اخری فرادی حتی یتم الاحتیاط فی السنۃ باتمامها ویتم الاحتراز عن اداء النافلۃ بجماعۃ غیر التراویح (ما ثبت بالسنۃ آخر الفصل الاول من بیان شهر رمضان) وقال ایضا (قال مالک ویروی عن الشافعی ایضا انها ست وثلاثون او تسع وثلاثون مع الوتر فهو عمل اهل المدینۃ خاصۃ وکان سبب ذلک ان اهل مکۃ یطوفون بالبیت اسبوعا یصلون رکعتی

الطواف بين ترويحتين واهل المدينة لما ارادوا ادراك هذه الفضيلة صلوا بين ذلك
اربع ركعات فجعلوها ستة عشرية واستمر عادتهم على ذلك الى الآن وقد يروى ذلك
عن عمر وعلي رضي الله تعالى عنهما التغيير منهما فان صلى غيرهم ايضا لا بأس ويستوي
فيه الامام وغيره وينبغي ان يصلوا فرادى لان التنفل بجماعة في غير التراويح مكروه عندنا
لكن اهل المدينة يصلونها بجماعة والتنفل بجماعة لا يكره عندهم قال الشيخ
القاسم المحقق من متأخري علمائنا انما التنفل بجماعة مكروه لانه لو كان مستحبا
لكانت افضل كالمكتوبات ولو كانت افضل لكان المتهجدون القائمون بالليل يجمعون
فيصلون بجماعة طلبا للفضيلة فلما لم يرو ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
والصحابة رضوان الله عليهم اجمعين علم انه لا فضل في ذلك بما ثبت بالسنة الخ)

وقال الامام السرخسي رحمه الله تعالى فانها عشرون ركعة سوى الوتر عندنا
وقال مالك السنة فيها ستة وثلاثون قيل من اراد ان يعمل بقول مالك ويسلك مسلكه
ينبغي ان يفعل كما قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى يصلي عشرين ركعة كما هو السنة ويصلي
الباقي فرادى كل تسليمتين اربع ركعات وهذا احسن عندنا وقال الشافعي لا بأس باداء
الكل بجماعة كما قال مالك بناء على ان النوافل بجماعة مستحبة عنده وهو مكروه عندنا
والشافعي قاس النفل بالفرض لانه تبع له فيجري مجرى الفرض فيعطى حكمه ولنا ان
الاصل في النوافل الاخفاء فيجب صيانتها عن الاشتهار ما امكن وفيما قاله الخصم
الاشتهار فلا يعمل به بخلاف الفرائض لان مبناها على الاعلان والاشتهار وفي
الجماعة اشتهار فكان احق ويوضح ما قلنا ان الجماعة لو كانت مستحبة في حق النوافل
لفعله المتهجدون القائمون بالليل لان كل صلوة جوزت بالانفراد وبالجماعة كانت
الجماعة فيها افضل ولم ينقل اداؤها بالجماعة في عمره صلى الله عليه وسلم ولا في
زمن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ولا في زمن غيرهم من التابعين رحمهم الله تعالى
فالقول بها مخالفة للامة اجمع وهذا باطل (مبسوط ص۱۴۴ ج۲)

وفي شرح التنوير ولا يصلى النفل في غير التراويح المتوارث لا يعرف نقل عنها
وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله غير التراويح) اي لانها تقام بالجماعة
ومعها المسجد واستثنى في شرح المنية ايضا تحية المسجد وهو ظاهر واقول وشيء

لمشارکتہا للاحرام والطواف فان الاولی تصلی فی مسجد عند المیقات ان کان کما فی باب الحج والثانیۃ عند المقام ولکن رکعتا القدوم من السفر بخلاف ما اذا کان فیہا فتصلی فی البیت کما یاتی وان کان الافضل فی النفل مطلقًا ولکن استثنی منہا الضحی وقولہ بالتاخیر ولکن صلوۃ الکسوف لانہا تصلی بجماعۃ اھ وعلی ہامش الشامیۃ قولہ وکذا صلوۃ الکسوف لانہا تصلی بجماعۃ وجد ھذا فی نسخۃ المؤلف لکن بغیر خطہ ملحقًا وکذا سنۃ الجمعۃ القبلیۃ لان الافضل فی الجمعۃ التبکیر قبل الوقت فیلزم وقوع سننہا فی المسجد فصارت جملۃ المستثنیات تسعۃ (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱)

وفی شرح التنویر وکل ما شرع بجماعۃ فالمسجد فیہ افضل قالہ الحلبی (رد المحتار ص ۴۶۴ ج ۱)

ان نصوص صریحہ کثیرہ سے ثابت ہوا کہ جن عبارات میں رمضان میں جماعت کے ساتھ تطوع، نفل اور قیام کے الفاظ ہیں ان سے تراویح مراد ہے، بالخصوص جبکہ جن کتب میں یہ الفاظ ہیں خود انہی میں رمضان میں بھی جماعت نوافل کی کراہت مصرح ہے، علاوہ ازیں ان عبارات میں "لانہ لم تفعلہ الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم فی غیر رمضان" اور "لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک" بھی مستقل دلیل ہے کہ یہاں نفل اور تطوع سے تراویح مراد ہے، اس لئے کہ بجز تراویح کے دوسرے نوافل کی جماعت رمضان میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور تابعین و ائمہ دین رحمہم اللہ تعالی سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے خلاف ترک جماعت پر اجماع ہے کما فی ما نقل الشیخ الدہلوی والامام السرخسی رحمہما اللہ تعالی وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی وزادت الصحابۃ ومن بعدہم فی قیام رمضان ثلاثۃ اشیاء الاجتماع لہ فی مساجدہم وذلک لانہ یفید التیسیر علی خاصتہم وعامتہم واداؤہ فی اول اللیل مع القول بان الصلوۃ آخر اللیل مشہودۃ وہی افضل کما نبہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ لہذا التیسیر الذی اشرنا الیہ وعدد عشرین رکعۃ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۸ ج ۲)

اول اللیل اور عشرون رکعۃ سے ثابت ہوا کہ اجماع فی المسجد صرف تراویح کے لئے ہوتا تھا۔

وقال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالی حدثنا روح بن الفرج قال حدثنا یوسف ابن الفرج قال حدثنا یوسف بن عدی قال حدثنا ابو الاحوص عن مغیرۃ عن ابراہیم قال کان المتہجدون یصلون فی ناحیۃ المسجد والامام یصلی بالناس فی رمضان (شرح معانی الآثار ص ۲۰۷ ج ۱) ونقل الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی عن البیہقی عن

السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانوا یقومون علی عہد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مثلہ (عمدۃ القاری ص ۵۹۸ ج ۵)

باقی رہی قیام رمضان سے متعلق حافظ عینی اور حافظ عسقلانی رحمہا اللہ کی تحقیق، سو اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اس تحقیق سے مقصود یہ ہے کہ حدیث میں قیام لیل کی جو فضیلت وارد ہے وہ تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے، مگر عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں جہاں رمضان میں قیام بالجماعۃ مذکور ہے وہاں تراویح ہی متعین ہے، اور یہ تعیین خود انہی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہو رہی ہے، کما مر۔

اس سے بھی بڑھ کر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر تنصیص فرمائی ہے کہ قیام اللیل اور تراویح دونوں مترادف ہیں، جیسا کہ کتب فقہ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، خانیہ، بحر، شرح منیہ، بدائع وغیرہ کے تتبع سے ظاہر ہے، بخوف طوالت ہم ان کی نصوص نقل نہیں کی جاتیں، ومن شاء فلیراجع، بلکہ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثریت بھی قیام لیل سے تراویح مراد لیتی ہے، بالخصوص قیام بالجماعۃ میں تو سب تراویح ہی مراد لینے پر متفق ہیں، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضل قیام میں تو مطلق قیام کو ترجیح دی ہے، کما مر تفصیلہ، مگر قیام بالجماعۃ سے وہ بھی تراویح ہی مراد لیتے ہیں، چنانچہ حدیث "صلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا الصلوۃ المکتوبۃ" کے تحت فرماتے ہیں: واستثنی من عموم الحدیث عدۃ من النوافل ففعلہا فی غیر البیت اکمل وہی ما شرع فیہا الجماعۃ کالعیدین والاستسقاء والکسوف (وبعد اسطر) قال الامام حمید الدین الضریر نفس التراویح سنۃ اما اداؤہا بالجماعۃ فمستحب (وبعد سطر) وفی جوامع الفقہ التراویح سنۃ مؤکدۃ والجماعۃ فیہا واجبۃ وفی الروضۃ لاصحابنا ان الجماعۃ فضیلۃ وفی الذخیرۃ لاصحابنا عن اکثر المشائخ ان اقامتہا بالجماعۃ سنۃ علی الکفایۃ (عمدۃ القاری ص ۲۰۰ ج ۵)

موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت "لا باس فی شہر رمضان ان یصلی الناس تطوعا بامام لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک ورأوہ حسنا" کی تشریح میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (قولہ تطوعا) اطلاق التطوع علی التراویح باعتبار انہا زائدۃ علی الفرائض (قولہ علی ذلک) ای علی صلوتہم بامامہم فی لیالی رمضان فی زمان الخلفاء عمر وعثمان وعلی فمن بعدہم الی یومنا ہذا (قولہ ورأوہ حسنا) یدل علیہ قول عمر نعمت البدعۃ (التعلیق الممجد ص ۱۴۲)۔

غرضیکہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رمضان میں جماعت تطوع سے تراویح کی جماعت مراد ہے،

قال الشاہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ قال الفقہاء ان الجماعۃ فی النوافل مکروھۃ الا فی رمضان ولم یفہم مرادھم بعض الاغبیاء فحملہ علی جواز الجماعۃ فی النفل المطلق فی رمضان مع ان مرادھم التراویح لا غیرہا فافہم فان الحلم لا یتحصل الا بعد التدبر (فیض الباری ص ۲۳۷ ج ۳)

آخر میں نوافل کو با جماعت پڑھنے کی بدعت سے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شکایت ملاحظہ ہو:

"افسوس ہزار افسوس! بعضے از ہر عنباء در سلاسل دیگر اصلاً مقرر نیست، درین طریقہ علیہ محدث کردہ اند و نماز تہجد را بجماعت می گذارند از اطراف و جوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند و بجمعیت تمام ادا می نمایند و این عمل مکروہ است بکراہت تحریمیہ، جمعے از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بجانب مسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را بالاتفاق مکروہ گفتہ اند"

(مکتوبات ۱۳۱ ص ۱۲۴ دفتر اول)

مخدوما مکرما! احداث و ابداع را درین طریقہ علیہ بعضے رواج دادہ اند کہ آخر بیان کردہ شد کہ درین طریقہ التزام بدعت است و اجتناب از سنت، ہم گنجائش دارد و نماز تہجد را بجمعیت تمام ادا می نمایند و این بدعت را در رنگ سنت تراویح در مساجد رواج و رونق می بخشند و این عمل را نیک می دانند و مردم را بران ترغیب می کنند و حال آنکہ ادائے نوافل را بجماعت فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم مکروہ گفتہ اند اشد کراہت، و جمعے از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت در جماعت نفل داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بجانب مسجد ساختہ اند و زیادہ از سہ کس را باتفاق مکروہ گفتہ اند (مکتوبات ۱۶۸ ص ۲۰۰ دفتر اول)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ذیقعدہ ۸۵ھ

سنت فجر کی قضاء:

سوال: سنت فجر تنہا رہ جائے تو طلوع آفتاب سے قبل بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو نقل کریں، عین کرم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طلوع آفتاب سے قبل جائز نہیں، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وکان من احبّهم الیّ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الصلوٰۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس وعن الصلوٰۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس (ترمذی ص ۴۵ ج ۱) صحیح بخاری میں بھی اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے (بخاری ص ۸۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ذی الحجہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال: صبح غسل جنابت کرنا بھول گیا اور فجر کی نماز ادا کرلی، اور بعد ادا کرنے نماز کے یاد آیا تو اب اس نماز کی قضاء تو لازم ہے، تو قضاء صرف فرض کی کرے یا سنتوں کی بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر طلوع آفتاب سے قبل جلدی سے غسل کرکے سنت وفرض دونوں ادا کرسکتا ہو تو دونوں پڑھے ورنہ صرف فرض پڑھے، زیادہ تنگ وقت میں فرض کی سنن و مستحبات کو چھوڑ دے، قضاء کی صورت میں اگر اسی روز دوپہر سے قبل قضاء کی تو سنتیں بھی پڑھے ورنہ صرف فرض ہی کی قضاء کرے، اگر جماعت سنت چھوٹ گئیں تو فرض کے بعد طلوع سے قبل پڑھنا جائز نہیں، طلوع کے بعد زوال سے قبل پڑھ لے تو بہتر ہے ضروری نہیں۔ قال فی الدر فی المضمنة اجزئہ عن سنۃ ... تصلی ثم تذکر ولو نفلا لم یعد لعدم صحۃ شروعہ، وفی الشامیۃ (قولہ لعدم صحۃ شروعہ) ای النفل انما تلزم اعادتہ بعد صحۃ الشروع فیہ قصدا وسکت عن الفرض لظہور انہ یلزمہ الاتیان بہ مطلقا (رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۱) وقال فی شرح التنویر ولا یقضیها الا بطریق التبعیة لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده فی الاصح لورود الخبر بقضائها فی الوقت المهمل بخلاف القیاس فغیره علیه لا یقاس، وفی الشامیة (قوله ولا یقضیها الا بطریق التبعیة) ای لا یقضی سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعا لقضائه لو قبل الزوال واما اذا فاتت وحدها فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فکذلک عندهما وقال محمد احب الیّ ان یقضیها الی الزوال کما فی الدرر (قوله لورود الخبر) وهو ما روی انه صلی الله علیه وسلم قضاها مع الفرض غداة لیلة التعریس بعد ارتفاع الشمس کما رواه مسلم فی حدیث طویل (رد المحتار ص ۶۴۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذیقعدہ ۸۹ھ

استخارہ کی حقیقت:

سوال: بہشتی زیور میں استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ لکھا ہے "پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد خوب دل لگا کر یہ دعا پڑھے: اللّٰھم انی استخیرک بعلمک الخ، اور جب ھٰذا الامر پر پہنچے تو اس کام کا جس کے لئے استخارہ کرنا ہے خیال کرے، اس کے بعد پاک و صاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کرکے باوضو سو جائے، جب سو کر اٹھے اس وقت جو بات دل میں مضبوطی سے آئے وہی بہتر ہے، اسی کو کرنا چاہئے، اگر ایک دن میں کچھ نہ معلوم ہو اور دل کا خلجان اور تردد نہ جائے تو دوسرے دن پھر ایسا ہی کرے، اسی طرح سات دن تک کرے، ان شاء اللہ ضرور اس کام کی اچھائی برائی معلوم ہو جائے گی۔"

معلم الحجاج میں مفتی سعید احمد صاحب نے استخارہ کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھو اول رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور سلام کے بعد حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور درود شریف پڑھو اور یہ دعا نہایت خشوع و خضوع سے پڑھو: اللّٰھم انی استخیرک بعلمک الخ اور جب ھٰذا الامر پہنچو تو اس چیز کا خیال دل میں کرو جس کے لئے استخارہ کرتا ہے، اس کے بعد جس جانب دل کا رجحان ہو وہی بہتر ہے، اس کے موافق عمل کرنا چاہئے، اگر پورا اطمینان نہ ہو تو پھر کرو سات دفعہ تک، ان شاء اللہ رجحان اور اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ استخارہ میں اصل چیز یہی ہے کہ تردد رفع ہو جائے اور ایک جانب کو ترجیح ہو جائے، خواب کا دیکھنا وغیرہ ضروری نہیں ہے۔

مناجات مقبول میں جہاں استخارہ کی دعا لکھی ہے یہ لکھا ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے دو رکعت نفل ادا کرے، پھر یہ دعا پڑھے: اللّٰھم انی استخیرک بعلمک الخ

مرشدی وسیدی حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز نے بعد میں تحریر فرمایا ہے کہ استخارہ سے مقصود محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار، فرمایا کہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعا ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے، پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے، اور اسی کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بنا پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے کیونکہ پہلی صورت میں الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے اور یہ لازم صحیح نہیں، لہٰذا ملزوم بھی صحیح نہیں، الحاصل یہ کہ استخارہ سے مقصود محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار۔ (امداد الفتاوی ص ۲۶۲ ج ۲، انفاس عیسیٰ ص ۲۵۲ ج ۱)

دریافت طلب یہ امور ہیں کہ:

① کیا استخارہ جیسا کہ بعض حضرات کا معمول ہے اس طرح کرنا ضروری ہے کہ بعد نماز عشاء دو رکعت نفل پڑھ کر اور دعاء استخارہ پڑھ کر پاک بستر پر باوضو قبلہ رخ لیٹ کر سو جائے، یا شب و روز میں جب چاہیں استخارہ کر سکتے ہیں؟

② جب حضرت کی تحقیق کے مطابق استخارہ محض طلب خیر ہے نہ کہ طلب خبر (استخبار) اور نہ استخارہ میں خواب کا نظر آنا یا تردد کا رفع ہو جانا اور ایک جانب کو ترجیح ہو جانا ضروری ہے تو کیا اس صورت میں بھی بعد نماز دعاء استخارہ پاک بستر پر باوضو اور قبلہ رخ سونا چاہئے؟ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ دن رات میں جس وقت چاہے (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل پڑھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ دعاء استخارہ عربی میں یا اس کا ترجمہ اردو میں، دونوں زبانوں میں پڑھ لیں اور بس؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث صحاح میں صرف دو رکعت نفل کے بعد دعاء کا حکم ہے، البتہ روایت ابن السنی میں اعتبار وارد قلبی بھی مذکور ہے، باقی تفصیلات علماء کی بیان فرمودہ ہیں، ان کی رعایت ضروری نہیں، دعاء عربی ہی میں ہونا چاہئے، کسی کو دشوار ہو تو اپنی زبان میں کرلے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق صحیح ہے کہ وارد قلبی پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ اسباب و موانع پر نظر رکھے، وارد قلبی سے متعلق روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اعتبار بدرجہ سبب ہوگا نہ بدرجہ لزوم، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وصلاۃ الاستخارۃ) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلہا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ہم احدکم بالامر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضۃ ثم لیقل اللّٰہم انی استخیرک بعلمک الخ رواہ الجماعۃ الا مسلما شرح المنیۃ (وفی الحلیۃ) ویستحب افتتاح ہذا الدعاء وختمہ بالحمد لہ والصلوٰۃ (وفی الاذکار) انہ یقرأ فی الرکعۃ الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الاخلاص اھ وعن بعض السلف انہ یزید فی الاولی وربک یخلق ما یشاء ویختار الی قولہ یعلنون وفی الثانیۃ وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ الآیۃ وینبغی ان یکررہا سبعا لما روی ابن السنی یا انس اذا ہممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوٰۃ استخار بالدعاء اھ ملخصا وفی شرح الشرعۃ المسموع

من المشايخ انه ينبغي ان ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور فان رأى في منامه بياضا او خضرة فذلك الامر خير وان رأى فيه سوادا او حمرة فهو شر ينبغي ان يجتنب اھ (رد المحتار ص ۶۳۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی قعدہ سنہ ۸۶ھ

نماز کسوف عصر کے بعد مکروہ ہے:

سوال: نماز کسوف یعنی سورج گرہن کی نماز عصر کے بعد پڑھنا کیسا ہے، جبکہ عصر کے بعد شروع ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز کسوف وخسوف وغیرہ وقتِ مکروہ میں پڑھنا جائز نہیں۔ ان اوقات میں کسوف یا خسوف ہو تو نماز کی بجائے صرف دعاء میں مشغول رہنا چاہئے، قال فی الدر فی غیر وقت مکروہ، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالى لان النوافل لا تصلى فی الاوقات المنهی عن الصلوة فيها وهذه نافلة جوهرة وما مر عن الاسبيجابي من جعله الوقت مستحبا قال فی البحر لا يصح قال ط وفی العمری عن البرجندی عن الملتقط اذا انكسفت بعد العصر او نصف النهار دعوا ولم يصلوا (رد المحتار ص ۷۸۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔

۳ محرم سنہ ۸۷ھ

نماز مغرب سے قبل تحیۃ الوضوء وتحیۃ المسجد کا حکم:

سوال: کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد مغرب کی اذان سے پانچ منٹ قبل ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا یا نہیں؟ اور ان ہر دو نماز میں کسی سورت کی تخصیص ہوگی یا نہیں؟ مثلاً فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص کو ہر رکعت میں بعض لوگ تین تین مرتبہ پڑھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عصر کے بعد غروب تک کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل مختصر طور پر پڑھنا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نماز مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے، اس میں کسی سورت کی تخصیص نہیں، قال ابن عابدین رحمه الله تعالى وافاد فی الفتح واقره فی الحلية والبحر ان صلوة ركعتين اذا تجوز فيهما لا تزيد على اليسير فيباح فعلهما

وقد اطال فی تعیین ذلک فی الفتح فی باب الوتر والنوافل (رد المحتار ص ۴۲۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر [illegible]ھ

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد جائز نہیں :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوقت صبح صادق اذان فجر کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء قبل از ادائیگی دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھ سکتے ہیں یا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقت صبح صادق اذان کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھ سکتے ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ براہ کرم مع الطف جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صبح صادق کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز نہیں، دو رکعت سنت مؤکدہ کے سوا ہر قسم کے نوافل مکروہ ہیں، اور تلاوت کرے یا مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہنے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جائے گا۔

نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن القہستانی وركعتان وهی افضل لتحية المسجد الا اذا دخل فيه بعد الفجر او العصر فانه يسبح ويهلل ويصلی على النبی صلى الله عليه وسلم فانه حينئذ يؤدی حق المسجد كما اذا دخل للمكتوبة فانه غير مأمور بها حينئذ كما فی التمرتاشی اهـ (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الآخرہ [illegible]ھ

تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد کی تفصیل :

سوال : جب مسجد میں داخل ہوں اور وضو بھی مسجد کے وضو خانہ میں کریں تو پہلے تحیۃ الوضوء پڑھیں یا پہلے تحیۃ المسجد جبکہ دونوں ادا کرنا ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت پڑھ لے تو وہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد دونوں کے قائم مقام ہو جائیں گی بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی بھی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا، اسی طرح وضو کی تری خشک ہونے سے قبل کوئی بھی نماز پڑھ لے تو تحیۃ الوضوء ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسجد میں دخول کے بعد فرض نماز پڑھے تو یہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی، ایک عالم فرماتے ہیں کہ اس نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرے تو تحیۃ المسجد کا ثواب ملے گا ورنہ نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مفصل کلام کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ طلب تعظیم مسجد تو بدون نیت بھی ساقط ہو جائے گی، البتہ ثواب نیت پر موقوف ہے، لیکن بندہ کے خیال میں راجح یہ ہے کہ تعظیم مسجد کی نیت کرے، مستقل تحیۃ المسجد کی نیت نہ کرے، اس لئے کہ اس صورت میں صحت نماز میں اختلاف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوم عرفہ سنہ ۱۲ھ

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضاء خشک ہونے سے قبل ہے:

سوال: گھر سے وضوء کر کے مسجد کو جائے تو مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ جب وضوء کے اعضاء خشک ہو جائیں تو تحیۃ الوضوء نہیں پڑھ سکتا۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضاء خشک ہونے سے قبل ہے، قال فی شرح التنویر وندب رکعتان بعد الوضوء یعنی قبل الجفاف کما فی الشرنبلالیۃ عن المواہب (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم سنہ ۹۵ھ

بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید مسجد میں جا کر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ جماعت کا وقت قریب ہے، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی کچھ وقت ہے، اس لئے دو رکعت نفل پڑھ لئے تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، مگر بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتا، اس لئے بیٹھنے کے بعد اگر جلد ہی جماعت قائم ہو گئی تو یہ فرض تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیں گے اور اگر جماعت میں تاخیر ہو تو الگ تحیۃ المسجد ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

تحیۃ المسجد وقتی نمازوں کے ساتھ مخصوص نہیں :

سوال : کیا تحیۃ المسجد صرف اس وقت مسنون ہے جب پنجوقتہ نماز کے لئے مسجد میں جائے یا جب بھی اور جس کام کے لئے بھی مسجد میں جانا ہو ہر حال میں تحیۃ المسجد پڑھے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اوقات مکروہہ کے سوا جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد مسنون ہے، وقتی نمازوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ پنجوقتہ نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل یا بیٹھنے کے بعد جلدی ہی کوئی وقتی فرض یا سنت شروع کر دی تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو گئی، مستقل تحیۃ المسجد کا حکم صرف اسی صورت میں ہے جب بلا نیت نماز مسجد میں داخل ہو یا بہ نیت نماز داخل ہوا مگر جماعت میں تاخیر ہے اور سنتیں وغیرہ بھی جلد پڑھنے کا قصد نہیں تو تحیۃ المسجد مستقل پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ر ذی الحجہ ۹۹ھ

دن میں ایک بار تحیۃ المسجد سنت مؤکدہ ہے :

سوال : اگر کسی کام سے بار بار مسجد میں جانا پڑے تو کیا ہر بار تحیۃ المسجد مسنون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دن میں ایک بار تحیۃ المسجد پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، خواہ پہلی مرتبہ دخول میں پڑھے یا آخری مرتبہ، اگر اسی روز اس مسجد میں کوئی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد کی سنت ادا ہو گئی، قال فی التنویر ویسن تحیۃ المسجد، وفی الشامیۃ کتب الشارح فی هامش الخزائن ان هذا رد علی صاحب الخلاصۃ حیث ذکر انها مستحبۃ، وفی العلائیۃ وتکفیه لکل یوم مرۃ، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ ای اذا تکرر دخوله لعذر وظاهر اطلاقه انه مخیر بین ان یؤدیها اول المرات او آخرها (رد المحتار ص ۶۳۶ ج ۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ر ذی الحجہ ۹۹ھ

تحیۃ المسجد کے قائم مقام تسبیحات :

سوال : زید ضروری کام سے مسجد میں جاتا ہے، اتنی فرصت نہیں کہ وضو کر کے تحیۃ المسجد ادا کرے تو کیا کچھ ذکر کر لینے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جائے گا؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بالکل محروم رہنے سے بچنے کے لئے کچھ تو کرہی لینا چاہئے، خواہ چند بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہی کہہ لے، نقل فی الشامیۃ عن الضیاء وقال بعضهم من دخل المسجد ولم يتمكن من تحية المسجد اما لحدث او لشغل او نحوه يستحب له ان يقول سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر، قاله ابو طالب المكي في قوت القلوب اهـ وقدمنا نحوه عن القهستاني (رد المحتار ص ۴۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

چار رکعت نفل نماز تیسری رکعت پر توڑ دی:

سوال:- اگر کوئی شخص چار رکعت نفل شروع کرکے بعد میں تیسری یا چوتھی رکعت پر نماز توڑ دے تو کیا چاروں رکعت کی قضاء ہے یا صرف دو کی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چاروں رکعات کی قضاء واجب ہے، شفع ثانی افساد کی وجہ سے اور شفع اول ترک سلام کے جبر نقصان کے لئے، قال فی الدر وقضی رکعتین لو نوی اربعا غیر مؤکدۃ علی اختیار الحلبی وغیرہ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثانی ای وتشهد للاول والا یفسد الکل اتفاقا والاصل ان کل شفع صلاۃ، وفی الشامیۃ (قوله او الثانی) ای وکذا یقضی رکعتین لو اتم الشفع الاول بقعدته ثم شرع فی الثانی فنقضه فی خلاله قبل القعدۃ فیقضی الثانی فقط لتمام الاول لکن ینبغی وجوب اعادۃ الاول لترک واجب السلام مع عدم انجباره بسجود السهو کما هو الحکم فی کل صلاۃ اديت مع ترک واجب ولا یخالف ذلک کلامهم هنا لان کلامهم فی لزوم القضاء وعدمه بناء علی الفساد وعدمه والاعادۃ هی فعل ما ادی صحیحا مع الکراهۃ مرۃ ثانیۃ بلا کراهۃ (رد المحتار ص ۶۴۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۸ھ

قبلیہ سنتیں چھوٹ گئیں تو بعدیہ کے بعد پڑھے:

سوال:- قبل الظہر چار سنتیں اگر چھوٹ جائیں تو ان کو بعد الفرض جو دو رکعت سنت ہیں ان کے بعد ادا کرنا چاہئے یا ان سے قبل؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اب جبکہ نئی جگہ سے

ہٹ گئی ہیں تو ان کی حیثیت کیا ہوگی؟ سنت مؤکدہ کی یا نفل کی؟ اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ اب یہ ادا سمجھی جائیں گی یا قضاء؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد الفرض پہلے دو رکعت سنت پڑھے، پھر پہلی چار رکعت کی قضاء کرے، اپنے اصل مقام سے ہٹ جانے کے باوجود وقت کے اندر ان کی قضاء سنت مؤکدہ ہے، قال فی الدر بخلاف سنۃ الظہر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکہا ویقتدی ثم یأتی بہا علی انہا سنۃ فی وقتہ ای الظہر قبل شفعہ عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ یفتی جوہرۃ وفی الشامیۃ (قولہ وبہ یفتی) اقول وعلیہ المتون لکن رجح فی الفتح تقدیم الرکعتین قال فی الامداد وفی فتاوی العتابی انہ المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر یصلیہن بعد الرکعتین وہو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا فی جامع قاضی خان (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ رجب ۸۹ھ

جمعہ کی قبلیہ سنتیں رہ گئیں تو کس وقت پڑھے؟

سوال:- قبل الجمعہ والی چار رکعت سنتیں اگر خطبے سے پہلے نہ پڑھ سکا تو فرض کے بعد پہلے ان کی قضاء پڑھے یا جمعہ کے بعد والی چار سنتیں پہلے پڑھے پھر پہلی سنتیں پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت اور نفل نماز کی نیت میں تعیین وقت کی ضرورت نہیں، اس لئے فرض کے بعد مطلقاً آٹھ رکعات پڑھ لینا کافی ہے، قبلیہ و بعدیہ کی تعیین کی حاجت نہیں، اگر تعیین کرنا ہی چاہے تو پہلے بعدیہ کی نیت کرے پھر قبلیہ کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ رجب ۸۹ھ

نماز جمعہ کے بعد تعداد رکعات:

سوال:- بعد از فرض جمعہ جو چھ رکعتیں سنت کی پڑھی جاتی ہیں ان کے بارے میں بعض علماء اس بات پر مصر ہیں کہ پچھلی دو رکعت مستحب ہیں، یہ بات کہاں لکھی ہے؟ از حوالہ کتب حنفیہ روشنی ڈالیں، مزید یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد نماز جمعہ

چھ رکعات سنتیں پڑھی جائیں یا چار؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز جمعہ کے بعد مرفوع حدیث میں چار رکعات مذکور ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھ مروی ہیں، لہٰذا چھ پڑھنا افضل ہے، پہلے چار مؤکدہ پھر دو غیر مؤکدہ، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ وسن مؤکدا اربع قبل الظہر واربع قبل الجمعۃ واربع بعدھا بتسلیمۃ (رد المحتار ص ۶۴۳ ج ۱) وقال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ والدلیل علی استنان الاربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا وفی روایۃ اذا صلیتم بعد الجمعۃ فصلوا اربعا وذکر فی البدائع انہ ظاہر الروایۃ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ ینبغی ان یصلی اربعا ثم رکعتین وذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یمکث فی المسجد الجامع مقدار ما یصلی اربعا او ستا اھ وفی الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشایخنا علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وفی منیۃ المصلی والافضل عندنا ان یصلی اربعا ثم رکعتین وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحۃ الخالق قال فی الذخیرۃ وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ یصلی ستا رکعتین ثم اربعا وعنہ روایۃ اخری انہ یصلی بعدھا ستا اربعا ثم رکعتین وبہ اخذ ابو یوسف والطحاوی وکثیر من المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ وعلی ہذا قال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصل ان یصلی اربعا ثم رکعتین فقد اشار الی انہ مخیر بین تقدیم الاربع وبین تقدیم المثنی ولکن الافضل تقدیم الاربع کیلا یصیر متطوعا بعد الفرض مثلہا اھ (البحر الرائق ص ۴۲ ج ۲) وقال الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ السنۃ بعد الجمعۃ ست رکعات وھو مروی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف (غنیۃ ص ۳۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجمادی الآخرہ [illegible]ھ

نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: مسجد کے اندر فرض ادا کرکے مدرسہ کے صحن میں جو مسجد سے ملحق ہے سنتیں

نوافل ادا کرنے میں مسجد سے زیادہ ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نوافل وسنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے، بشرطیکہ راستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو، اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں مخل ہو تو مسجد افضل ہے، قال فی شرح التنویر والافضل فی النفل غیر التراویح المنزل الا لخوف شغل عنها والاصح افضلیة ما کان اخشع واخلص۔ وفی الشامیة (قوله والافضل فی النفل الخ) شمل ما بعد الفریضة وما قبلها لحدیث الصحیحین علیکم بالصلوٰة فی بیوتکم فان خیر صلوٰة المرء فی بیته الا المکتوبة واخرج ابوداؤد صلوٰة المرء فی بیته افضل من صلوته فی مسجدی هذا الا المکتوبة وتمامه فی شرح المنیة وحیث کان هذا افضل یراعی ما لم یلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبیته او کان فی بیته ما یشغل باله ویقلل خشوعه فیصلیها حینئذ فی المسجد لان اعتبار الخشوع ارجح (رد المحتار ص ۴۶۴ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب ۸۹ھ

سنن جمعہ کی نیت:

سوال: جمعہ سے قبل اور بعد والی سنتیں جمعہ کی ہیں یا ظہر کی؟ زید عالم کہتا ہے کہ یہ ظہر کی ہیں، جمعہ کے صرف دو فرض ہیں، شرعاً زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جمعہ اور ظہر کی علیحدہ مستقل سنتیں مذکور ہیں، قال فی العلائیة وسن مؤکدا اربع قبل الظهر واربع قبل الجمعة واربع بعدها بتسلیمة (رد المحتار ص ۶۳۲ ج ۱) البتہ ان کی نیت میں ظہر یا جمعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں، سب سنتوں اور نفلوں کا یہی قاعدہ ہے کہ ان میں وقت کی نیت ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۸۰ھ

اپنے ذمہ بطور جرمانہ نفل واجب کرنا:

سوال: بکر نے اپنے اوپر بطور جرمانہ یہ کہا کہ اگر فلاں کام کروں تو بطور جرمانہ سو رکعت نفل پڑھوں گا، اور بکر کا خیال تھا کہ یہ سو رکعت پڑھنا واجب ہو جائے گا، کیا بکر کے اس خیال سے سو رکعت واجب ہو گئیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ہر ایسا لفظ جس سے اپنے اوپر ایجاب والزام ثابت ہوتا ہو اس سے نذر منعقد ہو جاتی ہے،

اور اس کا ایفاء واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا بصورت مذکورہ اسی قسم کا ہے جس رکعت کا واجب الاداء ہونا ظاہر ہے، اس لئے شروع کردہ نفل ادا کرنا واجب ہوگیا، خواہ وجوب کا خیال ہو یا نہ ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ذیقعدہ سنہ ۹۱ھ

تکبیر قنوت واجب نہیں:

سوال: کیا وتر میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے یا صرف تکبیر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں تکبیر کے بعد کوئی دعاء پڑھنا واجب ہے، اور معروف دعاء سنت ہے، قنوت سے قبل تکبیر واجب نہیں بلکہ سنت ہے، فی واجبات العلائیۃ (وقراءۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء وکذا تکبیر قنوتہ) وفی الشامیۃ (قولہ وھو مطلق الدعاء) ای القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان قال فی النھر واما خصوص اللھم انا نستعینک فسنۃ فقط حتی لو اتی بغیرہ جاز اجماعا (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السھو ومما الحق بہ ای بالقنوت تکبیرہ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ وذکر فی الظھیریۃ انہ لو ترکہ لا روایۃ فیہ وقیل یجب السجود اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ الاصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید اھ (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۳ھ

تکبیر قنوت میں رفع یدین کا ثبوت:

سوال: نماز وتر میں آخری رکعت میں جو رفع یدین کرتے ہیں اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیں کہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عمر وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے، اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث مرفوع ہے، علاوہ ازیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حقیقۃً مرفوع حدیث بھی مروی ہے، عن الاسود عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یقرأ فی آخر رکعۃ من الوتر قل ھو اللہ احد ثم یرفع یدیہ فیقنت قبل الرکعۃ رواہ

(الامام البخاري في جزء رفع اليدين وقال صحيح (اعلاء السنن ص ۹۵ ج ۶) عن ابي عثمان كان عمر رضي الله تعالى عنه يرفع يديه في القنوت اخرجه البخاري ايضا في الجزء المذكور وصححه وعنه ايضا باسناد صحيح قال كان عمر رضي الله تعالى عنه يؤم الناس ثم يقنت بنا عند الركوع يرفع يديه حتى يبدو كفاه ويخرج ضبعيه اخرجه البخاري ايضا في الجزء المذكور (اعلاء السنن ص ۹۵ ج ۶)

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال ارأيتم قيامكم عند فراغ الامام من السورة هذا القنوت والله انه لبدعة ما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم غير شهر ثم تركه، ارأيتم رفعكم ايديكم في الصلوة والله انه لبدعة ما زاد رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا قط فرفع يديه حيال منكبيه رواه الطبراني في الكبير وفيه بشر ابن حرب ضعفه احمد وابن معين وابو زرعة وابو حاتم والنسائي ووثقه ايوب بن عائذ (مجمع الزوائد) قلت فالحديث حسن (اعلاء السنن ص ۱۰۰ ج ۶)

آخری حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قنوت میں دعا کی طرح اٹھا کر رفع یدین نہیں، قال في الاعلاء واما قوله ارأيتم رفعكم ايديكم في الصلوة والله انه لبدعة ففيه دليل على كراهة اطالة رفع اليدين في القنوت كما ترفعان في الدعاء خارج الصلوة وليس معناه ان مطلق رفع اليدين للقنوت بدعة لان قوله ما زاد رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا قط فرفع يديه حيال منكبيه يفيد سنية رفعهما اليه في الجملة فلابد من التغاير في الرفع الذي جعله بدعة والذي اثبته فالظاهر انه كره اطالة رفعهما كما ترفعان في الدعاء خارج الصلوة واثبت رفعهما حيال المنكبين سنة ليس هو الا الرفع القصير الذي يكون قبل القنوت فان الرفع الطويل في الدعاء لا يكون بحيال المنكبين بل انما هو بحذاء الوجه او الصدر كما مر في بابه هذا وقد تقدم ان نفس رفع اليدين للقنوت ثابت عن عمر رضي الله تعالى عنه وفي اثر وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه في الوتر فيما عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما جعله بدعة فالظاهر ان مراده ما قلنا ان اطالة الرفع بدعة والحديث يفيد بمفهومه ثبوت رفع اليدين للقنوت عن النبي صلى الله عليه وسلم مرفوعا والله تعالى اعلم (اعلاء السنن ص ۱۰۸ ج ۶) فقط والله تعالى اعلم

۵ رجب سنہ ۹۲ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود و دعاء اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھنا اولیٰ ہے

سوال: سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کی چار رکعات کی نیت باندھی تو کیا دو رکعت پر بیٹھ کر درود شریف اور دعاء بھی پڑھے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر درود شریف اور دعاء پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء پڑھنا افضل ہے، سنن مؤکدہ میں درود شریف نہ پڑھے، اگر سہواً پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ جمعہ عہ کے بعد کی سنتوں کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا جائز ہے، اس سے سجدۂ سہو نہیں، اس لئے کہ یہ چار رکعات اگرچہ مؤکدہ ہیں، مگر چاروں کو ایک سلام سے پڑھنا مؤکد نہیں۔

قال فی شرح التنویر (ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا) ولو صلی ناسیا فعلیہ السہو وقیل لا شمنی (ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منہا) لانہا لتاکدھا اشبہت الفریضۃ (وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح) ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوۃ (وقیل لا) یاتی فی الکل وصححہ فی القنیۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ولا یصلی الخ) اقول قال فی البحر فی باب صفۃ الصلوۃ ان ما ذکر مسلم فیما قبل الظہر لما صرحوا بہ من انہ لا تبطل شفعۃ الشفیع بالانتقال الی الشفع الثانی منہا ولو افسدھا قضی اربعا والاربع قبل الجمعۃ بمنزلتہا واما الاربع بعد الجمعۃ فغیر مسلم فانہا کغیرھا من السنن فانہم لم یثبتوا لہا تلک الاحکام المذکورۃ اھ ومثلہ فی الحلیۃ وھذا مؤید لما بحثہ الشرنبلالی من جوازھا بتسلیمتین لعذر (قولہ وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاہر الاول اھ زاد فی المنح ومن ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل۔ (رد المحتار ص ۴۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ذیقعدہ سنہ ۹۲ھ

سنن و فرائض کے درمیان فصل:

سوال: اگر کوئی شخص ظہر کی سنن قبلیہ پڑھ کر مسجد گیا اور جماعت میں تاخیر ہو تو کیا تحیۃ المسجد یا دوسرے نوافل پڑھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

عہ جمعہ کی سنن بعدیہ کا حکم بھی قبلیہ کی طرح ہی ہے، تفصیل تتمہ میں ہے ۱۲

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن قبلیہ اور فرائض کے درمیان نوافل پڑھ سکتے ہیں، البتہ سنن و فرائض کے درمیان جائز تو ہیں، ایسا کام کرنا جو تحریمہ کے خلاف ہو منقص ثواب ہے، بعض نے مسقط سنن کہا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، سنن بعدیہ کا بھی یہی حکم ہے، والتفصیل فی العلائیۃ والشامیۃ ص۱۰۳ ج۱۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ جمادی الاولی سنہ ۱۳۹۷ھ

صلوٰۃ التسبیح میں دوسری اور چوتھی رکعت کی طرف قیام کے وقت تکبیر نہ کہے:

سوال:- صلوٰۃ التسبیح میں پہلی اور تیسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد اللہ اکبر کہہ کر بیٹھے گا اور تسبیحات پڑھے گا اس کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس وقت تکبیر ثابت نہیں، نیز سجدہ اور قیام کے درمیان جلوس شرعاً غیر معتبر ہے کجلسۃ الاستراحۃ، لہٰذا سجدہ سے قیام تک انتقال شمار واحد ہے، اس لئے حسب قاعدہ ایک انتقال کے لئے ایک ہی تکبیر ہوگی، تکرار تکبیر مشروع نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ رمضان سنہ ۱۳۹۶ھ

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے:

سوال:- ایک عالم فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ التسبیح میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر جب تسبیحات پڑھتے ہیں اس حالت میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر طویل قیام میں وضع الیدین مسنون ہے، اس کلیہ کے تحت صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں بھی ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ لا یسن (الوضع) فی قیام بین رکوع وسجود لعدم القرار ولا بین تکبیرات العیدین لعدم الذکر ما لم یطل القیام فیضع سراجیۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لعدم القرار) لیس علی اطلاقہ لقولہم ان مصلی النافلۃ ولو سنۃ یسن لہ ان یأتی بعد التحمید بالادعیۃ الواردۃ نحو ملء السموات والارض الخ اللّٰہم اغفر لی وارحمنی بین

السجدتين فقط، ومقتضاه انه يعتمد بين يديه في القاعدة ولو ارى من مشي به تأمل لكنه مقتضى اطلاق الاصليين المارين ومقتضاه انه يعتمد ايضا في صلوة التسابيح ثم رأيته ذكر ذلك. والحاصل ان المحقق بعد قوله ما له قيام فيضع اي فيه ذكر مسنون الا لكثرة القوم فانه يضع (رد المحتار ص ۵۵ ج ۱) وقال الطحطاوي رحمه الله تعالى وظاهره يعم اي قيام كان وعليه فيضع في قيام صلوة التسابيح الذي بين الركوع والسجود (طحطاوي على الدر ص ۲۱۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم۔

۲۰ رجب سنہ ۹۰ھ

نفل پڑھتے ہوئے صبح ہوگئی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نوافل پڑھتے ہوئے درمیان میں فجر طلوع ہوگئی تو نفل صحیح ہوئے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بعد طلوع فجر سوائے سنت فجر کے نفل اور واجب لغیرہ مکروہ ہے، البتہ نفل پڑھتے ہوئے فجر ہوگئی تو یہ نفل صحیح ہیں، اور ان کا اتمام افضل ہے، قال في الشامية (قوله تعمدا) اشعر به عما لو صلى تطوعا في آخر الليل فلما صلى ركعة طلع الفجر فان الافضل اتمامها لان وقوعه في التطوع بعد الفجر لا عن قصد ولا ينوبان عن سنة الفجر على الاصح (رد المحتار ص ۲۳۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲ شعبان سنہ ۹۰ھ

مکروہ وقت میں شروع کیے ہوئے نفل کا حکم:

سوال: کسی نے مکروہ وقت میں نفل شروع کردیے، بعد میں تنبہ ہوا تو کیا یہ نفل پورے کرے یا کہ نماز توڑ ڈالے؟ اگر نماز توڑ دی تو ان نوافل کی قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اسی وقت میں نماز پوری کرلی تو بھی دوسرے وقت میں قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مکروہ وقت میں نفل شروع کرنے سے واجب ہوگئے، مگر اس وقت ان کا نقض واجب ہے، دوسرے وقت میں قضاء پڑھے۔ اگر اس وقت نماز نہ توڑی بلکہ پوری کرلی تو گناہ ہوگا، مگر واجب ادا ہوگیا، قضاء لازم نہیں، قال في التنوير ولزم نفل شرع فيه قصدا ولو عند غروب وطلوع واستواء فان افسده حرم الا بعذر ووجب قضاؤه وقال

ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الا بعذر) استثناء من قوله حرم اي انه عند العذر لا يحرم افساده بل قد يباح وقد يجب كما قدمه في آخر مكروهات الصلوٰة ومن العذر اذا كان شرعه في وقت مكروه ففي البدائع الافضل عندنا ان يقطعها وان اتم فقد اساء ولا قضاء عليه لانه اداها كما وجبت فاذا قطعها لزمه القضاء وقال في البحر وينبغي ان يكون القطع واجبا خروجا من المكروه تحريما وليس بابطال للعمل لانه ابطال ليؤديه على وجه اكمل فلا يعد ابطالا الخ

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ محرم ۹۸ھ

دو تین افراد نے نفل کی جماعت شروع کی بعد میں زیادہ شریک ہوگئے:

سوال: ایک یا دو آدمی امام کے ساتھ نوافل کی جماعت میں شریک تھے مگر بعد میں کچھ لوگ بھی شریک ہوگئے تو یہ جماعت مکروہ ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مقتدی شروع میں تھے ان پر کوئی کراہت نہیں، بعد میں مجموعہ دو مقتدیوں سے زائد جو لوگ شریک ہوئے ان پر کراہت ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لو اقتدی به واحد او اثنان ثم جاءت جماعة اقتدوا به قال الرحمتي ينبغي ان تكون الكراهة على المتأخرين اھ (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ شوال ۹۸ھ

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں:

سوال: کیا نماز تہجد کے لئے بعد نماز عشاء سونا شرط ہے، اگر کوئی شخص تمام رات جاگتا ہے یا رات کا کافی حصہ جاگتا ہے، جیسا کہ عام طور پر طالب علم رات کو دیر تک پڑھتے ہیں، اگر وہ رات کے آخر حصہ میں نماز پڑھے تو کیا یہ تہجد نہیں کہلائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں، ویسے بھی تہجد کی نماز ہوجائے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم ۹۹ھ

رکعاتِ وتر میں شک کی صورت میں قنوت مکرر پڑھے:

سوال:- عمرو کو وتر میں شک واقع ہوگیا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری، اس لئے اس میں بھی قنوت پڑھ لی اور بیٹھ گیا، اس کے بعد پھر ایک اور رکعت کو بھی ملالیا اور اس میں بھی قنوت پڑھی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز صحیح ہوگئی، تکرار قنوت صحیح ہے، قال فی العلائیۃ قنت فی اولی الوتر او ثانیته سهوا لم یقنت فی ثالثته اما لو شك انه فی ثانیته او ثالثته کرره مع القعود فی الاصح والفرق ان الساهی قنت علی انه موضع القنوت فلا یشرع بخلاف الشاك ورجح الحلبی تکراره لهما، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی (قوله ورجح الحلبی تکراره لهما) حیث قال الا ان هذا الفرق غیر مفید اذ لا عبرة بالظن الذی ظهر خطؤه واذا کان الشاك یعید لاحتمال ان الواجب لم یقع فی موضعه فکیف لا یعید الساهی بعد ما تیقن ذلك وقد صرح فی الخلاصة عن الصدر الشهید بان الساهی یقنت ثانیا فان کان ما مر روایة فهی غیر موافقة للدرایة اه قلت ولکن ارجحه فی الحلیة والبحر نحو ما مر (رد المحتار ص ۶۲۸ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۱ محرم سنہ ۹۵ھ

نمازِ اشراق کا ثبوت:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں یا الگ الگ ہیں؟ عام کتبِ فقہ میں صلوٰۃ الضحیٰ کا ذکر ہے، مگر اشراق کی نماز کا کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ملتا، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اشراق و چاشت الگ الگ نمازیں ہیں، ہر ایک کا ثبوت احادیث میں موجود ہے، الکوکب الدری میں ہے: قوله باب ما جاء فی صلوة الضحی، وقت الضحی من وقت ارتفاع الشمس الی الزوال وهو نصفان، الضحوة الکبری والضحوة الصغری، فالاولی الآخر منه والثانیة الاول منه واکثر اطلاق الضحی علی الاول، والغرض من وضع الباب الرد علی من لم یره ثابتا بالسنة وقال ان صلوة الضحی بدعة لکن لا اختلاف فی صلوة الضحوة الصغری

الی قسمیہا صلوٰۃ الاشراق بل لا اختلاف فی الاخری (الکوکب الدری ص ۱۹۲ ج ۱)

لامع الدراری میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ہے، کتب فقہ میں سے بھی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں نماز اشراق کا ذکر موجود ہے، ونصہ: وقولہ وندب اربعًا ھو المعتمد وقیل لا تندب ومن ثمراتھا انھا تقوم مقام صلوٰۃ اللیل وتورث الغنی والبرکۃ فی الرزق ویؤدی بھا صدقات مفاصل الانسان المأمور بھا فی حدیث کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ والمستحب ان یقرأ فی الاولی والشمس وضحاھا وفی الثانیۃ والضحی کما ورد فی الحدیث وھی غیر صلوٰۃ الاشراق وھی رکعتان کما ورد فی بعض الآثار (طحطاوی علی العلائیۃ ص ۲۸۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے دو رکعت واجب ہوتی ہیں:

سوال: اگر کسی شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھی، پھر دو رکعت پر سلام پھیر دیا، باقی دو رکعت اس کے ذمہ واجب ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے صرف دو رکعت واجب ہوتی ہیں، اس لئے دو رکعت پر سلام پھیرنا جائز ہے، باقی دو رکعت اس پر واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱ رجب سنہ ۹۱ھ

دعاء قنوت کا حوالہ:

سوال: دعاء قنوت مروج عند الاحناف فی الوتر کا ثبوت سند کے ساتھ مع حوالہ درکار ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

المدونۃ الکبریٰ ص ۱۰۰ ج ۱، الاعتبار للحازمی معنیً، الی مراسیل ابی داؤد، اعلاء السنن ص ۸۰ ج ۶، طحاوی ص ۱۴۳ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رجب سنہ ۹۱ھ

نفل میں سجدۂ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہے:

سوال: نفل نماز میں سجدۂ سہو واجب تھا، اور بھول کر نہ کیا، دوسرے وقت میں یاد آیا تو ان نفلوں کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ نفل کی قضاء تو نہیں ہے، مگر جب شروع

کر دی جائے تو پھر اس کا پورا کرنا واجب ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نفل واجب الاعادہ ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ رجب سنہ ۸۹ھ

وتر کا فدیہ بھی واجب ہے:

سوال:۔ کیا وتر کا بھی فدیہ دیا جائے، جبکہ مرحوم نے فرض نمازوں کا فدیہ دینے کی وصیت کی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر کا بھی فدیہ واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ذی الحجہ سنہ ۹۳ھ

قنوت کے بعد درود پڑھنا افضل ہے:

سوال:۔ وتر کی نماز میں قنوت کے بعد درود پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ فتاویٰ ہندیہ میں الباب الثامن فی صلوٰۃ الوتر میں تحریر فرماتے ہیں، ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القنوت وھو اختیار مشایخنا کذا فی الظہیریۃ، رد المحتار اور شرح طحطاوی نے قنوت میں درود پڑھنے کو ترجیح دی ہے، اور لکھا ہے کہ قنوت کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے، قول راجح تحریر فرمائیں، انشاء اللہ عند اللہ ماجور ہوں گے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قول استحباب راجح اور مفتی بہ ہے، کما صرح بہ فی العلائیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

ناپاک کپڑے سے پڑھے ہوئے نوافل کا اعادہ واجب نہیں:

سوال:۔ ناپاک کپڑے سے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہو تو فرائض اور واجبات کا اعادہ ہی یا سنن اور نوافل کا بھی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض اور واجبات کا اعادہ بہر صورت فرض اور واجب ہے، سنن مؤکدہ کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے، بعد میں نہیں، اور نفل کا اعادہ وقت کے اندر بھی ضروری نہیں، اس لئے کہ

نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہوتے ہیں، اور صورت مسئولہ میں نوافل میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مارذی الحجہ سنہ ۹۰ھ

وتر تراویح سے پہلے پڑھ لئے تو ان کا اعادہ واجب نہیں :

سوال :۔ رؤیت ہلال کی اطلاع نہ ملنے پر ۲۹ شعبان کے بعد آنے والی رات میں عشاء کی نماز اور وتر حسب معمول پڑھ لئے بعد میں اطلاع ملی کہ رمضان کا چاند ہو گیا اس لئے تراویح ادا کریں، تو کیا ایسی صورت میں وتر دوبارہ جماعت کے ساتھ ادا کرے اور صورت بلا جماعت گھر ہی پڑھ لے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں وتر کا اعادہ نہیں، قال فی التنویر ووقتها بعد صلوٰة العشاء قبل الوتر وبعده (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ار شوال سنہ ۹۰ھ

فرض پر نفل کی بنا مکروہ ہے :

سوال :۔ زید نے فرض پڑھ کر کے آخر میں سلام نہیں پھیرا بلکہ اسی حال پر سنت یا نفل کی نیت سے اور دو رکعت پڑھ کر آخر میں سلام پھیرا، تو اس کی فرض نماز اور سنت یا نفل کی دو رکعت ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرض پر نفل کی بنا مکروہ ہے، نیز اس میں عمداً تاخیر سلام کی وجہ سے فرض واجب الاعادہ ہے۔ نفل کی دو رکعتیں ہو گئیں، مگر سنت مؤکدہ ادا نہیں ہوئی لانها شرعت بتحریمة مبتدأة، قال فی الشامیة ای بناء النفل علی النفل بتحریمة صلوٰة وامر قیل بناء النفل علی الفرض ولو کان البناء فیه مکروها لان النفل صلوٰة اخری غیر الفرض (وفی مطلب) لما بنی النفل حصل اصل مؤخر السلام عن محله عمدا والعمد لا یجبره سجود السهو بل تلزمه الاعادة (رد المحتار ص ۶۱۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رمضان المبارک سنہ ۹۰ھ

فرض اور سنت کے درمیان تبلیغ کرنا :

۴۴ سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں۔

ہماری مسجد میں یہ دستور ہے کہ روزانہ بعد ادائے فرض ظہر فوراً بیٹھ کر امام صاحب ایک حدیث شریف ریاض الصالحین سے پڑھ کر سناتے ہیں مع مختصر تشریح کے بقدر پانچ منٹ جیسا کہ اگر کوئی شخص ان تمام ادعیہ ماثورہ کو جو کہ احادیث سے ثابت ہیں بعد فرضوں کے پڑھے درمیان فرض و سنت تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا یا جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے معمول کے اوراد و وظائف درمیان فرض و سنت پڑھتا ہے تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا، تو ہم لوگ مجلس منتظمہ ھذا، بجائے ادعیہ ماثورہ و اوراد مخصوصہ کے پانچ منٹ درمیان فرض و سنت برائے تبلیغ دین متین اور نفع عوام مسلمین صرف کرتے ہیں کہ بعد سنت و نفل کوئی خطرہ نہیں ہے تو بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ طریقہ ناجائز ہے بسبب تاخیر سنت کے، اور جو لوگ اس درس میں شرکت نہیں کرتے ہیں ان کی نماز میں خلل پڑتا ہے جبکہ عند المصلین تلاوت بالجہر کی اجازت نہیں فہ ذالک درس ذو فی السنۃ بتراخی بعد الفرض۔

جناب والا سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہم اس تبلیغ بعد الفرض و قبل السنت کو جاری رکھیں یا موقوف کر دیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اوراد و تسبیحات ماثورہ کا وقت سنتوں کے بعد ہے، فرائض کے بعد بہت مختصر دعائیں ماثور ہیں، نیز اس وقت ادعیہ ماثورہ کی بجائے کوئی دوسرا عمل احداث فی الدین ہے، علاوہ ازیں فرائض کے بعد متصل کتاب سنانے میں یہ قباحت بھی ہے کہ مسبوقین کی نمازوں میں خلل واقع ہوگا، لہذا تبلیغ کا سلسلہ نماز عصر یا فجر کے بعد ہونا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ رجب سنہ ۹۰ھ

اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (رواہ البخاری)

اعدل الانظار فی الشفع بعد الایتار

وتر کے بعد دوگانہ نفل کا حکم

رکعتین بعد الوتر کا حکم :

سوال : جو نوافل وتروں کے بعد پڑھے جاتے ہیں کیا وہ سنت سے ثابت ہیں؟ اور کیا ان کا بیٹھ کر پڑھنا مسنون اور افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟ اس بارے میں ائمہ کا مذہب کیا ہے اور احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت سی احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ قولیہ وفعلیہ سے یہ ثابت ہے کہ وتر کی نماز کو رات کی تمام نمازوں سے مؤخر کرنا چاہیے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں :

(۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل حتی یکون آخر صلوٰتہ الوتر قال النووی فی شرحہ فیہ دلیل لما قلناہ من ان السنۃ جعل آخر صلوٰۃ اللیل وترا وبہ قال العلماء کافۃ وسبق تاویل الرکعتین جالسا (مسلم ص۲۵۴ ج۱)

(۲) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (مسلم ص۲۵۷ ج۱) واخرج السیوطی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما معزوا الی الصحیحین وابی داؤد مرمز صحۃ اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (الجامع الصغیر ص۸ ج۱) واخرج مثلہ المناوی معزوا الی الشیخین (کنوز الحقائق علی ہامش الجامع الصغیر ص۴ ج۱)

(۳) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ اللیل فقال مثنی مثنی فاذا خشیت الصبح فصل رکعۃ توتر صلاتک (طحاوی ص۱۶۰ ج۱)

(۴) روی الامام احمد فی مسندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان اذا سئل عن الوتر قال اما انا فلو اوترت قبل ان انام ثم اردت ان اصلی باللیل شفعت بواحدۃ ما مضی من وتری ثم صلیت مثنی مثنی فاذا قضیت صلوٰتی اوترت بواحدۃ لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا ان نجعل آخر صلوٰۃ اللیل الوتر قال فی مجمع الزوائد فیہ ابن اسحٰق وہو مدلس وہو ثقۃ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح اھ (نیل الاوطار ص۴۳ ج۳) واخرج الطحاوی مثلہ فی شرح معانی الآثار (ص۱۹۸ ج۱)

(۵) وفی الصحیح لمسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من صلی من اللیل فلیجعل آخر صلوٰتہ وترا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأمر بذلک (مسلم ص۲۵۷ ج۱)

ابن عمر سے بھی روایت صحیح مسلم ہی میں کئی دوسرے طرق اور الفاظ سے بھی مروی ہے من شاء فلیجعلہ، وتر کو بالکل آخر میں پڑھنے کی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے طوالت کا خوف مانع ہے، ان کی کثرت کو دیکھ کر تواتر کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ ان روایات کی صحت، شہرت اور قوت کی بنا پر بعض حضرات حتی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی مسلک یہ رہا کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا نقض وتر ہے اور اس صورت میں وتر کا اعادہ واجب ہے، چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

قال ابو جعفر فذهب قوم الى ان الوقت الذي ينبغي ان يجعل فيه الوتر هو السحر وانه لا يتطوع بعده وان من تطوع بعده فقد نقضه وعليه ان يعيد وترا آخر واحتجوا في ذلك بتأخير رسول الله صلى الله عليه وسلم الوتر الى آخر الليل وبما روي عن جماعة من اصحابه من بعده انهم كانوا يرون ان من تطوع بعد وتره فقد نقضه (شرح معانی الآثار ص۲۰۲ ج ۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ نقض وتر کے قائل تھے اگرچہ قوی مسلک یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا نقض وتر نہیں، لیکن اگر تاخیر وتر کے لئے کوئی صریح روایت نہ بھی ہوتی تب بھی اتنے علماء بالخصوص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نقض وتر کے مسلک کو اختیار کرنا تاخیر وتر کی اہمیت اور اس کی شہرت کے اثبات کے لئے کافی وزن رکھتا ہے چہ جائیکہ اس پر روایات صریحہ بھی موجود ہیں۔

روایات ذیل میں رکعتین بعد الوتر کا ذکر ہے۔ بعض محدثین نے ان پر "رکعتین بعد الوتر" کا عنوان قائم کیا ہے۔

① عن ابی سلمة قال سألت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كان يصلي ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والاقامة من صلوة الصبح (صحیح مسلم ص۲۵۴ ج ۱)

وذكر نحوه الامام النسائي في باب اباحة الصلوة بين الوتر وبين ركعتي الفجر (نسائی ص۲۴۲ ج ۱)

② عن ابی سلمة قال حدثتني عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع (ابن ماجة ص۸۴)

③ وفي حديث طويل عن زرارة رضي الله تعالى عنه ثم يصلي ركعتين بعد ما يسلم (الى

عن صلوٰة الوتر) وهو قاعد (صحیح مسلم ص۲۵۴ ج۱)

(۴) عن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین وقد روی نحو هذا عن ابی امامة وعائشة وغیر واحد عن النبی صلی الله علیه وسلم (ترمذی ص۶۱ ج۱)

(۵) عن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وهو جالس (ابن ماجة ص۸۴)

(۶) وقد عقد الامام ابو جعفر الطحاوی بابا فی التطوع بعد الوتر وذکر فیه اختلاف العلماء واخرج احادیث منها حدیث ثوبان مولی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کنا فی سفر فقال ان هذا السفر جهد وثقل فاذا اوتر احدکم فلیرکع رکعتین فان استیقظ والا کانتا له (شرح معانی الآثار ص۲۰۲ ج۱)

ان جتنی روایات نقل کی گئی ہیں اگرچہ ان سے رکعتین بعد الوتر پر استدلال کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے ان میں سے حدیث اول کے سوا اور کسی سے بھی استدلال تام نہیں کیونکہ انہیں یہ قوی احتمال موجود ہے کہ یہ دو رکعتیں سنت فجر ہوں۔ اس احتمال کی موجودگی میں ان احادیث سے رکعتین بین الوتر و رکعتی الفجر پر استدلال صحیح نہیں لانه اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اور حدیث ۶ میں "فاذا اوتر" میں "اراد ان یوتر" کی تاویل ہو سکتی ہے، کما فی قوله تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم الآیة۔ تاخیر وتر سے متعلق احادیث کثیرہ مشہورہ کا وجود اس تاویل پر قرینہ تو ہے ہی، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ایسے حضرات کے لئے جو آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی شکایت کرتے تھے، نماز عشاء کے بعد وتر سے قبل تہجد کی ہدایت فرماتے تھے ملاحظہ ہو وعظ کساء النساء اور ملفوظات کمالات اشرفیہ باب اول ص۲۲ ملفوظ ۱۰۲ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ بھی حدیث میں "اذا اوتر" کو بمعنی "اراد ان یوتر" قرار دیتے تھے۔

بیٹھ کر پڑھنے کی روایات کو وتر علی الدابہ کی طرح قبل التاکد یا سفر وغیرہ کسی عذر پر محمول کیا جا سکتا ہے، البتہ صرف ایک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نمبر اول میں مذکور ہے اس میں سنت فجر مراد لینے کا احتمال نہیں، اس لئے ان نوافل کا ثبوت تو ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کس انداز سے پڑھا ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ جس طرح دوسری نمازوں سے قبل یا بعد آپ نے دیگر نوافل پڑھے ہیں یہ دو نفل اس طرح نہیں پڑھے، علامہ نووی کی تصریح کے مطابق آپ نے یہ نفل صرف دو تین مرتبہ پڑھے ہیں ولم یواظب علیهما بل فعله مرة او مرتین او مرات قلیلة (مسلم مع نووی ص۲۵۴ ج۱)

واللہ اعلم　　——————　　۷ صفر ۹۳ھ

دراصل یہ نوافل آپ نے وتر کے بعد کبھی کبھار بیان جواز کے لئے پڑھے ہیں۔ اگرچہ بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جائیں۔ تاخیر وتر کی روایات، خصوصاً وہ روایات جن میں تاخیر وتر کا امر موجود ہے مثلاً اجعلوا آخر صلاتکم من اللیل وترا وغیرہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ وتر کو آخر الصلوات بنانا واجب ہے کیا ھو مقتضی الامر اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے محسن عظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی سبق دیکر یہ سمجھا دیا کہ یہاں امر وجوب اور استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ "کان یصلی" کے الفاظ دوام عادت یا کم از کم کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے دوام و تکرار پر استدلال صحیح نہیں۔ ونصہ قلت والصواب ان ھاتین الرکعتین فعلھما صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوتر جالسا لبیان جواز الصلوٰۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل جالسا ولم یواظب علی ذلک بل فعلہ مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ ولا تغتر بقولھا کان یصلی فان المختار الذی علیہ الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظۃ کان لا یلزم منھا الدوام ولا التکرار وانما ھی فعل ماض یدل علی وقوعہ مرۃ فان دل دلیل علی التکرار عمل بہ والا فلا تقتضیہ بوضعھا وقد قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحلہ قبل ان یطوف ومعلوم انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحج بعد ان صحبتہ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا الا حجۃ واحدۃ وھی حجۃ الوداع فاستعملت کان فی مرۃ واحدۃ الخ (مسلم ص۲۵۴ ج۱)

مذاھب الائمۃ رحمھم اللہ تعالیٰ:

قاضی عیاض نے امام اوزاعی اور امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بنا پر بعد الوتر دو رکعت نفل کو مباح قرار دیا ہے لیکن امام احمد کا دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ لا افعلہ ولا امنع عنہ، امام مالک ان نوافل کا انکار کرتے تھے۔ قال النووی ھذا الحدیث اخذ بظاھرہ الاوزاعی واحمد فیما حکاہ القاضی عنھما فاباحا رکعتین بعد الوتر جالسا وقال احمد لا افعلہ ولا امنع منہ قال (القاضی) وانکرہ مالک اور خود قاضی عیاض روایات مشہورہ کی بنا پر روایت رکعتین بعد الوتر کا رد فرماتے تھے۔ قال النووی واما ما اشار الیہ القاضی عیاض من ترجیح الاحادیث المشھورۃ ورد روایۃ الرکعتین جالسا فلیس بصواب الخ (مسلم ص۲۵۴ ج۱)

عامہ محدثین اور شراح حدیث نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی بیان کیا ہے کہ وہ رکعتین بعد الوتر کے جواز کے منکر تھے لیکن فقہ مالکی کی کتاب "الشرح الصغیر" میں علامہ دردیر نے دو شرطوں کے ساتھ مالکیہ کا مذہب جواز کا نقل کیا ہے۔ ایک شرط یہ کہ وتر شروع کرنے سے قبل ان نوافل کے پڑھنے کی نیت نہ ہو۔ دوسری یہ کہ ان کو وتر کے بعد متصل نہ پڑھے۔

قال (وجاز) لمن صلی الوتر اول اللیل او اٰخرہ (نفل بعدہ) اذا لم یوصلہ بہ ذلک ان قال) (ان لم ینوہ) ای النفل (قبل الشروع فیہ) (وقد قال بعد اسطر) والحاصل ان جواز النفل بعد صلوٰۃ الوتر مقید بقیدین ان لا ینوی قبل شروعہ فیہ النفل بعدہ وان لا یصلہ بہ (الشرح الصغیر ص۲۱۳ ج ۱)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک معلوم نہ ہو سکا، البتہ التعلیق الممجد ص۱۳۳ میں بحوالہ ابن عبد البر عدم نقض الوتر بالنوافل بعدہ کے مسئلہ میں امام شافعی، امام مالک، اوزاعی، امام احمد، ابو ثور، علقمہ، ابو مجلز، طاؤس اور نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے قریب ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ بیان فرمایا ہے کہ بالخصوص رکعتین بعد الوتر کا کوئی ثبوت نہیں، ویسے وتر کے بعد جتنے نوافل چاہے پڑھے، اس سے وتر پر کوئی اثر نہ پڑیگا۔ قال امامنا محمد لا نری ان یشفعہ الی الوتر بعد الفراغ من صلوٰۃ الوتر ولکنہ یصلی بعد وترہ ما احب ولا ینقض وترہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (موطا الامام محمد ص۱۴۳)

امام طحاوی التطوع بعد الوتر کا عنوان قائم کرکے عدم نقض الوتر کو ثابت فرما کر آخر میں فرماتے ہیں وھذا القول الذی بینا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ (شرح معانی الآثار ص۱۹۹ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مختار یہی ہے کہ وتر کے بعد نوافل نہ پڑھے جائیں، اسی لئے فقہاء حنفیہ کی کسی کتاب میں بھی ان نوافل کا کہیں ذکر نہیں یہ امر مقلدین کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے اسلئے کہ مقلد کے لئے قول امام حجت ہے۔ حدیث کی بحث ہم نے محض تبرعاً لکھدی ہے ورنہ مقلدین کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ کتب مذہب میں ان

نوافل کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

صنیع المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ:

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کا صنیع بھی بعض مرتبہ بہت بڑے اہم مسائل کی عقدہ کشائی کرتا ہے اس لئے مسئلہ مذکورہ اس لحاظ سے بھی قابلِ توجہ ہے۔

رکعتین بعد الوتر کی روایات صریحہ ومحتملہ کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جنہوں نے رکعتین بعد الوتر کا باب قائم کرکے اس کے تحت یہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جیسے امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں "التطوع بعد الوتر" کا عنوان رکھا ہے اور امام نسائی نے باب "اباحة الصلوة بين الوتر وبين ركعتي الفجر" کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور محدثین کے دوسرے گروہ نے نقض الوتر بالنوافل بعدہ یا اور کسی عنوان کے تحت ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے۔ بایں ہمہ طرق بحث میں اگرچہ ائمہ حدیث مختلف ہیں لیکن مدار بحث میں متفق ہیں۔ چنانچہ کسی نے وتر کے بعد نوافل کی سنیت یا استحباب کو مدار بنا کر بحث نہیں کی بلکہ نقض الوتر بالنوافل بعدہ اور عدمہ کو مدار بنا کر بحث کی ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک بھی ان نوافل کی حیثیت صرف جواز اور عدم نقض وتر کی ہے استحباب کا کوئی قائل نہیں۔

جمہور محدثین نے تاخیر وتر کی روایات مشہورہ کے مقابلہ میں رکعتین بعد الوتر کی روایت کو رد کرنے کی بجائے صورت تطبیق اختیار فرمائی ہے۔ وهو الطريق الاولى عند التعارض، چنانچہ تطبیق کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ نوافل بعد الوتر بیان جواز کے لئے پڑھے گئے تھے اور اس کی ضرورت اصرف الان یجعل آخر صلوۃ اللیل الوتر جیسی روایات میں صیغۂ امر کی بنا پر پیش آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھلا دیا کہ تاخیر وتر کا امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

(۲) حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر بعض علماء کا خیال ہے کہ جو حضرات سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے بوقت سحر تہجد کے لئے نہ اٹھ سکتے تھے وہ اول شب میں وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیں، پھر اگر تہجد کے لئے بیدار ہو گئے تو فبہا ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی مگر اس تطبیق میں اول اللیل اور آخر اللیل کے درمیان وجہ الفرق غیر ظاہر ہے اور اس حدیث میں فان اوتر کی تاویل اراد ان یوتر۔ اور اس صورت سے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(۳) اعلاء السنن میں ایک اور لطیف توجیہ بیان کی ہے حیث قال قال العبد الضعیف عفا عنہ: وتروا بالليل معناه لا تجعلوا بحيث لا تكون آخر صلوتكم بالليل شفعا وإن كان بعد الوتر فلا يجعل آخر صلوته بالليل شفعا بوتر به، ويؤيده ما أخرجه الطحاوي رحمه الله أن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه قال لو جئت بثلاثة أبعرة فأنختها ثم جئت ببعيرين فأنختهم أليس كان يكون ذلك وترا قال وكان يضرب مثلا لنقض الوتر (اعلاء السنن ص ۶۹ ج ۷)

(۴) قال في فتح الملہم قال الشيخ الانور والوجه فيه أنه صلى الله عليه وسلم إنما صلاهما جالسا ليبقى آخرية الوتر لصلوة الليل صورة على هذا أيضا (كأن هذا الجلوس إظهار بانتهاء قيام الليل) وفيه دليل على أن من استطاعهما فلك أن يأتي بهما (فتح الملہم ص ۶۶ ج ۲)

تطبیق کی ان آخری دونوں صورتوں کو حدیث فاذا خشیت الصبح فصلّ رکعة توتر لک ما صلیت (طحاوی ص ۲۰۰ ج ۱) رد کرتی ہے لہٰذا تطبیق کی صحیح صورت صرف یہی ہے کہ بیان جواز کے لئے کبھی کبھی آپ نے یہ نفل پڑھے ہیں اور اصل قاعدہ یہی ہے کہ وتر آخر میں پڑھے جائیں۔

خلاصۂ بحث:

مستحب اور افضل طریقہ یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنا ہے وتر سے پہلے پڑھ لے اور وتر آخر میں پڑھے، اس کے بعد نوافل نہ پڑھے، اگر پڑھ لے تو مباح ہے مگر نہ تو دو رکعت کی کوئی تخصیص اور نہ ہی ان نوافل کا وتر کے ساتھ کوئی تعلق ہے بلکہ عام اوقات مباحہ کی طرح جتنے نوافل چاہے پڑھے کما مر عن الامام محمد عن امامنا الاعظم رحمہما اللہ تعالیٰ۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض علماء کی اس بحث سے کہ ان نوافل کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ وہ انکے استحباب کے قائل ہیں بلکہ انکی بحث کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی خلاف اولیٰ پر عمل کرے اور ان نوافل کو پڑھے تو وہ کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر۔

تعود سے متعلق احادیث مذکورہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں پوری نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔ دوسری وہ جنہیں پہلے بیٹھ کر شروع کرنے اور پھر کھڑے ہو کر رکوع میں جانے کا بیان ہے لیکن یہ احادیث فعلی ہیں۔ دوسری طرف وہ قولی احادیث ہیں جن میں للقاعد نصف اجر القائم کی تصریح ہے ان میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوة الرجل وهو قاعد فقال من صلى قائما فهو افضل ومن صلى قاعدا فله نصف

اجر القائم (ترمذی ص۷۲ ج۱)

(۳) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان مبسوراً قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرجل قاعداً فقال ان صلی قائماً فھو افضل ومن صلی قاعداً فلہ نصف اجر القائم ومن صلی نائماً فلہ نصف اجر القاعد رواہ البخاری (اعلاء السنن ص۳۲ ج۷)

(۴) اخرج النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب فضل صلوٰۃ القائم علی صلوٰۃ القاعد عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی جالساً فقلت حدثت انک قلت ان صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم وانت تصلی قاعداً قال اجل ولکنی لست کاحد منکم (نسائی ص۲۴۵ ج۱)

یہ احادیث مبارکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتی ہیں لہٰذا اصول ترجیح کے مطابق اس قاعدہ کو واقعہ جزئیہ پر ترجیح ہوگی۔ نیز یہ احادیث قولی ہیں اور قولی کی ترجیح فعلی پر مسلم ہے لہٰذا بجز تخصیص کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ فعلی احادیث کو بیان جواز پر محمول کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ آخری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعود میں بھی پورا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی امت کے لئے وہی قاعدہ کلیہ ہے للقاعد نصف اجر القائم۔ امام العصر حضرت گنگوہی اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہما کا بھی یہی فتویٰ ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص۲۸۱ امداد الفتاویٰ ص۲۲۴ ج۱) حضرت مولانا محمد یحییٰ کا بھی یہی مختار تھا کما فی ناشئۃ اللیل (حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ ص۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

الحاق :

رشید احمد
۲۰ صفر ۹۱ ہجری

(۱) بندہ نے ادلۂ بحث کا لکھا ہے بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں متقدمین سے بھی اس کا ثبوت مل گیا (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۳ ج۳، مرقاۃ ص۱۶۱ ج۳، کشف الستر للعلامۃ انور شاہ)

(۲) بندہ نے مختلف روایات کو سنت فجر پر محمول کیا ہے بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں حدیث میں بھی سنت فجر ہونے کی تصریح مل گئی ہے جالساً بین الاذانین (ابوداؤد ص۱۹۱ ج۱)

(۳) حدیث مذکور کے تین جواب دیئے گئے ہیں (۱) فسخ بیہقی ص۳۳ ج۳، مرقاۃ ص۱۶۱ ج۳ (۲) قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ احادیث تاخیر وتر کے مقابلہ میں یہ حدیث غیر مقبول ہے (نووی ص۲۵۴ ج۱) (۳) بیان جواز کے لئے کبھی کبھار ایسا وقوع ہوا ہے وھوالصحیح کما قدمنا واختارہ ائمۃ الحدیث والفقہ۔

(۴) کمال ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا خلاف مستحب ہے (فتح القدیر ص۳۴۱ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ

فصل فی التراویح

تراویح میں بقرہ پر ختم کرنا :

سوال : جب منکوساً قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے تو تراویح میں بقرہ پر کیوں ختم کیا جاتا ہے ؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ جزئیہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں غاشیہ پڑھنا ماثور ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ حالانکہ غاشیہ کی آیات زیادہ ہیں۔ قال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ وفی الشامیۃ عن شرح المنیۃ عن الولوالجیۃ من یختم القرآن فی الصلوۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولی یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشیء من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح اھ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۱)

نیز تنکیس صرف فرائض میں مکروہ ہے نوافل میں نہیں۔ کما صرح بہ فی الھندیۃ۔ اس بنا پر شارح التنویر کے استثناء "الا اذا ختم" کا محل یہ ہوگا کہ فرض میں ختم قرآن کیا ہو۔ یا یہ کہ تراویح کو من حیث الجماعۃ فرائض سے مشابہت ہے۔ عالمگیریہ کے جزئیہ "واذا کرر آیۃ واحدۃ مرارا فان کان فی التطوع الذی یصلی وحدہ فذلک غیر مکروہ" میں لفظ وحدہٗ اس پر دال ہے کہ تراویح من حیث الجماعۃ بحکم فرض ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے)

۲۵ شعبان [illegible]

سوال مثل بالا :

سوال : تراویح میں حافظ نے اٹھارہ رکعت میں قرآن پاک ختم کرکے انیسویں رکعت میں ایک رکوع سورۂ بقرہ کا پڑھا، بیسویں رکعت میں پھر الٓمٓ سے ھم المفلحون پر کلام پاک ختم کیا، یا بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا، آیا تراویح میں قرآن مجید کا اس طرح ختم کرنا سنت کے خلاف تو نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

خلاف سنت ہے مسنون طریقہ یہ ہے کہ انیسویں رکعت میں سورۂ ناس تک پڑھے اور بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کے شروع سے کچھ حصہ پڑھے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح المنیۃ عن الولوالجیۃ من یختم القرآن فی الصلوۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولیٰ

یکرہ ان یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشیء من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح اھ (رد المحتار ص [illegible] ج [illegible]) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے) ۳ ذی قعدہ [illegible]

تراویح میں سورۂ اخلاص کا تکرار:

سوال: تراویح میں آجکل قل ھو اللہ احد کا تکرار تین دفعہ جو مروج ہے یہ جائز ہے یا کہ ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فرائض میں سورت کا تکرار مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں مکروہ نہیں۔ قال فی الشامیۃ افاد انہ یکرہ تنزیھا (ج [illegible] ص [illegible]) وقال فی شرح المنیۃ قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شیء استحسنہ اھل القرآن وائمۃ الامصار فلا باس بہ الا ان یکون ختمہ فی المکتوبۃ فلا یزید علی مرۃ ... ویکرہ تکرار قراءۃ السورۃ فی الفرض ولا یکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع۔ مندرجہ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں تراویح کی جماعت کی وجہ سے فرائض کے حکم میں ہیں۔

قال فی الھندیۃ ویکرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ ... اذا کان فی التطوع الذی یصلی وحدہ ... فذلک غیر مکروہ وان کان فی الصلوۃ المفروضۃ فھو مکروہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تطوع منفرداً ہو تو تکرار مکروہ نہیں۔

وقال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ (الی قولہ) ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلک۔ آخر میں حکم نوافل مصرح ہونے کے باوجود "الا اذا ختم" سے استثناء دال ہے کہ تراویح بحکم فرض ہیں۔

پس عبارت شرح المنیہ میں تطوع سے مراد منفرداً لیا جائے گا۔ مگر یوں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ شرح التنویر میں "الا اذا ختم" سے ختم فی الفرض مراد ہو اور عالمگیریہ میں "فی التطوع الذی یصلی وحدہ" کی قید احترازی نہ ہو بلکہ واقعی ہو کیونکہ عموماً نوافل منفرد ہی پڑھے جاتے ہیں۔ غرضیکہ تکرار کا ثبوت قرون مشہود لہا بالخیر سے قطعاً نہیں اور کراہت وعدم کراہت میں تردد ہے۔ اس لئے اس کا ترک ہی بہتر ہے خصوصاً جبکہ اسکا التزام ہو رہا ہو تو کراہت یقینی اور ترک لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ شعبان [illegible]

چار رکعت تراویح میں قعدۂ اولیٰ بھول گیا تو دو ہوں گی :

سوال : ولو صلی اربعا بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لا تفسد وهو اظهر الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب عن الاربع عن تسلیمة واحدة وهو الصحیح کذا فی السراج الوهاج وهکذا فی فتاوی قاضیخان وعن ابی بکر الاسکاف انه سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویقعد ویسلم وان تذکر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف الیها رکعة اخری کانت هذه الاربعة عن تسلیمة واحدة وان قعد فی الثانیة قدر التشهد اختلفوا فیه فعلی قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح هکذا فی فتاوی قاضیخان (عالمگیریہ جلد ۱ ص ۱۱۷) اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کر لیا تو رابعہ ملانے سے چار نفل نہ ہوں بلکہ دو ہوں۔ اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل ہوں۔ حالانکہ عامہ کتب میں فجر میں چار اور ظہر میں چھ کا نفل ہونا مذکور ہے جو تحقیق ہو مطلع فرمائیں۔ وزادکم علما اللہ الکریم

الجواب ومنه الصدق والصواب

فتاوی عالمگیریہ کا جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو فاسد۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) ہوئیں اور دو نفل، اسی وجہ سے "تنوب عن الاربع عن تسلیمة واحدة" کہا ورنہ "صحت الرکعتان" کہنا چاہیے تھا۔ ومن الدلیل علی تنصیف الاربعة ما فی شرح التنویر من ان کل شفع صلوة الا بصار علی حدة اه ولذا لو ترک القعدة الاولی

(رد المحتار جلد ۱ ص ۴۹۸)

فان قلت ان هذا اذا کان تنوب اربعا عن الثانیة یعنی بعد ذکر الخلاف فی القعود وعدم بطلان القعود الاولی عن النفل والخلاف فیما اذا احرم بنیة الاربع فان نوی تسلیمتین جاز اتفاقا (ص ۱۰۷)

فالجواب انهم وان اتفقوا علی الحکم بالعود ولکنهم لم یصرحوا بالفساد فی صورة عدم العود بل صحح الفقهاء وصحح فی الجزئیة المذکورة فی السؤال ای قوله انه سئل عن رجل الخ

انہی اصلی : مقصد یہ ہے کہ یہ چار تراویح کے قائم مقام نہیں ہوں گی بلکہ دو کے ہوں گی جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ و سادسہ قائم مقام دو رکعت سنت مؤکدہ بعدیہ کے نہیں ہوتیں، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت ہی باطل ہو گئی (وضم الیها سادسة لتصیر الرکعتان له نفلا وسجد للسهو ولا تنوبان عن السنة الراتبة بعد الفرض فی الاصح (شامی التنویر باب سجود السہو) حالانکہ اس صورت میں

قعدہ اخیرہ کرکے کھڑا ہوا ہے کہ چار فرض بھی صحیح ہوگئے اور دو نفل بھی، مگر چونکہ سنت بعدیہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے اس لئے یہ دو رکعت اسکے قائم مقام نہ ہونگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب ۸۰ھ

سوال مثل بالا:

سوال: تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سہواً تیسری رچوتھی بھی پڑھ لی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوگئی تو چاروں رکعات یکر دو؟ اگر دو ہوئیں تو پہلی دو یا آخری؟

بینوا بالدلیل اجرکم اللہ الجلیل

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شفع ثانی تراویح ہے اور شفع اول نفل ہوگیا، تراویح میں شمار نہ ہوگا، قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمۃ واحدۃ ولم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلوتہ وھو قول محمد وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ ویلزمہ قضاء ھذہ التسلیمۃ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وفی الاستحسان وھو اظہر الروایتین عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ لا تفسد واذا لم تفسد اختلفوا فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انہا تنوب عن تسلیمۃ او تسلیمتین، قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ تنوب عن تسلیمتین لان الاربع لما جاز وجب ان ینوب عن تسلیمتین کمن اوجب علی نفسہ ان یصلی اربع رکعات بتسلیمتین فصلی اربعاً بتسلیمۃ واحدۃ ذکر فی الامالی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یجوز فکذا ھھنا، کمن صلی الاربع قبل الظہر ولم یقعد علی رأس الرکعتین جاز استحساناً، وقال الفقیہ ابو جعفر والشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہما اللہ تعالیٰ فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ وھو الصحیح لان القعدۃ علی رأس الثانیۃ فرض فی التطوع فاذا ترکہا کان ینبغی ان تفسد صلوتہ اصلاً کما ھو وجہ القیاس وفیما جاز استحساناً الحقناہ بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الاول وانقلنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمۃ واذا بقیت التحریمۃ صح شروعہ فی الشفع الثانی وقد اتمہا بالقعدۃ فجاز عن تسلیمۃ واحدۃ وعن ابی بکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیۃ (الی قولہ) فان ھذہ الاربع عن ترویحۃ واحدۃ یعنی الرکعتین الاخیرتین بھا اعنی التسمیۃ (خانیۃ ص ۲۴۰)

فرما کر تحریر فرمائیں، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ ایک قول جواز کا بھی ہے مگر عدم جواز راجح ہے، عالمگیریہ باب النوافل کے آخر میں دونوں قول نقل کئے گئے ہیں، مگر اسی باب کے شروع میں عدم جواز کو ترجیح دی ہے ونصہا ولو صلی التطوع ثلاث رکعات ولم یقعد علی رأس الرکعتین الاصح انہ تفسد صلوتہ (عالمگیریہ ص ج ۱)

اسی طرح شامیہ وخانیہ وغیرہ میں بھی فساد ہی کو راجح قرار دیا ہے، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ ولو ترک قعود اول) ای فی تطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدۃ وھو الرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ما قبلہا (رد المحتار ص ج ۱)

عبارات مذکورہ اگرچہ نوافل سے متعلق ہیں مگر تراویح کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ چار سے زیادہ رکعات قعدہ واحدہ سے پڑھنے کی صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک جزئیہ نوافل سے متعلق اور دوسرا اس کے خلاف تراویح سے متعلق نقل فرما کر اس کو اختلاف تصحیح پر محمول فرمایا ہے وھی (قولہ ولکن) ھذا استدراک علی ما [illegible] عن المبتغی ثم وفی الخلاصۃ وفی التاتارخانیۃ لو صلی التطوع ثلاثا ولم یقعد علی الرکعتین فالاصح انہ یفسد ولو ستا او ثمانیا بقعدۃ واحدۃ اختلفوا فیہ والاصح انہ یفسد استحسانا وقیاسا اھ لکن المصرح بہ فی التراویح انہ لو صلاھا کلہا بقعدۃ واحدۃ وتسلیمۃ انہا تجزئ عن رکعتین فقد اختلف التصحیح (رد المحتار ص ج ۱) وقال ایضا فی شرح قول العلائی (والا نابت عن شفع واحد بہ یفتی) المراد منہ صحح بہ فی [illegible] وانما صرح بہ فی البحر عن الزاہدی فیما لو صلی اربعا بتسلیمۃ وقعدۃ واحدۃ وفیما اذا صلی العشرین [illegible] فقط وقاسہ علیہ فی البحر نعم صرح فی الخانیۃ وغیرہا بانہ الصحیح مع ما قدمنا عن المبتغی والخلاصۃ والتاتارخانیۃ انہ لو صلی التطوع ثلاثا او ستا او ثمانیا بقعدۃ واحدۃ فالاصح انہ یفسد استحسانا وقیاسا وقد علمت انہ قد اختلف التصحیح فی التراویح علی الاربع بتسلیمۃ وقعدۃ واحدۃ ھل یجزئ عن شفع واحد او یفسد فلیتنبہ (رد المحتار ص ج ۱)

اور قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو صراحۃً تراویح اور نوافل دونوں سے متعلق عدم جواز کی ترجیح نقل فرمائی ہے، چنانچہ تراویح کے بیان میں فرماتے ہیں وان صلی ثلاث رکعات بتسلیمۃ واحدۃ فہو علی وجہین اما ان قعد فی الثانیۃ او لم یقعد (الی قولہ) وان لم یقعد فی الثانیۃ ساھیا او

عامة المشايخ انه في القياس وهو قول محمد وزفر رحمهما الله تعالى واحدى الروايتين عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى تفسد صلوته ويلزمه قضاء ركعتين لا غير لما في الاستحسان هل تفسد صلوته في قول ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى اختلفوا فيه قال بعضهم تفسد ولا تجزئ عن شيء وقال بعضهم تجزئ عن تسليمة واحدة ومنشأ الخلاف اذا تنفل بثلاث ركعات ولم يقعد في الثانية على قولهما تفسد الاولى لا يجبر به ، وعلى قول الفرق استحسانا. ثم الشروع معتبر بالمكتوبة ولو صلى المغرب ثلاث ركعات ولم يقعد في الثانية يجوز فكذا الشروع يجوز عن تسليمة لانه لم يقعد الرابعة فورا لمنه ، ومنهم من قال انه لا يجوز عن شيء وهو الصحيح لانه ترك القعدة مفروضة وهو القعدة على رأس الثانية والقعدة على رأس الثالثة غير مشروعة في التطوع فصار كانه لم يقعد اصلا فلا يجوز بخلاف ما اذا صلى اربعا ولم يقعد على رأس الثانية لان القعدة على رأسه تركها مشروعة بجوازه (رد المحتار على هامش العالمكيرية ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۷ رمضان سنہ ۶۹ھ

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے :

سوال : رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں، ویسے ہی اہل مسجد انکی کچھ خدمت کر دیں یا کپڑوں کا جوڑا بنا دیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خدمت کے نام سے نقد یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ اس میں دو گناہ ہیں، ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی للہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی للہ ان کی خدمت کرتے ہیں معاوضہ مقصود نہیں، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں؟ اب دور حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لا لیجئے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو ان کو اس کی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا، اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور تعیین

کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہٰذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

نوافل میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اسکی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے ترک جماعت جائز نہیں مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اسکی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشراف نفس ہے جو حرام ہے۔

اگر کسی قاری کو اشراف نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مروج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لئے بہرکیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے، فقط واللہ الموفق،

۲۹ شوال سنہ ۸۶ھ

بوقت ختم قرآن امام اور مؤذن کو کچھ دینا:

سوال: عام مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے چندہ وصول کر کے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور امام و مؤذن کو بطور امداد عطیہ دیا جاتا ہے، کیا امام اور مؤذن کو یہ رقم لینا شرعاً درست ہے؟ اور اگر چندہ کی بجائے دوسرے کسی ذریعہ سے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وجوہ ذیل کی بناء پر امام اور مؤذن کے لئے یہ عطیات خواہ از قسم نقد ہوں یا بصورت لباس وغیرہ جائز نہیں،

(۱) بالعموم چندہ وصول کرنے میں ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس لئے یہ وصول کردہ رقم حرام ہے جب تک دینے والے کی طیب خاطر کا یقین نہ ہو اس سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں،

(۲) چندہ دہندگان میں بنک اور بیمہ کے ملازمین اور دوسرے حرام ذرائع آمدنی رکھنے والے

بکثرت ہوتے ہیں ،

③ یہ رسم عام ہو جانے کی وجہ سے ایک قسم کا معاوضہ ہے جس کی تفصیل سوال سابق کے جواب میں لکھی جا چکی ہے ، امام اور مؤذن کو تنخواہ دینا اگرچہ جائز ہے مگر اس رقم کی مقدار مجہول ہے اسلئے یہ لین دین ناجائز ہے ۔

④ اگر امام و اقتدیٰ اس رقم کو معاوضہ نہ سمجھتا ہو جس کا احتمال سوال سابق کے جواب میں لکھا جا چکا ہے تو اشراف نفس کی وجہ سے حرام ہے ۔

⑤ اگر بالفرض اشراف نفس نہ بھی ہو تو بھی اس سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے ،

اگر یہ عطیہ چندہ سے نہ ہو تو بھی آخری تین وجوہ کی بنا پر ناجائز ہے ۔

اگر اہل مسجد واقعۃً امام اور مؤذن کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ان کی مقرر تنخواہ میں اضافہ کر دیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال سنہ ۸۶ھ

سامع کی اُجرت :

سوال : سامع کو اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور امداد الفتاویٰ جلد اول کا حوالہ دیتا ہے ، شرعاً کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

امداد الفتاویٰ میں اس کو تعلیم قرار دیکر اس پر اُجرت کا جواز تحریر فرمایا ہے ، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں بلکہ تذکیر ہے : ثانیاً اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں جس پر جواز اُجرت کا فتویٰ ہے ، جب تراویح میں ختم قرآن ہی ضروری نہیں اس لئے اس پر اُجرت لینا جائز نہیں تو قاری کو تعلیم یا تذکیر ایسی ضروری کیونکر ہو سکتی ہے کہ اس پر اُجرت لینا جائز ہو ، لہٰذا قاری کی طرح سامع کو بھی اُجرت لینا جائز نہیں ، خواہ اُجرت متعین ہو یا بلا تعیین بنام امداد و خدمت ہو بہرحال ناجائز ہے بلکہ بدون تعیین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اس میں اجرت مجہول ہے اس لئے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ

نابالغ سامع کو صف اوّل میں کھڑا کرنا :

سوال : تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہے اور سامع کو صف اوّل میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے کیا اس صورت میں نابالغ کو صف اوّل میں کھڑا کرنا جائز ہوگا یا

اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ بلا ضرورت بھی بالغین کی صف میں بلا کراہت کھڑا ہو سکتا ہے، ضرورت سے بطریق اولیٰ جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۷۸ھ

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو کیا زید وضو کر کے وتر میں شامل ہو جائے یا عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے فرض پڑھے اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہو جائے، اس کے بعد تراویح پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۷۸ھ

تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شریک ہونا:

سوال: بکر ایسے وقت آیا کہ تراویح کی جماعت ختم پر تھی، بکر نے وضو کر کے عشاء کی نماز فرض و سنن مؤکدہ ادا کیں تو تراویح کی جماعت ختم ہو کر وتر کی جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا بکر بغیر تراویح ادا کئے وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے یا اپنی تراویح پڑھے۔ اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں اور پھر وتر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو جماعت میں شرکت کرے یا اپنی بقیہ تراویح تنہا ادا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے اس کے بعد تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں تو وہ بھی جماعت وتر کے بعد پڑھے، قال فی الدر ووقتها بعد صلوة العشاء الى الفجر قبل الوتر وبعده فی الاصح فلو فاته بعضها وقام الامام الى الوتر اوتر معه ثم صلى ما فاته، وفی الشامية انه على وجه الافضلية (رد المحتار ص ۶۴۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ شوال سنہ ۷۸ھ

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے وہ اپنی داڑھی کو کبھی مشین سے خشخشی کراتا ہے اور کبھی قینچی سے کتراتا ہے، یعنی اس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت یا اس سے زیادہ کیوں نہیں رکھتے تو جواب دیتا ہے کہ داڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے ایک

مُشت یا اس سے زائد ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے، عمرو زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے اور ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے، وہ بھی اپنی ڈاڑھی کترواتا ہے اس کی ڈاڑھی زید کی طرح ہے، صورت وسیرت میں متبع شریعت حفاظ آسانی سے مل سکتے ہیں، اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سنانے کے لئے مقرر کر دیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ جو مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر یا ممبر ہونے کی وجہ سے پابند شریعت حفاظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں جبکہ ان کو مسئلہ بھی بتادیا جائے ایسے ارکان کے لئے کیا حکم ہے؟ ایسے حفاظ یا ائمہ جو ڈاڑھی مقدار مسنون سے کم رکھ کر تراویح یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں ان کے لئے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مساجد یا مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر، متولی یا مہتمم کو صورت وسیرت میں حتی الوسع متبع شریعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ وما کانوا اولیاءہ ان اولیاءہ الا المتقون (پ ۹ سورۃ الانفال) کا مفہوم کیا ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبائر سے بھی شدید گناہ ہے، قال فی شرح التنویر واما الاخذ منها وهی دون ذلک (القبضة) کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد (ردالمحتار ص ۱۲۳ ج ۲) لہٰذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ بھی ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں، فرائض میں صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ اس کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے مگر تراویح میں فاسق کی اقتداء کسی صورت میں بھی جائز نہیں، صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں، اگر ڈاڑھی کٹانے والے کو مسجد کی مستقل متعین کر دے تو بھی اس کی اقتداء میں تراویح پڑھنا جائز نہیں، ایسے ارکان جو مسئلہ کا علم ہونے کے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر مصر ہوں خود فاسق ہیں، اہل محلہ پر فرض ہے کہ ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فوراً برطرف کر دیں یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں، اگر اہل محلہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اور ان کو مناسب سزا دے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہراً و باطناً متبع شریعت ہونا ضروری ہے اگر

کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ رشوال سنہ ۸۸ھ

تراویح کے بعد دعاء:

سوال: تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں البتہ دعاء بعد الصلوٰۃ کے کلیہ میں یہ بھی داخل ہے کیونکہ تراویح مستقل نماز ہے لہٰذا انفرادًا دعاء کی گنجائش ہے، امام کے ساتھ بصورت اجتماعیہ دعا بدعت ہے، بآواز بلند ہو تو دوسری بدعت، اور بالالتزام ہو تو تین بدعات کا مجموعہ، اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رشوال سنہ ۸۸ھ

دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم:

سوال: پورا کلام پاک جب تراویح میں پڑھا جاتا ہے تو تسمیہ بین السورتین کا کیا حکم ہے؟ آیا جہرًا پڑھا جائے یا سرًا، یا بالکل ترک کر دیا جائے جیسے بعض ایسے کیا کرتے ہیں، اور نیز فرائض میں تسمیہ بین السورتین کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض اور تراویح دونوں میں تسمیہ بین السورتین افضل ہے مگر قراءت خواہ جہریہ ہو یا سریہ بہرکیف بسم اللہ آہستہ پڑھے، اس میں جہر خلاف سنت ہے، البتہ تراویح میں ایک بار جہر ضروری ہے تاکہ مقتدیوں کا قرآن مکمل ہو جائے، قال فی الشامیۃ (قولہ ولا تکرہ اتفاقا) ولہذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبی بانہ ان سمی بین الفاتحۃ والسورۃ المقروءۃ سرا او جہرا کان حسنا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ورجحہ المحقق ابن الہمام وتلمیذہ الحلبی لشبہۃ الاختلاف فی کونہا آیۃ من کل سورۃ بحر۔

(رد المحتار ص۳۳۰ ج۱)

بعض کو اشکال ہوا ہے کہ بسم اللہ کا نزول جب متعدد بار ہے تو یہ متعدد آیات ہوئیں جیسا کہ فبای آلاء ربکما تکذبان، ویل یومئذ للمکذبین، ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرہم مؤمنین وان ربک لہو العزیز الرحیم، ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر وغیرہا، لہٰذا ہر سورت سے قبل تسمیہ جہرًا ہونا چاہیے ورنہ مقتدیوں کا قرآن مکمل نہ ہوگا

اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار نزول تعدد کو مستلزم نہیں جیسا کہ ایک قول کے مطابق سورۂ فاتحہ

دو بار نازل ہوئی ہے معہذا اس کی آیات سات ہی ہیں، چودہ نہیں قال فی العلائیۃ وھی آیۃ واحدۃ من القرآن کلہ (رد المحتار ص۴۴۴ج ۱)

اگر کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے لہٰذا تراویح میں ہر سورت سے قبل جہراً پڑھنا منقول ہونا چاہیے تاکہ مقتدیوں کے قرآن کی تکمیل میں شبہ نہ رہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سنت میں رعایت مذہب غیر مستلزم ہے اپنے مذہب میں ترک سنت کو اس لئے کہ مذہب حنفی میں اخفاء سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت:

سوال: نماز تراویح مسجد چھوڑ کر مکان میں یا کسی دوسری جگہ حافظ مقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کر کے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ محلہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلہ میں کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوئی تو سب گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رمضان سنہ ۸۹ھ

قضا نمازوں کے لئے تراویح چھوڑنا جائز نہیں:

سوال: ایک شخص تبلیغی مزاج ہے اور اس کے ذمہ بہت قضا نمازیں ہیں، مرض مذکور کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی کر کے قضا نمازیں پڑھتا ہے اگر یہ شخص عشاء کی جماعت بھی چھوڑ دے اور تراویح بھی چھوڑ دے اور قضا نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قضا نمازوں کے لئے عشاء کی جماعت اور تراویح کی نماز چھوڑنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

۱۱ رمضان المبارک سنہ ۹۱ھ

بدوں سامع قرآن سنانا:

سوال: کیا تراویح میں حافظ کے پیچھے سامع ہونا ضروری ہے؟ بغیر سامع بھی پورا قرآن مجید کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رشوال سنہ ۹۰ھ

شبینہ کا حکم:

سوال: گزشتہ چند سال سے یہ طریقہ رائج ہے کہ تراویح پڑھانے والا بارہ رکعت کے بعد مصلی چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ آٹھ تراویح امام صاحب پڑھاتے ہیں، مقتدی بھی حافظ کے ساتھ تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور بعد وتر کی جماعت کے حافظ صاحب اپنی بقیہ آٹھ رکعت تراویح شروع کرتے ہیں تو بہت سے مقتدی بھی ان کے ساتھ نوافل کی نیت سے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں شبینہ تقریباً دو ڈھائی بجے تک رہتا ہے جس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا خاص اہتمام ہوتا ہے بعض حضرات کو متوجہ کیا گیا کہ چند آدمیوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سوائے نمائش کے کچھ بھی نہیں تو انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ گانا بجانا عام ہے جگہ جگہ ریکارڈنگ ہوتی ہے، تو ہم کیوں نہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کریں اسکا شرعاً حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس قسم کے متعارف شبینہ میں کئی قباحتیں ہیں، مثلاً

(۱) نوافل کی جماعت، (ذہب علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الی جواز اقتداء المتنفلین بمن یصلی التراویح ولکن لی فیہ نظر[۱])

(۲) لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اہل محلہ کے کام، آرام اور عبادات میں خلل،

(۳) نام و نمود

(۴) بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑے ہونا اور بقیہ کا بیٹھے رہنا جو جماعت اور قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے۔

(۵) ضرورت سے زیادہ روشنی اور مٹھائی وغیرہ کا التزام،

(۶) ایسی خرافات کے لئے چندہ کرنا،

---

(۱) وجہ نظر آئندہ سوال کے جواب میں ملاحظہ ہو۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی خرابیاں ایسی ہیں جن کی بنا پر مروج شبینہ جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ شوال سنہ ۹۶ھ -

سوال مثل بالا :

سوال : حافظ اپنی باقی ماندہ تراویح میں شبینہ پڑھے اور مقتدی کچھ تراویح اور کچھ نوافل پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مقتدی بیس پچیس پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر سارے مقتدی نوافل میں شبینہ سنیں اور حافظ اپنی بقیہ تراویح میں شبینہ پڑھے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت میں اکثر افراد تراویح پڑھ رہے ہوں، نوافل پڑھنے والے کم ہوں تو یہ صورت جائز ہے مگر متعارف شبینہ میں دیگر قبائح بہرحال ہوتے ہیں لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ثم اقتدی متنفل) ای الذی شاء وھو فضیلۃ الصلاۃ ویؤید ان التنفل بجماعۃ مکروہ خارج رمضان ویجیب بنعم اذا کان الامام والقوم متطوعین اما اذا ادی الامام الفرض والقوم النفل فلا لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام للرجلین اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما الصلوۃ قوم فصلیا معھم واجعلا صلوتکما معھم سبحۃ اھ وتمامہ کذا فی الکافی (رد المحتار ص ۴۷۸ ج ۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح پڑھنے والے امام سے متنفلین کی اقتداء مکروہ نہیں، مگر حدیث سے استدلال محل تامل ہے، اس لئے کہ اس میں صرف دو مقتدیوں کو تنفل کا حکم ہے اس سے سب مقتدیوں کے تنفل کی عدم کراہت پر استدلال تام نہیں، قاعدہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مقتدیوں کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۹۵ھ

مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم :

سوال : جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں، مثلاً مسافر، مریض، عورت اور غلام، اگر وہ تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے، قال فی العلائیۃ التراویح سنۃ مؤکدۃ

لمواظبة الخلفاء الراشدين على الجهر ولنقل اجماعا (رد المحتار ص ۴۲۰ ج ۱) وايضا فيها ويأتي المسافر بالسنن ان كان في حال امن وقرار والا بان كان في خوف وفرار لا يأتي بها هو المختار لانه ترك لعذر تجنيس

(رد المحتار ص ۵۲۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۷۲ھ

ایک امام کا دو جگہ تراویح پڑھانا:

سوال: زید نے ایک مسجد میں قرآن کا ایک پارہ سنایا پھر دوسری مسجد میں بھی ایک پارہ سنایا تو کیا ایک حافظ دو مسجدوں میں اس طرح قرآن مجید سنا سکتا ہے، اور اس طرح سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام دونوں مسجدوں میں تراویح پڑھے مثلاً ایک مسجد میں دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھا اور پھر دوسری مسجد میں دس رکعتوں میں بھی پارہ پڑھا، یا ایک روز ایک مسجد میں اور دوسرے روز دوسری مسجد میں پڑھا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی، اور اگر ایک مسجد میں تراویح بیس رکعت پوری کرکے اسی رات دوسری مسجد میں بھی تراویح کی امامت کی تو امام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں مگر مقتدیوں کی تراویح صحیح ہیں، اس لئے کہ تراویح میں متنفل کی اقتداء جائز ہے۔ نقل ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ عن الخلاصۃ امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی وجہ الکمال لا یجوز لانہ لا یتکرر (بحر ص ۷۲ ج ۲) وفی امامۃ الشامیۃ تحت (قولہ فی التصحیح خانیۃ) بجمع الاقتداء فی الوتر والتراویح وغیرهما بمفترض وغیره ومتنفلها ثم السنة الروایۃ بما تفیدہ عبارۃ الخانیۃ، تأمل (رد المحتار ص ۴۱۳ ج ۱) وفی التراویح منها (قولہ وفی التتارخانیۃ) عبارتها نقلا عن المحیط ذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما اخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ لہ ذلک ولا یکرہ للمأمومین ولو لم ینو الامامۃ وشرع فی الصلاۃ فاقتدی الناس بہ لم یکرہ لواحد منهما (رد المحتار ص ۶۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ رمضان سنہ ۷۲ھ

سامع کے لئے جگہ کی تعیین:

سوال: تراویح میں سامع کے لئے جا نماز بچھا کر جگہ پر قبضہ کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اصلاح نماز کے لئے اسکی ضرورت ہے اسلئے جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ شوال سنہ ۹۴ھ

قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے:

سوال: قرآن دیکھ کر لقمہ دینا حافظ کو تراویح میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز جاتی رہی، الاخذ علی تقدیر و تلقن من الخارج مفسد فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ شوال سنہ ۹۴ھ

تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے:

سوال: ایک مسجد تنگ ہے، صحن بھی بہت چھوٹا ہے، مگر مسجد سے ملحق خالی جگہ ہے، اگر گرمی کی وجہ سے مسجد کی بجائے اس خالی جگہ میں تراویح کی جماعت کرلی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر محلہ کی ایک مسجد میں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا اگر اس محلہ کی کسی دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو مسجد سے باہر جماعت کی گنجائش ہے، مگر فرائض کی جماعت بہر صورت مسجد میں ضروری ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول صاحب التنویر (والجماعۃ فیھا سنۃ علی الکفایۃ) وظاہر ما مر انہا سنۃ کفایۃ لاہل کل مسجد من البلدۃ او مسجد واحد منہا او من المحلۃ؟ ظاہر کلام الشارح الاول واستظہر ط الثانی ویظہر لی الثالث لقول المنیۃ حتی لو ترک اہل محلۃ کلہم الجماعۃ فقد ترکوا السنۃ واساؤا اھ وظاہر کلامہم ہنا ان المسنون کفایۃ اقامتہا بالجماعۃ فی المسجد حتی لو اقاموہا جماعۃ فی بیوتہم ولم تقم فی المسجد اثم الکل (رد المحتار ص ۴۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم سنہ ۹۴ھ

فرض منفرداً پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے:

سوال: حافظ صاحب کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فرض کی جماعت ہوگئی، اس کے بعد حافظ صاحب بھی آگئے، انہوں نے اکیلے فرض پڑھ کر تراویح کی جماعت کرائی تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جزئیہ ذیل سے اس صورت میں کراہت معلوم ہوتی ہے، لو صلوا بجماعۃ الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحدہ فلہ ان یصلیہا مع ذلک الامام لان جماعتہم مشروعۃ فلہ الدخول

فیها لعدم الحرج وفی رد المحتار ص ۶۵۳ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی نے فرض منفرد پڑھے ہوں تو وہ تراویح کی جماعت میں اس لئے شریک ہو سکتا ہے کہ وہ تابع ہے، امام چونکہ جماعت میں اصل ہے اس لئے اس کے لئے مکروہ ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والوں کی جماعت کو علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اگرچہ مقتدی چار سے زیادہ ہوں، ابن عابدین کی اس تحقیق میں اگرچہ بندہ کو اشکال ہے[1] مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ امام کی حالت زیادہ قابل لحاظ ہے البتہ یہ کراہت صرف امام پر ہوگی مقتدیوں پر نہیں قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولو صلی التراویح بجماعۃ الخ) عبارۃ الفتح عن المحیط وذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما آخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ لہ ذلک ولا یکرہ للمأمومین ولو لم ینو الامامۃ وشرع فی الصلوۃ فاقتدی الناس بہ لم یکرہ لواحد منہما اھ (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ذی قعدہ سنہ ۹۰ھ

عورتوں کے لئے بھی بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے:

سوال: عورتوں کے لئے رمضان المبارک میں تراویح کم سے کم کتنی رکعتیں جائز ہیں؟ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعت پوری پڑھی جائیں ورنہ بالکل نہ پڑھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے بھی تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں، اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ قال فی العلائیۃ التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین للرجال والنساء اجماعا (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ شعبان سنہ ۹۰ھ

تراویح میں نابالغ کی اقتداء صحیح نہیں:

سوال: حافظ نابالغ کو تراویح پڑھانے کے لئے امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کی اقتداء میں تراویح صحیح نہیں، قال فی العلائیۃ ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ونفل علی الاصح) قال

---

[1] وجہ اشکال حکم ثبہ کے تحت ملاحظہ ہو۔

فی الہدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشایخ بلخ ولم یجوزہ مشایخنا ومنہم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالی والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا (رد المحتار ص [illegible] ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر رمضان سنہ ۹۹ھ

بیٹھ کر تراویح پڑھنا:

سوال: زید تراویح میں قراءۃ طویلہ کی وجہ سے قائماً نماز ادا نہیں کرسکتا آیا وہ جماعت کے ساتھ قاعداً تراویح ادا کرسکتا ہے یا علیحدہ قائماً تراویح ادا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بیٹھ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے اس لئے کہ تراویح میں قیام فرض نہیں، ہاں بلاعذر بیٹھ کر تراویح پڑھنا خلاف استحباب ہے، قال فی البزازیۃ واداؤہا قاعداً یجوز فی المختار ولو بلا عذر لکن لا یستحب بخلاف سنۃ الفجر فانہ لا یجوز قاعداً (بزازیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۶۳ ج ۴) وفی الخانیۃ (فصل فی اداء التراویح قاعداً) اختلفوا فی الجواز قال بعضہم لا یجوز بغیر عذر اعتبارا بما روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی انہ لو صلی سنۃ الفجر قاعداً بغیر عذر لا یجوز فکذا التراویح لان کل واحد منہما سنۃ مؤکدۃ وقال بعضہم یجوز اداء التراویح قاعداً بغیر عذر وفرقوا بین التراویح وبین سنۃ الفجر وہو الصحیح الا ان ثوابہ یکون علی النصف من صلوۃ القائم ووجہ الفرق ان سنۃ الفجر سنۃ مؤکدۃ لا خلاف فیہا والتراویح فی التاکید دونہا فلا یجوز التسویۃ دونہا (خانیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۲۳۴ ج ۱) واقرہ ابن امیر الحاج فی شرح المنیۃ ومثلہ فی الظہیریۃ وغیرہا وفی فتاوی الشیخ قاسم بن قطلوبغا نقلاً عن الامام حسام الدین الشہید اجمعوا علی ان رکعتی الفجر قاعداً من غیر عذر لا تجوز لانہا سنۃ شابہت الفرض واما التراویح فالصحیح انہا تجوز قاعداً بغیر عذر ولکن لا تستحب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ر رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں:

سوال: دو منزلہ مسجد کی ہر ایک منزل میں تراویح کی الگ جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہی منزل میں مختلف جگہوں پر کچھ فاصلہ سے دوسری جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے اور اسکا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے لہٰذا یہ بھی مکروہ ہے خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یا مختلف اوقات میں ہوں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر

لمعات المصابیح

فی

رکعات التراویح

بیس رکعات تراویح کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثبوت اور اس پر حضرات صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ

کا اجماع

تعداد تراویح پر مفصّل بحث

سوال : ایک عالم کہتا ہے کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعتیں ثابت نہیں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دلیل میں بخاری، مسلم اور ابن خزیمہ کی روایات پیش کرتا ہے صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔ اور کہتا ہے کہ خود فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیس رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ کنز کی شرح البحر فتح المبین میں ہے کہ تراویح گیارہ مع وتر ہیں۔ ما رُوِیَ کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف۔ اور موطا مالک و ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے۔

دوسرا عالم آٹھ رکعات کے قائل کو کافر اور ملعون کہتا ہے۔ کیونکہ بیس رکعات اجماع سے سنت مؤکدہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پہلا عالم کافر ہے؟ کیا بیس رکعات اجماع سے ثابت ہیں۔ اجماع کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرا وافیا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اہل حدیث مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی

(بخاری ص۱۵۴ ج ۱)

(۲) حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللہ ثنا عیسٰی بن جاریۃ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر۔

(قیام اللیل للامام ابی نصر المروزی ص۹۰ ،

لمعات المصابیح ـــــــــ ۲

(۳) وبعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان منی اللیلۃ شیء قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلاتک فصلیت بهن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا (قیام اللیل ص۹۰)

(۴) مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی بن کعب وتمیما الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ (موطا امام مالک ص۹۸)

حدیث اوّل کے جوابات

(۱) اس حدیث میں اضطراب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال تام نہیں۔ قال القرطبی اشکلت روایات عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علی کثیر من اہل العلم حتی نسب بعضہم حدیثہا الی الاضطراب (فتح الباری ص۱۷ ج۳)

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیرہ رکعات کی روایت بھی بسند صحیح موجود ہے۔ چنانچہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ رفع اضطراب کی یہ صورت بیان فرماتے ہیں۔ والصواب ان کل شیء ذکرتہ من ذلک محمول علی اوقات متعددۃ واحوال مختلفۃ (فتح الباری ص۱۷ ج۳)

اس سے غیر مقلدین کا آٹھ رکعات میں تراویح کے انحصار اور اس سے زیادہ کے عدم ثبوت کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ خود اہل حدیث عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری فرماتے ہیں انہ قد ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر (تحفۃ الاحوذی ص۳۳ ج۲)

غرضیکہ اس حدیث میں اضطراب یا آٹھ رکعات میں عدم انحصار میں سے کوئی ایک امر ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام سے چار چار رکعات اور آخر میں ایک سلام سے تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے، حالانکہ غیر مقلدین کا عمل اسکے خلاف ہے۔ وہ تراویح دو دو رکعت پڑھتے ہیں اور وتر کی ایک ہی رکعت یا تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں۔ لہٰذا جو حدیث خود مستدل کے ہاں متروک العمل ہے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

۳۴ (۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے اس میں تراویح کا بیان نہیں دلیل

میں اس پر چند قرائن ذکر کئے جاتے ہیں۔

حدیث میں بیان تہجد پر شواہد:

① حدیث کے الفاظ "ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" بتا رہے ہیں کہ سوال کسی ایسی نماز سے متعلق تھا جو پورا سال پڑھی جاتی تھی۔ سوال میں خاص رمضان کے ذکر کی یہ وجہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سیاتی ان شاء اللہ تعالیٰ تو سائل کو خیال ہوا کہ شاید رمضان میں تہجد کی رکعات بھی زیادہ پڑھتے ہوں۔

② خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی بنسبت رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سنذکرھا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث زیر بحث میں صرف صلوٰۃ تہجد کا بیان ہے۔

③ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "فقالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر" تراویح میں یہ بعید ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا علم مردوں کو زیادہ ہونا چاہئے تھا لتقدمہم صفوفہم، اس کے برعکس نماز تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے اسی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے تھے۔

④ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا، چنانچہ امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں "باب عدد الرکعات التی یقوم بہا الامام للناس فی رمضان" کے تحت بہت سی روایات لائے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث اصح ما فی الباب ہونے کے باوجود ذکر نہیں فرمائی بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں فرمایا۔

⑤ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلق ابواب میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے۔

باب ما جاء فی الوتر (ص۱۳۵ ج ۱)

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ (ص۱۵۴ ج ۱)

باب فضل من قام رمضان (ص[illegible] ج ۱)

باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ (ص ۵۰۳ ج ۱)

پہلی جگہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ کانت تلک صلوتہ تعنی باللیل فیسجد السجدۃ من ذلک قدر ما یقرأ احدکم خمسین آیۃ۔ یہ الفاظ کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کر رہے ہیں نیز اس باب سے تثلیث وتر کا اثبات مقصود ہے نہ کہ عدد رکعات تراویح۔

دوسرے باب میں قیام باللیل فی رمضان کے الفاظ ہیں اور قیام اللیل تہجد کو بھی کہا جاتا ہے پھر رمضان کے ساتھ وغیرہ کے اضافہ نے مزید وضاحت کردی کہ تہجد ہی مراد ہے۔

تیسرے باب میں بھی عدد رکعات کا بیان مقصود نہیں بلکہ بیان فضل مقصود ہے۔

چوتھے باب میں نوم قبل الوتر کا بیان مقصود ہے نہ کہ عدد رکعات، نیز نوم قبل الوتر مستقل دلیل ہے کہ یہاں نماز تہجد مراد ہے کما مرّ۔

(۹) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ عقب الحدیث المذکور وظہرلی ان الحکمۃ فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ ان التہجد والوتر مختص بصلوٰۃ اللیل وفرائض النہار الظہر وھی اربع والعصر وھی اربع والمغرب وھی ثلاث وتر النہار فناسب ان تکون صلوٰۃ اللیل کصلوٰۃ النہار فی العدد جملۃ وتفصیلاً واما مناسبۃ ثلاث عشرۃ فبضم صلوٰۃ الصبح لکونہا نہاریۃ الی ما بعدہا (فتح الباری ص ۱۷ ج ۳)

حکمت مذکورہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس نماز سے تہجد مراد ہے۔ علاوہ ازیں عبارت مذکورہ میں لفظ تہجد کی تصریح بھی ہے۔

تہجد و تراویح میں فرق:

اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد و تراویح ایک ہی چیز ہے انکا یہ خیال وجوہ ذیل سے باطل ہے

(۱) تہجد میں تداعی جائز نہیں اور تراویح میں تداعی ہوتی ہے۔

(۲) تراویح کا وقت قبل النوم ہے اور تہجد کا وقت معین نہیں افضل وقت بعد النوم ہے۔

(۳) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے۔ کصنیع الامام مسلم وغیرہ۔ صحیح مسلم کے ابواب اگرچہ خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قائم نہیں فرمائے مگر احادیث کی ترتیب اور مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین

سینہ سے پڑھا۔

(۴) نماز تہجد پہلے فرض تھی اسکے بعد وحی الٰہی نے اسکی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل پر دوام نہ فرمانے کی حکمت خشیت فرضیت بیان فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قیام لیل تہجد سے مغایر ہے کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے منسوخ کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرمادیا گیا تھا۔

(۵) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے، ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا ــــ یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا۔ اور تراویح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سننت لکم قیامہ (نسائی ص ۳۰۸ ج ۱) یعنی تراویح کا حکم وحی غیر متلو سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہجد کے علاوہ ہے اسمیں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اس لئے کہ اس حدیث میں بصورت تقابل ارشاد ہے ان اللہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامہ، حالانکہ صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمایا ہے۔ معہذا بصورت تقابل سے ثابت ہو کہ حکم صوم وحی متلو سے ہے اور حکم تراویح وحی غیر متلو سے۔

(۶) حدیث میں تراویح کا نام "قیام رمضان" مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ ہے، کیونکہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

(۷) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا ہے اور تراویح کا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد۔

(۸) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے والتراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ ویوتر بعدھا فی الجماعۃ فان کان لہ تہجد جعل الوتر بعدہ (مقنع ص [illegible])

اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تہجد اور تراویح کو متغایر سمجھتے تھے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کیساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اسمیں ایکبار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد انفرادا پڑھتے تھے۔

(۱۰) تہجد کی متعین رکعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، یعنی مع الوتر زیادہ سے زیادہ تیرہ اور کم از کم سات، اور تراویح سے متعلق خود اہل حدیث حضرات کی شہادتیں ہیں کہ انکا کوئی معین عدد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

نے متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابوداود نے بھی اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور اہلحدیث عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری سخاوی سے نقل فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترک لحدیثه۔ (ابکار المنن ص۱۹۱)

اتنے ائمہ نے عیسیٰ بن جاریہ پر اتنی شدید جرح کی ہے۔ اتنی بڑی جماعت کے مقابل صرف ابوزرعہ نے "لا بأس" کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بوجوہ ذیل جرح راجح ہے۔

(۱) اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) جارحین کی ایک جماعت ہے اور وہ مسلّم امام ہیں۔

(۳) جرح بہت شدید ہے۔ چنانچہ منکر الحدیث سے متعلق خود اہلحدیث کا فیصلہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں بالخصوص جبکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ متفرد ہے۔ قال الامام الطبرانی لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بهذا الاسناد کسی دوسرے صحابی سے بھی اس حدیث کا کوئی شاہد نہیں۔

تیسری حدیث کا جواب:

اس حدیث کی سند بھی بعینہ وہی ہے جو دوسری حدیث کی ہے۔ اسلئے یہ بھی قابل قبول نہیں۔

چوتھی حدیث کے جوابات:

(۱) یہ روایت مضطرب المتن ہے۔ اختلف فيه على محمد بن يوسف فروى عنه مالك في الموطا ويحيى القطان عند ابن ابي شيبة وعبد العزيز بن محمد عند سعيد ابن منصور هكذا احدى عشرة ركعة ورواه محمد بن نصر في قيام الليل من طريق محمد ابن اسحق عن محمد بن يوسف فقال ثلاث عشرة ورواه عبد الرزاق من وجه آخر عن محمد بن يوسف فقال احدى وعشرين قاله الحافظ في الفتح ص۲۰۹ ج۴

(اعلاء السنن ص۴۴ ج۷)

محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں۔ ان میں سے تین گیارہ رکعات، ایک تیرہ اور ایک اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔ پھر گیارہ رکعت نقل کرنے والوں کے بھی متن آپس میں مختلف ہیں تینوں کے متون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام مالک: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ

لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔

یحییٰ القطان: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبد العزیز بن محمد: ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی هذا الحدیث احدی وعشرین وهو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیه احدی عشرة الا مالکا (الی ان قال) الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم کذا فی التعلیق الممجد نقلا عن الزرقانی فی شرح الموطا، قلت لم ینفرد فیه مالک لمتابعة اثنین له فی ذلک عن محمد بن یوسف بل الوهم عندی فیه من محمد بن یوسف فانه قال مرة احدی وعشرین ومرة احدی عشرة وتارة ثلاث عشرة والجمع بینها بالحمل علی اختلاف الاحوال ونحوه کما قال الحافظ وغیره بعید مستغنی عنه فان المخرج واحد فکیف یحمل علی اختلاف الاحوال والمحفوظ ما رواه یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة کما ذکرناه فی المتن اخرجه البیهقی وسنده صحیح وعزاه الحافظ فی الفتح الی مالک ایضا (اعلاء السنن ص۵۳ ج۷)

سائب بن یزید کے دو شاگرد ہیں محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ، محمد بن یوسف کا شدید اختلاف اوپر بیان ہوا کہ ان کے پانچوں شاگرد ان سے مختلف متن روایت کرتے ہیں، حافظ ابن عبد البر نے اکیس رکعات کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اب یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت کی وجوہ قوت ملاحظہ ہوں۔

بیہقی نے سنن کبریٰ ص۴۹۶ ج۲ میں اس روایت کو عن ابی الذئب عن یزید بن خصیفہ نقل کیا ہے، اور یہی روایت بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں عن محمد بن جعفر عن یزید بن خصیفہ ذکر کی ہے۔ غرضیکہ یزید کے دونوں شاگرد متفق ہیں، ان میں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی طرح اختلاف نہیں۔ پہلی سند کی امام نووی، امام سیوطی اور امام عراقی وغیرہم نے تصحیح کی ہے۔
(ارشاد الساری، تحفۃ الاخیار ص۱۹۲، تحفۃ الاحوذی ص۷۵ ج۲)

دوسری سند کو امام سبکی نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح موطا میں صحیح

قرار دیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۷۴ ج ۲)

کسی متعصب کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس روایت میں ابو عبد اللہ ابن فنجویہ دینوری ہیں جنکی عدالت معلوم نہیں۔ اولاً تو جلیل القدر ائمہ حدیث کی طرف سے اس روایت کی توثیق ثابت ہو جانے کے بعد یہ اشکال محض تعسف ہے۔ ثانیاً کسی راوی کی تعدیل کے لئے اسپر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اسکی شہرت تعدیل کے لئے کافی ہے،

قال ابن الصلاح فی المقدمۃ عدالۃ الراوی تارۃ تثبت بتنصیص معدلین علی عدالتہ وتارۃ تثبت بالاستفاضۃ فمن اشتہرت عدالتہ بین اہل النقل او نحوہم من اہل العلم وشاع الثناء علیہ بالثقۃ والامانۃ استغنی فیہ بذلک عن بینۃ شاہدۃ بعدالتہ تنصیصا ہذا ہو الصحیح فی مذہب الشافعی وعلیہ الاعتماد فی فن اصول الفقہ (مقدمہ ص ۳۴)

وقال الحافظ ابو عمر و ابن عبد البر کل حامل علم معروف العنایۃ بہ فہو عدل محمول فی امرہ ابدا علی العدالۃ حتی یتبین جرحہ (حوالہ بالا) ابو عبد اللہ ابن فنجویہ پر کوئی جرح منقول نہیں اور آپ فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے ۴۱۴ھ میں وفات پانے والے مشہور محدثین میں آپ کو ذکر کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۲ ج ۳) اور ابن اثیر جزری فرماتے ہیں

عرف بہا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین فنجویہ الفنجوی الدینوری الحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی وابی بکر بن مالک القطیعی وغیرہما روی عنہ ابو اسحاق الثعلبی فاکثر فی تفسیرہ وبہا کثیرا یقول اخبرنا الفنجوی۔

علاوہ ازیں سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں آپ کا ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں آپ سے بکثرت روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری صحیح اور قوی روایات کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی مزید قوی اور صحیح روایات ہم آگے ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو قابل عمل نہیں سمجھا اسی لئے وہ آٹھ رکعات کے قائل نہ ہوئے۔

(۵) خود موطا ہی میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں (موطا ص ۴۰، فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۴)

(۶) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہوتا تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر صحابہ سے بھی اس قسم کی روایت یا اس پر عمل منقول ہوتا مگر ایسی کوئی بھی روایت نہیں۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات کی روایت پہنچی ہو اس لئے یہ حکم دیا۔ بعد میں بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی تو اس کا حکم نافذ کیا۔

موطا کی ایک اور روایت کی وضاحت:

موطا میں ایک اور روایت ہے عن الاعرج قال ما ادرکت الناس الا وہم یلعنون الکفرۃ فی رمضان قال وکان القاری یقرأ سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بہا فی ثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ قد خفف (موطا مالک) اس میں اس پر دلیل نہیں کہ کبھی آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی بارہ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقدار قرأت اتنی ہوتی تھی کہ بقرہ جیسی سورت آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے۔ مجموعہ رکعات کی تعداد کا بیان اس میں نہیں۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

بیس تراویح کا ثبوت

(۱) قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ (رواہ مسلم)

(۲) وعنہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیی لیلہ وایقظ اہلہ اخرجہ البخاری (فتح الباری ج ۴ ص ۲۳۳)

(۳) روی البیہقی فی شعب الایمان عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرفوعا کان اذا دخل شہر رمضان شد مئزرہ ثم لم یأت فراشہ حتی ینسلخ واسنادہ حسن۔

(۴) وعنہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان اذا دخل رمضان تغیر لونہ وکثرت صلاتہ وابتہل فی الدعاء واشفق لونہ کذا فی العزیزی ج ۳ ص ۱۲۴۔ احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ یہ احتمال کہ آٹھ رکعت میں رات گزار دیتے تھے بہت بعید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طول قیام کی مشقت شدیدہ ہے اور آخری حدیث میں "طالت صلاتہ" کی بجائے "کثرت صلاتہ" کا

لفظ اس پر قرینہ دلیل ہے کہ رکعات میں زیادتی مراد ہے۔ نواب صدیق حسن خان اہل حدیث تحریر فرماتے ہیں: یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان ما لا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کثیر (الانتقاد الرجیح ص ۶۱)

مذکورہ بالا روایات میں آٹھ رکعتوں سے زیادتی ثابت ہوئی اگرچہ بیس کی تعیین نہیں، اور ذیل کی روایت میں بیس کی تعیین ہے۔

⑤ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والبغوی فی معجمہ والطبرانی فی الکبیر لہ والبیہقی فی سننہ (التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۴)

صاحب فتح القدیر اور دیگر بعض مصنفین کا اس حدیث کو راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف کہنا بوجوہ ذیل صحیح نہیں۔

(۱) بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ قال ابن عدی لہ احادیث صالحۃ وھو خیر من ابراھیم بن ابی حیۃ وقال یزید بن ھارون ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل فی قضائہ منہ (تھذیب ج ۱ ص ۱۴۵) اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان، ابراہیم بن ابی حیہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ حالانکہ ابراہیم بن ابی حیہ بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔ ینقل عثمان الدارمی عن یحیی بن معین انہ قال شیخ ثقۃ کبیر کذا فی اللسان (ج ۱ ص ۵۳) جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہیں تو ابراہیم بن عثمان بطریق اولیٰ ثقہ ثابت ہوئے۔

یزید بن ہارون کی تعدیل بہت وزن رکھتی ہے اس لئے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے استاذ الاستاذ نہایت ثقہ اور زبردست حافظ ہیں، نیز یہ ابراہیم کے حالات سے بنسبت جارحین کے زیادہ باخبر تھے اس لئے کہ یزید ان کے محکمہ میں محرر تھے۔

(۲) ضعیف حدیث کی صحت پر جب قرائن موجود ہوں تو یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اس پر متعدد ذیل شواہد ہیں۔

(۱) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالی نے یہ لکھا ہے اور رسائل میں بیان کیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب غسلہ ثلاثا من ولوغ الکلب اس پر قرینہ ہے کہ اس بارہ میں حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت صحیح ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴)

(۲) وفیہ ایضا وانما اصلی ان ندیر المرفوع او المرفوع الرجوع فی الثبوت عن المرفوع آخر

قد یقدم علی هذا لا سیما اذا اقترن بقرائن تفید انه صحیح عنه علیه الصلوٰة والسلام مستمر علیه (فتح القدیر ج۱ ص ۱۱۵)

(۳) حدیث مرسل عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ضعیف ہے۔ مگر اس سے قول صحابی موافق ہوجائے تو بالاتفاق حجت ہے اس کی بھی ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے۔ فی قول الترمذی العمل علیه عند اهل العلم یقتضی قوة اصله وان ضعف خصوص هذا الطریق (فتح القدیر ج۱ ص ۸۸)

(۴) وروی اسد بن عمرو عن ابی یوسف قال سألت ابا حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن التراویح وما فعله عمر رضی الله تعالیٰ عنه فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرصه عمر رضی الله تعالیٰ عنه من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعا ولم یأمر به الا عن اصل لدیه و عهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم کذا فی مراقی الفلاح نقلا عن الاختیار (ص ۲۲۴)

غرضیکہ حدیث نمبر ۵ کو بالفرض ضعیف بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی یہی چار روایتیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم ساری اُمت کا اجماع اس حدیث کی صحت پر حجت بینہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اعتراف کرتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو اُمت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے (اہلحدیث ۲۱ اپریل ۱۹۰۷ء) اور آٹھ رکعات والی حدیث اسکے خلاف نہیں۔ اسلئے کہ یہ آٹھ رکعتیں تہجد کی تھیں۔ علاوہ ازیں آٹھ رکعات والی حدیث میں اضطراب ہے۔ (فتح الباری ج۳ ص [illegible]) یعنی ابو سلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انه ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة اور حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انه صلی الله علیه وسلم کان یصلی باللیل ثلث عشرة رکعة ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین رواه البخاری (فتح الباری ج۳) وقد مر تفصیله)

(۶) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ (رواه احمد وابوداود والترمذی وابن ماجة) اس حدیث میں سنت خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ پس جو امر خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا وہ حکماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت اور آپ کی طرف سے مامور بہ قرار دیا جائیگا پس اگر بیس رکعات تراویح کا ثبوت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی ہوتا تو بھی اس حدیث سے بیس رکعات کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہوا۔

بیس رکعات پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

① عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر، رواہ البیہقی فی المعرفۃ وصححہ السبکی فی شرح المنہاج (التعلیق الحسن ص ۵۴ ج ۲)

② وفی لفظ لہ من طریق اخر قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ وقال کانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیہم فی عہد عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شدۃ القیام صححہ النووی فی الخلاصۃ وابن العراقی فی شرح التقریب والسیوطی فی المصابیح (حوالہ بالا)

③ عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر رجلا یصلی بہم عشرین رکعۃ رواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی (آثار السنن ص ۵۴ ج ۲)

④ عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث اخرجہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی (حوالہ بالا)

⑤ عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ رواہ البیہقی فی سننہ وضعفہ (کنز العمال ص ۲۸۴ ج ۴)

⑥ اخرج البیہقی روایۃ ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسیجیئ مفصلا عن قریب ان شاء اللہ تعالیٰ

⑦ عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یؤمہم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث وفی ذلک قوۃ (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)

⑧ عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ رواہ مالک واسنادہ قوی مرسل (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)

⑨ عن عطاء قال ادرکت الناس وہم یصلون ثلاث وعشرین رکعۃ بالوتر (ابوبکر ابن ابی شیبۃ واسنادہ حسن)

(۱۰) عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة (بیہقی ص۴۹۶ج۲ واسنادہ حسن)

(۱۱) عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة (ابن ابی شیبة واسنادہ صحیح)

(۱۲) عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث (ابن ابی شیبة واسنادہ حسن)

(۱۳) قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراءة ویوترون بثلاث (قیام اللیل ص۹۱)

(۱۴) قال الاعمش کان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث (حوالہ بالا)

(۱۵) سیأتی عن المغنی روایة صالح مولی التوأمة

(۱۶) قال الحافظ ابن قدامة فی المغنی والمختار عند ابی عبد اللہ رحمه اللہ فیها عشرون رکعة وبهذا قال الثوری وابو حنیفة والشافعی وقال مالک ستة وثلاثون وزعم انه الامر القدیم وتعلق بفعل اهل المدینة فان صالحا مولی التوأمة قال ادرکت الناس یقومون باحدی واربعین رکعة یوترون منها بخمس ولنا ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه لما جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنه کان یصلی بهم عشرین رکعة رواہ ابوداؤد ورواہ السائب بن یزید وروی عنه من طرق وروی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه انه امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة وهذا کالاجماع فاما ما رواہ صالح فان صالحا ضعیف ثم لا ندری من الناس الذین اخبر عنهم فلعله قد ادرک جماعة من الناس یفعلون ذلک ولیس ذلک بحجة ثم لو ثبت ان اهل المدینة کلهم فعلوہ لکان ما فعله عمر واجمع علیه الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم فی عصرہ اولی بالاتباع قال بعض اهل العلم انما فعل هذا اهل المدینة لانهم ارادوا مساواة اهل مکة فان اهل مکة یطوفون

اجماع ہے۔ مغنی، قسطلانی، مرقاۃ اور بذل المجہود کی خط کشیدہ عبارات میں اسکی بالکل تصریح ہے۔ بیس سے زیادہ کا تو بعض نے قول کیا ہے اس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

روایات مذکورہ میں بعض مراسیل ہیں اور ابو الحسناء کی روایت ضعیف ہے، اس قدر کثرت روایات کی موجودگی میں ان سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں مگر تعمیم فائدہ اور مزید تائید کی غرض سے قدرے توضیح کی جاتی ہے۔

حجیۃ المرسل :

حجیۃ المرسل کے انکار میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اگرچہ قول انکار ہے مگر ان کا راجح قول حجیت کا ہے۔ ابو داود اور ابن جریر نے امام شافعی سے قبل حجیت مرسل پر تمام اسلاف کا اجماع نقل کیا ہے۔ سب سے پہلے امام شافعی نے اس کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے اجماع نقل کرکے اسے ساقط کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بڑی مشکل سے پانچ نام پیش کرسکے ہیں (مقدمہ فتح الملہم ص ۳)

علاوہ ازیں جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مستقل روایت مسند یا مرسل سے ہوئی ہو تو یہ مرسل امام شافعی کے ہاں بھی مقبول ہے۔ قال الحافظ وقال الشافعی یقبل ان اعتضد بمجیئه من وجه آخر یباین الطرق الاولی مسندا کان او مرسلا (شرح نخبۃ الفکر ص ۴) شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خود ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائیگا (حاشیہ شرح نخبہ)

علاوہ ازیں یزید بن رومان کی روایت مرسل مالک ہے اور مراسیل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کے ہاں بھی بلا شبہ حجت ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا الامام مالک واتفق اهل الحدیث علی ان جمیع ما فیه صحیح علی رای مالك ومن وافقه واما علی رای غیرہ فلیس فیه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخری فلا جرم انها صحیحة من هذا الوجه وقد صنف فی زمان مالك موطات کثیرة فی تخریج احادیثه ووصل منقطعه مثل کتاب ابن ابی ذئب وابن عیینة والثوری ومعمر (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۳۳)

ابو الحسناء کی روایت :

اس روایت کے ضعف کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

① تقریب التہذیب میں ابو الحسناء کو مجہول لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو الحسناء سے انکے دو شاگرد ابو سعد اور عمرو بن قیس روایت

کرتے ہیں اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والے دو ہوں وہ مجہول الذات نہیں۔ لہٰذا ابو الحسناء مجہول نہیں بلکہ مستور ہیں اور مستور کی روایت کو ایک جماعت قبول کرتی ہے اور علماء جمہور بشرطِ مؤید مقبول ہے۔ یہاں اسکا مؤید عبد الرحمٰن سلمی اور شتیر بن شکل کی روایت موجود ہے جس کو بیہقی نے قوی قرار دیا ہے وفیہا مر نصہ هذا الحدیث وان کان ضعیفا لکن مجبور بتعدد طرقه (اعلاء السنن ص۵۸) بلکہ کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں اور وہ سب ضعیف ہوں تو وہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے ولو سلموا ان کلها ضعیفة ففی مجموعها تبلغ درجة الحسن (ابکار المنن ص۲۱)

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو الحسناء کا لقاء ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ابو الحسناء دو ہیں ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں یہ حکم بن عتیبہ کے شاگرد اور شریک نخعی کے استاد ہیں (تہذیب التہذیب) دوسرے ابو الحسناء جو حدیث مذکور کے راوی ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور ابو سعد بقال و عمرو بن قیس کے استاد ہیں۔

بیس رکعات پر خلفاء راشدین کی مواظبت

صاحب ہدایہ کے قول (بیس رکعات پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہے) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بیس رکعات جماعت کیساتھ شامل ہو کر پڑھنا ثابت نہیں۔ یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ لفظ خلفاء راشدین تغلیباً اطلاق کیا گیا ہے۔ مقصود خلفاء ثلاثہ ہیں (فتح القدیر ص۳ ج۱)

باقی خلفاء کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے عدم مواظبت ثابت کرنا کوتاہ نظری ہے اس لئے کہ مواظبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عملاً کمواظبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الجماعة والسنن الرواتب وغیرها۔

(۲) مواظبت تشریعاً یعنی کسی فعل پر ہمیشہ تاکید کرتے رہنا اور ترغیب دیتے رہنا مثلاً اذان و اقامت کی سنیت پر اجماع ہے۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی

لمعات المصابیح ـــــــ ۱۸

خود مواظبت نہیں فرمائی بلکہ کبھی بھی اذان یا اقامت خود نہیں کہی (الا ان یکون نادرا) غرضیکہ اذان و اقامت کی سنیت صرف مواظبت تشریعی یعنی ترغیب کی وجہ سے ہے۔ اب بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے تو بھی مواظبت تشریعی ثابت ہے۔

علاوہ ازیں یہ دعوی ہی غلط ہے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے۔

(۱) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزماً فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کیساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جماعت سے پڑھتے تھے (المغنی لابن قدامہ)

(۲) قال الشوکانی واختلفوا فی ان الافضل صلاتها فی بیته منفردا ام فی جماعة فی المسجد فقال الشافعی وجمهور اصحابه وابو حنیفة واحمد وبعض المالکیة وغیرهم رحمهم الله تعالیٰ الافضل صلاتها جماعة کما فعله عمر بن الخطاب والصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم واستمر عمل المسلمین علیه لانه من الشعائر الظاهرة (نیل الاوطار ص ۲۹۵ ج ۲)

(۳) قد اخرج البیهقی فی سننه عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علی رضی الله تعالیٰ عنه یوتر بهم وروی ذلک بوجه آخر عن علی اهـ کذا فی التعلیق الحسن قال النیموی فیه حماد بن شعیب وهو ضعیف (ص ۵۶ ج ۲) ثم نقل اقوال مضعفیه عن المیزان قلت وفی اللسان وقال ابن عدی یکتب حدیثه مع ضعفه واخرج له مع هذا الحاکم فی مستدرکه اهـ (ص ۳۴۳ ج ۲) فلا اقل من کونه مرویا من وجه آخر ایضا وفیه تصریح بامر علی رضی الله تعالیٰ عنه بعشرین رکعة واشعار بقیامه معهم لانه کان یوتر بهم فافهم (اعلاء السنن ج ۷ ص ۵۰)

مدونہ میں روایت ہے عن یحیی بن سعید انه سئل عن صنیع الامیر خلف القاری قال مابلغنا ان عمر وعثمان رضی الله تعالیٰ عنهما کانا یقومان فی رمضان مع الناس فی المسجد (مدونہ ص ۱۹۳ ج ۱)

اس سے خلفاء ثلاثہ کا جماعت سے نماز پڑھنا ثابت نہیں ہوتا اسلئے کہ اسمیں بحضور اقتداء نماز پڑھنے کی نفی ہے۔ ممکن ہے کہ امام بن کر نماز پڑھاتے ہوں جس سے روایت ساکت ہے علاوہ ازیں یحیی بن سعید کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں۔ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کامل یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت سے تراویح

پڑھتے تھے۔ اور حضرت علی، جابر، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی امام احمد کی تصریح گزر چکی ہے کہ یہ حضرات جماعت سے تراویح پڑھتے تھے۔

قول ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں۔ کیونکہ آٹھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے۔
(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۷)

یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایۃً و درایۃً ہر طرح سے باطل ہے۔ روایۃً اسلئے کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور درایۃً اس لئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا، حالانکہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظبت سے سنیت ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(١) قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی البنایۃ شرح الہدایۃ: سیرۃ العمرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا شک فی ان فعلہا ثواب وفی ترکہا عقاب لانا امرنا بالاقتداء بہما لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء مامورا بہ یکون واجبا وتارک الواجب یستحق العقاب والعتاب (مجموعۃ الفتاوی ص ۲۱۳ ج ۱)

(٢) وقال کمال الدین بن الہمام فی تحریر الاصول قسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومہ وواجب ما ظنی وسنۃ الطریقۃ الدینیۃ عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والخلفاء الراشدین بعدہم (حوالہ بالا)

(٣) وقال بحر العلوم فی شرح التحریر ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرۃ فی الدین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمداومۃ او لا بان استمر الناس علیہا باذنہ او بدون الخلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم (حوالہ بالا)

(۴) وفی التبیین شرح الحسامی والسنۃ فی عرف الشرع یراد بہا طریقۃ الدین اما للرسول صلی اللہ علیہ وسلم او للصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی یتناول سنۃ الرسول وسنۃ الخلفاء الراشدین
(مجموعۃ الفتاوی ص ۱۹۲)

ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ قال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ص ۹۲ ج ۲)

علیکم کا لفظ وضعاً لزوم پر دال ہے اور معطوف بر معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے معلوم ہوا کہ سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے لہٰذا دونوں میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں کیونکہ مندوب لازم نہیں ہوتا۔ پھر "عضوا علیہا بالنواجذ" بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں سنۃ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی۔ کیونکہ جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر عمل کرنا مستحب ہے لما روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضہا اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ بشیء مما ہم علیہ من اختلافہم فہو عندی علی ہدی رواہ رزین (مشکوٰۃ ص ۵۵۴) اسی لئے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنۃ الخلفاء اور خصوصاً سنۃ الشیخین کے اتباع کی بنسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو بھی خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت موجب سنیت ہے۔ صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اقتداء و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

بیس رکعت سے کم تراویح نہ ہونے پر ائمہ اربعہ وغیرہم کا اجماع

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں۔

(۱) مغنی کی مفصل عبارت اوپر گزر چکی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا مذہب منقول ہے۔

(۲) المسنون عند ابی حنیفۃ والشافعی واحمد عشرون رکعۃ وحکی عن مالک ان التراویح ست وثلاثون رکعۃ (رحمۃ الامۃ ص ۲۳)

(۳) واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بہا الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداود القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاث

لمعات المصابیح ———— ۲۱۰

(الی قولہ) وذکر ابن القاسم عن مالک انہ الامر القدیم (بدایۃ المجتہد ص [illegible] ج ۱)

(۴) وقد قال الملک انها کانت ثلاثا وعشرین ثم جعلت تسعا وثلاثین (قسطلانی)

(۵) قال الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرای بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وهو قول اهل المدینۃ والعمل علی هذا عندهم بالمدینۃ واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ وقال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیہ بشیء وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعۃ علی ما روی عن ابی بن کعب (ترمذی ص ۹۹ ج ۱)

غرضیکہ بیس رکعت کی سنیت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و من بعدہم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا اجماع ہے کہ بیس رکعات سے کم تراویح نہیں۔ لہٰذا اس کے خلاف قول کرنا ضلالت اور گمراہی ہے ولان الامۃ اذا اختلفوا فی مسألۃ فی ای عصر کان علی قولین کان اجماعا منهم علی ان ما عداهما باطل ولا یجوز لمن بعدهم احداث قول آخر (نور الانوار ص ۲۲۳)

اجماع کی تعریف:

اجماع کی تعریف میں حسامی کی تعبیر بہترین ہے۔ وتفسیرہ عندنا ان اجماع کل عصر من اهل العدالۃ والاجتهاد حجۃ ولا عبرۃ بقلۃ العدد وکثرتهم ولا بالثبات علی ذلک حتی یموتوا ولا لمخالفۃ اهل الهوی فیما نسبوا بہ الی الهوی ولا لمخالفۃ من لا رأی لہ فی الباب الا فیما یستغنی عن الرأی ثم الاجماع علی مراتب فالاقوی اجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنهم نصا لانہ لا خلاف فیہ فیهم اهل المدینۃ وعترۃ الرسول علیہ السلام ثم الذی ثبت بنص بعضهم وسکوت الباقین لان السکوت فی الدلالۃ علی التقریر دون النص ثم اجماع من بعد الصحابۃ علی حکم لم یظهر فیہ قول من سبقهم مخالفا ثم اجماعهم علی قول سبقهم فیہ مخالف نقل اختلف العلماء فی هذا الفصل فقال بعضهم هذا لا یکون اجماعا لان موت المخالف لا یبطل قولہ وعندنا ان اجماع علماء کل عصر حجۃ فیما سبق فیہ الخلاف وفیما لم یسبق لکنہ فیما لم یسبق فیہ الخلاف بمنزلۃ المشهور من الحدیث وفیما سبق فیہ الخلاف بمنزلۃ الصحیح من الآحاد واذا انتقل الینا اجماع السلف باجماع کل عصر علی نقلہ کان فی معنی نقل

الحدیث المتواتر وان انتقل الینا بالافراد کان کمنکر السنۃ بالاٰحاد وهو یقینی باصله ولکنه لما انتقل الینا بالاٰحاد اوجب العمل دون العلم وکان معتبرا بادنی القیاس (حسامی)

منکر اجماع کافر ہے یا نہیں؟

اس سے متعلق شامیہ میں یہ تفصیل ہے۔ ثم نقل فی نور العین عن رسالۃ الفاضل الشهیر حسام جلبی من عظماء علماء السلطان سلیم بن بایزید خان ما نصه اذا لم تکن الاٰیة او الخبر المتواتر قطعی الدلالة او لم یکن الخبر متواترا او کان قطعیا لکن فیه شبهة او لم یکن الاجماع اجماع الجمیع او کان ولم یکن اجماع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم او کان ولم یکن اجماع جمیع الصحابة او کان اجماع جمیع الصحابة ولم یکن قطعیا بان لم یثبت بطریق التواتر او کان قطعیا لکن کان اجماعا سکوتیا ففی کل من هذه الصور لا یکون الجحود کفرا یظهر ذلك لمن نظر فی کتب الاصول فاحفظ هذا الاصل فانه ینفعك فی استخراج فروعه حتی تعرف منه ما قیل انه یلزم الکفر فی موضع کذا ولا یلزم فی موضع اٰخر اهـ۔

(رد المحتار ص۳۹۱ ج۳ کتاب المرتد)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تراویح سے متعلق منعقدہ اجماع کے منکر کی تکفیر جائز نہیں، البتہ تضلیل کی جائے گی، یعنی بیس رکعت سے کم کی سنیت کا قائل ضلالت بینہ میں ہے۔ فقہاء رحمہم
بعشرین رکعة والوتر هو السنة المؤکدة فیضلل تارکها ویلام من نقص عنها (اعلاء السنن ص۵۲ ج۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

رشید احمد
۲۳ ذی الحجہ سنہ ۰۲ ہجری

تتمہ:

اقتباسات از رسالہ خیر المصابیح مؤلفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱) پاکستان کے اہل حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا۔ جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں یا بیس سے زائد پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین

علماء راسخین کا عمل بیس یا بیس سے زائد کا نہ ہوتا۔ حالانکہ مشترکہ ہندوستان میں ڈیڑھ صدی قبل پورے بارہ سو سال تک تمام مساجد مشرق و غرب اور جنوب و شمال میں بیس یا بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں، کیا اہل حدیث کے سوائے جمہور امت گمراہی میں رہی، یا بغیر ثبوت کے یہاں بیس یا بیس سے زائد پڑھتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اسکا ثبوت پیش کیا جاوے،

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں، ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا، مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

② اہل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت

پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست الخ (العرف الجادی ص۸۴) پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ پس آنکہ زیادت عامل بسنت ہم باشد الخ (ہدایۃ السائل ص۱۳۸) گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اما آنکہ جمع از اہل علم این نماز بست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعتے قرارت معین را مستحسن داشتہ این عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجمل چیزے ست کہ بر آن این معنے صادق ست کہ انہ صلوٰۃ اتی بجماعۃ وانہ فی رمضان پس حکم ببدعت آں چہ معنی دارد (...)

لیکن جو اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرارت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد بخصوصہ ثابت نہیں لیکن ایک مجمل چیز ہے جس پر یہ صادق ہے کہ یہ نماز ہے یہ جماعت ہے یہ رمضان میں ہے۔ پس اسکے بدعت ہونیکا حکم لگانے کے کیا معنی!

نیز فرماتے ہیں۔

ان صلوٰۃ التراویح سنۃ باصلہا لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاہا فی لیالی ثم

لمعات المصابیح ——— ۲۲

ترک شفقة على الأمة أن تجب على العامة أو يحسبوها واجبة ولم أر تعيين العدد في الروايات الصحيحة المرفوعة ولكن يعلم من حديث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لا يجتهد في غيره رواه مسلم أن عددها كان كثيرا (ارشاد رجیح ص)

نماز تراویح اپنے اصل کے لحاظ سے سنت ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں۔ پھر اس اندیشے سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں یا عوام انھیں واجب نہ سمجھ لیں پڑھنا ترک فرما دیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی بات کی، عدد کا تعین نہیں پایا لیکن اس حدیث سے کہ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم" معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

(۳) اہل حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں اپنے سلف کے مخالف ہیں۔ کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابو الحسن صاحب، مولوی وحید الزماں صاحب، علامہ شوکانی، علامہ سبکی، علامہ ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی۔ اسلئے آجکل کے اہل حدیث اصح الکتب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں تو ولا فی غیرہ کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو۔ بہرحال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یا مذکورہ حضرات کو۔

(۴) عہد نبوی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی، اگر کہیں یا کسی مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جاوے۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

(۷) سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سنہ میں؟ کس شہر میں؟

[illegible] بقلم محمد المؤلف رحمه الله تعالى رحمة واسعة الفضل رشيد احمد رضي الله تعالى [illegible] والحمد لله اولا وآخرا والصلوة والسلام على رسوله [illegible] كما يحب ويرضى [illegible]

يوم الجمعة ويوم [illegible] ———— ۱۱ جمادی الاولی سنہ [illegible] ہجری

ارشاد القاری الی صحیح البخاری

تالیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی

یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف موصوف نے کئی سال مسلسل دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا۔ زیر نظر کتاب میں شروع کے بیاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اس میں آگئی ہے وہ اپنے اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح [illegible] میں نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ [illegible]) قیمت

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل
پاکستان چوک، کراچی